فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں　　خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

الحمدُ لِلّٰہ کہ رسالہ مبارکہ سوتوں کو جگانے والا، روتوں کو ہنسانے والا

محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بتانے والا

مُسمّٰی بہ

شانِ حبیبُ الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم

مِن

آیاتُ القرآن

از افادات

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ۔ ۴۰ اردو بازار لاہور

نام کتاب ـــــــــ شانِ حبیب الرحمٰن
مصنف ـــــــــ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد ـــــــــ ایک ہزار
ناشر ـــــــــ مکتبہ اسلامیہ ۴۰، اردو بازار لاہور
قیمت ـــــــــ

عرض ناشر

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم کی بدولت اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہم حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کی بلند پایہ شہرہ آفاق تصنیف "شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن" کو پورے اہتمام کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

یوں تو پورا قرآن ہی اول تا آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے لیکن زیر نظر کتاب میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی ان آیات کی تفسیر کی ہے جو کہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیان فرما رہی ہیں۔

گو کہ یہ کتاب گذشتہ نصف صدی سے تشنگان علم کی پیاس بجھا رہی ہے لیکن ہماری خواہش تھی کہ اس کتاب کو اس کے شایاں شان طریقے سے اور نئے زیور طبع سے آراستہ کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ لہٰذا کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ۔ عمدہ آفسٹ پیپر اور خوبصورت جلد کے ساتھ اغلاط پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ہم اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہیں اس کا فیصلہ آپ کریں گے کتاب کا بنظر غور مطالعہ فرمائیں اور اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں ضرور نوازیں کیونکہ آپ کے مشورے ہی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی کتب کا معیار مزید بلند کر کے آپ کے ذوق کی تسکین کر سکیں گے۔

آخر میں میری گذارش ہے کہ ادارے اور اس کے متعلقین کے لئے دعا فرمائیں کہ ہم مزید آپ کی خدمت میں معیاری کتب پیش کر سکیں۔

طالب دعا

افتخار احمد خان مفتی

فہرست کتاب مستطاب شان حبیب الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی حَبِیبِہِ الکَرِیم

حمد اسی پروردگار عالم کو لائق ہے جس نے امر کن سے تمام جہان پیدا فرمایا، اور ایک مشت خاک سے انسان بنایا اور اس کو لقد کرمنا بنی آدم کا تاج پہنایا۔ سبحان اللہ کیسا رحیم و کریم اور کارساز ہے جس نے اپنے فضل سے ہم پر نعمتوں کے دریا بہا دیئے۔ اگر ہمارے بال زبان بنکر اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو ہرگز نہ کر سکیں۔

گر بر تن من زبان سود ہر مو　　احسان ترا شمار نتوانم کرد

پھر اس خاک کو عزت دینے کے لئے ان میں انبیاء کرام کو بھیجا کہ یہ تمام نعمتوں سے بالاتر نعمت ہے۔ پھر درود نامحدود اس محبوب رب ودود پر جس کا وجود باوجود اس جہان کی پیدائش کا سبب ہے۔ سارا باغ عالم اسی ایک سچے پھول کے لئے لگایا گیا۔ آدم آدمیان عالم اور عالمیان اسی دولہا کے براتی اور اس نوشہ کے طفیلی ہیں۔

سبحان اللہ کیسا بادشاہ، نبیوں کا سردار، گنہگاروں کا غمخوار، شافع روز شمار، رحمت پروردگار بیکسوں کا کس، بے بسوں کا بس، کمزوروں کا زور، بے سہاروں کا سہارا، جس کا ذکر پاک بے چین دل کا چین، بے قرار دل کا قرار ہے۔ کیسے رؤف و رحیم کہ ولادت پاک کے وقت گنہگاروں کو فراموش نہ فرمایا، معراج میں سیہ کاروں کو یاد رکھا۔ بعد وصال قبر انور میں خطا کاروں کے لئے لب پاک کو جنبش دی (مدارج)، قیامت میں سب کو جان کی فکر مگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کی

جب ماں اکلوتے کو بھولے　　آ آ کہہ کے بلاتے ہیں
قصر و نے تک کسی کی رسائی　　جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اِلٰی یَومِ الدِّین

بعد حمد و صلوٰۃ کے جاننا چاہیئے کہ انسانی زندگی کا اصلی مقصد اپنے رب کو پہچاننا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ ہم نے جن و

اس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہماری عبادت کریں اور رب کریم کو وہی پہچان سکتا ہے جو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کو جانتا ہو، عیسائی، یہودی، مشرکین سالہا سال عبادت کریں مگر نہ عارف ہو سکتے ہیں اور نہ صحیح معنوں میں عابد۔ کیوں؟ اس لئے کہ مدنی تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر پہچانے ہوئے عبادت وغیرہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنی پہچان بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے محبوب علیہ السلام کے ذریعہ کرائی۔ فرمایا هُوَ الَّذِی اَرسَلَ رَسُولَہٗ بِالْهُدٰی وَ دِینِ الْحَقِّ رب العالمین وہ شان والا ہے، جس نے اپنے رسول علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ کہیں فرمایا هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُولاً مِنهُم پروردگار وہ شان والا ہے جس نے بے پڑھوں میں ایک شان والا رسول بھیجا، ان ہی میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کو خالق السمٰوٰت والارض ہونے سے پہچانے، تو عرفان میں ناقص، اور جو اسے خالق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے سے جانے وہ کامل مومن ہے۔

غرضکہ دست قدرت کو بھی اپنے شان والے محبوب پر ناز ہے کہ بار بار فرماتا ہے کہ اگر ہماری شان ہماری صناعی دیکھنا ہے تو ہمارے شان والے دریکتا محمد رسول اللہ کو دیکھو۔ صلی اللہ وسلم

صناع کی کاریگری مصنوع سے پہچانی جاتی ہے اور عالم کا زور علمی اس کے اعلیٰ شاگرد سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدائے قدوس کا کمال مصطفٰے کے جمال میں نظر آتا ہے، حضور کی ذات مظہر ذات ذوالجلال ہے

اس صورت نوں میں جاں آکھاں، جاں آکھاں کہ جان جہاں آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

رب العالمین بے مثل خالق ہے اور محبوب علیہ السلام بیمثل مخلوق، کسی دین والا ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتا جیسی کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات ہے۔ اس کی تحقیق آئندہ ہوگی انشاء اللہ مگر زمانہ موجودہ کے مسلمان جہاں اور باتیں بھول چکے وہاں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بھی غافل ہو گئے پھر شامت اعمال سے قوم مسلم میں ایسے مسلم نما بے

دین بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے شان محبوب علیہ السلام کو گھٹانا اپنا دین قرار دے لیا۔ اور اس ذات کریم کو اپنا مثل بشر اور بڑا بھائی اور معاذ اللہ نہ معلوم کیا کیا بتانا شروع کیا۔ سیدھے سادے مسلمان ان کے جبہ و دستار دیکھ کر ان کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ اس رفتار زمانہ کو دیکھ کر سمجھدار اور دین دار مسلمان خون کے آنسو روتے ہیں۔

زمانہ کی زبوں حالت کو دیکھتے ہوئے حضرت محترم حاجی دین متین ناصر المسلمین حاجی الحرمین الشریفین جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت راہبر گمراہان ہادی گم گشتگان حضرت حاجی تراب اقدام احمد صاحب عرف حاجی محمد علی صاحب متولی و مہتمم مسجد گلزار مدینہ مدظلہ، نے ازراہ ہمدردی اہل اسلام مجھ سے فرمائش کی کہ قرآن کریم کی وہ آیات جمع کرو جو صراحۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرما رہی ہیں اور اس کے مطالب کو مختصر طریقہ پر اس طرح بیان کرو جس سے مسلمانوں کے دل نور ایمان سے جگمگا جاویں شان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اہل ایمان کو پتہ چل جاوے جس کے پڑھنے سے مومنوں کے دل کو سرور آنکھوں کو نور حاصل ہو مخالفین اسلام بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ان فضائل پاک کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کے گرویدہ ہو جائیں، مگر مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس تھا۔ بھلا کہاں مجھ جیسا بے ہنر انسان اور کہاں سید الانس والجان کی شان۔ رب تعالیٰ دنیاوی سامان کے بارے میں فرماتا ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ یعنی اے محبوب فرمادو کہ دنیاوی سامان تھوڑا ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی شخص بھی اس کو شمار نہیں کر سکتا۔ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا۔ اور اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ آپ تو بڑے ہی اخلاق والے ہیں۔ جب تمام انسان قلیل کو نہیں شمار کر سکتے، تو اس عظیم اخلاق والے عظیم ترین محبوب کے فضائل کی کس کو طاقت ہے کہ شمار کر سکے لیکن صرف یہ خیال کیا کہ کم از کم بروز قیامت ہمارا نام نعت گویوں اور نعت خوانوں میں آجاوے اور ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کی برکت سے بروز قیامت حضرت حسان رضی اللہ عنہ، کے نعلین برداروں میں حشر نصیب ہو جاوے۔ اور ان کی ثنا خوانی خدا کرے کفارہ سئیات بن جاوے توکلاً علی اللہ

اس مبارک کام کو شروع کیا۔ شروع تو کر دیا، مگر مولیٰ تعالیٰ اس کو بخیر و خوبی انجام پر پہنچا دے۔ اٰمین۔

۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳ جون سنہ ۱۹۴۲ء۔ بروز پنجشنبہ یہ کتاب شروع کی گئی۔ اس کتاب کا نام شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن رکھتا ہوں وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

احمد یار خاں، بدایونی

مدرس مدرسہ، انجمن خدام الصوفیہ گجرات پنجاب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو بنظرِ ایمان دیکھا جاوے تو اس میں اول سے آخر تک نعت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم ہوتی ہے۔ حمد الٰہی ہو یا بیان عقائد گذشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات ہوں یا احکام، غرض قرآن کریم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لئے ہوتے ہے۔ مثال کے طور پر سورہ اخلاص قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ کو لیجئے کہ اس میں خدائے قدوس کی صفات کا ذکر ہے۔ اور سورہ لہب کو دیکھئے یعنی تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ کہ اس میں بظاہر ابو لہب کافر اور اس کی بیوی کا تذکرہ ہے از اول تا آخر، مگر جب غور کرو تو یہ دونوں سورتیں محبوب کی نعت پاک سے بھری ہوئی ہیں۔ قُلْ ھُوَ اللہُ میں ارشاد ہے کہ اے محبوب تم کہدو کہ اللہ ایک ہے اور وہی بھروسہ کے لائق ہے نہ وہ کسی کی اولاد، نہ اس کی کوئی اولاد وغیرہ وغیرہ، مگر ایک کلمہ قُلْ نے (یعنی محبوب تم کہدو) اس ساری سورۃ میں نعت کو شامل کردیا۔ کیوں کہ مرضی الٰہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام تو ہمارا ہو اور زبان تمہاری

قُل کہہ کے اپنی بات بھی مُنہ سے ترے سُنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

ہماری صفات تو تم دنیا کو بتاؤ اور فرماؤ اللہُ اَحَدٌ اور تمہاری صفات ہم ارشاد فرماتے ہیں کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تم کہلواؤ۔ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ہم کہلواتے ہیں یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے منہ سے اپنے اوصاف سنیں تم ہمیں سناؤ۔ اَللہُ اَحَدٌ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ محبوب فرزند سے باتیں سنتے ہیں، چوں کہ اس کی زبان کے لفظ میٹھے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں تو بار بار کہلوا کر سنتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب

سے قرآن پڑھوا کر سنا۔ ورنہ میثاق کے دن سب سے پہلے توحید کا اقرار حضور ہی نے کیا تھا۔ یا قُل سے یہ مقصود ہے کہ اے محبوب لوگوں سے کہدو اللهُ اَحَدٌ لہذا اگر کوئی انسان آپ کی غلامی کے بغیر ہماری صفات کو جانے مانے ہرگز عارف یا موحد نہیں۔ جب تک کہ آپ کی بتائی ہوئی توحید آپ کے دامن پاک سے لپٹ کر نہ مانے۔ اسی لئے کلمہ طیبہ کا نام تو ہے کلمہ توحید۔ مگر اس میں اللہ کے ذکر کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ بھی ہے کہ جزو اول میں توحید اور جزو دوم میں توحید سکھانے والے کا اسم پاک آجائے کہ توحید صحیح بغیر رسالت کی دستگیری کے حاصل نہیں ہوتی۔ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ میں بھی نعت شامل ہے قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ میں تو قل فرمانے سے نعت کی شان نظر آئی اور یہاں قل نہ فرمانے سے۔ کیونکہ ایک بار ابولہب ابن عبدالمطلب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں عرض کیا تھا کہ تَبًّا لَّکَ آپ تباہ ہو جائیں۔ پروردگار عالم نے اس کلمہ ملعونہ کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا کہ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ کہ ابولہب ہلاک ہو جائے۔ اور وہ ہلاک ہو بھی گیا۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب آپ نہ دیں ہم خود جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اب اس سے جہاں ابولہب کی گمراہی ہلاکت وغیرہ کا ذکر ہوا ساتھ ہی ساتھ آقائے دو جہاں کی عزت و عظمت بارگاہ الہیہ میں معلوم ہو گئی کہ ان کی شان میں ادنی سی بکواس کرنے والا خدائے پاک کا دشمن قرار پاتا ہے مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)۔

صحابہ کرام اہل بیت عظام کے مناقب مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کے فضائل جو قرآن کریم میں ارشاد ہوتے وہ حقیقت میں نعت مصطفٰے ہے۔ بادشاہ کے غلاموں کی تعریف اس کے تخت و تاج کی مدحت در حقیقت بادشاہ کی ثنا خوانی ہے۔ کفار کی برائیاں، بت پرستوں کی مذمت بھی اسی شہنشاہ کی نعت ہے جس کی مخالفت سے یہ لوگ مردود ہوتے۔

اسی طرح آیات احکام کو دیکھئے کہ سب میں حضور علیہ السلام کی نعت ظاہر ہے مثلاً

قرآن میں جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا، یا حج فرض فرمایا، مگر کسی جگہ یہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کس طرح پڑھو، کس کس وقت پڑھو کتنی کتنی رکعتیں پڑھو اسی طرح یہ وضاحت بھی نہ فرمائی کہ زکوٰۃ کون دے، کتنے مال پر دے کس قدر دے حج کرو، مگر تمام حج کے قاعدے نہیں بیان کئے جس کی منشا یہ ہے کہ احکام ہم نے بتادیئے اب اگر ان احکام کی تفصیل اور طریقہ دیکھنا ہے تو ہمارے محبوب علیہ السلام کے مبارک فعل اور قول کو دیکھ لو، ان کی زندگی پاک ہمارے سارے احکام کی مکمل تفسیر ہے اور حق تو یہ ہے کہ نماز، روزہ حج وغیرہ محبوب علیہ السلام کی محبوب اداؤں کا نام ہے۔ ان کی ادائیں پیاری ہیں جو بھی اخلاص سے ان کی سی ادائیں کرے گا مقبول ہو گا۔ اگر کوئی شخص رکوع سجدہ میں قرآن پڑھ لے اور قیام میں التحیات پڑھے یعنی جو ذکر الٰہی نماز میں ہوتا ہے اس کی ترتیب بدل دے نماز نہ ہوگی۔ آخر یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس نے اگرچہ سارے ارکان ادا کردیئے اور سارے ذکر بھی کر لئے۔ مگر اس طرح نہیں کئے جس طرح سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے، پیاری تو ان کی ادائیں ہیں نہ کہ محض تمہارے افعال، دیکھو نماز و تلاوت بزبان عربی لازم ہے کہ یہ ہی محبوب کی زبان ہے۔ ہمیں طوطی مینا پیاری ہیں کیونکہ یہ ہماری سی بولی بولتی ہیں اگرچہ بغیر سمجھے ہی سہی تو اے مسلمانو تم بھی اس محبوب کی بولی بولو۔ اگرچہ بغیر سمجھے ہوئے سہی ثواب پاؤ گے، اگر نماز محض درخواست ہوتی تو ہر زبان میں ادا ہو جاتی، کہ رب تو ہر زبان جانتا ہے۔ حج میں کیا ہے؟ کہیں ٹھیرنا، کہیں دوڑنا، کہیں کنکر پھینکنا، کہیں طواف میں گھومنا، آخر یہ کام ان تاریخوں میں عبادت کیوں بن گئے؟ اس لئے کہ یہ اللہ والوں کے کام ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا مَن تَشَبَّہَ بِقَومٍ فَھُوَ مِنھُم جو کسی سے قوم مشابہت کرے وہ اسی قوم سے ہے۔ ہماری نمازوں اور ساری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اور تشبیہ نصیب ہو جاوے، شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں بخش دے۔

رات کی تاریکی میں نمازیں امت کی بخشش کی دعائیں
ان کے سجدے فخر عبادت صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے یہ سجدے مجود انہیں مقبول سجدوں کی نقل ہیں۔ غرضکہ ساری احکام کی آیات نعت رسول علیہ السلام ہیں۔

اسی طرح وہی کام گناہ ہے جو حضور کو ناراض کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ لہم کے مقدم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ان ہی کو عذاب ہو گا جو حضور کو ایذا دیں معلوم ہوا کہ ہر کافر کے کفر اور مومنوں کے گناہ سے حضور کو ایذا ہوتی ہے۔ اگر کسی عبادت سے حضور ناراض ہیں تو وہ عبادت گناہ ہے اور اگر کسی کی خطا سے حضور راضی ہوں تو وہ خطا عین عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر کا غار میں سانپ سے اپنے کو کٹوا لینا خود کشی نہیں، عین عبادت ہے، ابو امیہ ضمری کا بمجبوری کلمہ کفر منہ سے نکال دینا کفر نہیں، خیبر میں حضرت علی کا نماز عصر قضا کر دینا گناہ نہیں بلکہ عبادت تھا کہ ان چیزوں سے حضور راضی تھے۔ مگر فاطمہ زہرا کی موجودگی میں حضرت علی کے لئے دوسرا نکاح گناہ تھا کہ اس سے حضور کو ایذا پہنچتی عرفات میں نماز مغرب قضا کرنا عبادت ہے کہ اس سے حضور راضی ہیں۔

لیکن ہم کو اس مختصر سے رسالہ میں ان ہی آیات کریمہ کے متعلق عرض کرنا ہے جو براہ راست نعت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آؤ اپنے نبی کے گیت گائیں اور اسی پر مقدمہ ختم کریں۔

تخت ہے ان کا، تاج ہے ان کا — دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
جن و ملک ہیں ان کے سپاہی — رب کی خدائی میں ان کی شاہی
شاہ و گدا ہیں ان کے سلامی — فخر ہے سب کو ان کی غلامی
اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں — سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں
کعبہ کی زینت ان کے دم سے — طیبہ کی رونق ان کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں — دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں
باغ خلیل کا وہ گل زیبا — کشت صفی کا نخل تمنا

رحمت عالم نور مجسم صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ

داں کرو دربار ہے بھاری در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری
در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے آپ کے دم سے آس اگائے
ہم تو پرانے کمین ہیں در کے نام لکھے ہیں پدر مادر کے
چشم کرم للہ ادھر ہو
سالک خستہ پر بھی نظر ہو

احمد یار خاں نعیمی عفا اللہ عنہ بدایونی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم

(۱) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ پارہ ۲۷، سورہ حدید رکوع ۱۔ وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر ہے وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی چھپا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ یہ آیت کریمہ حمد الٰہی بھی ہے اور نعت مصطفےٰ بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضور سب سے اول ہیں اور سب سے پیچھے اور سب پر ظاہر اور سب سے چھپے ہوتے اور حضور علیہ السلام ہر چیز کو جانتے ہیں اول تو اس طرح کہ دنیا و آخرت ہر جگہ سب سے اول ہی ہیں، سب سے پہلے آپ کا نور پیدا ہوا۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ جسماً تو حضرت آدم حضور علیہ السلام کے والد ہیں مگر حقیقتاً حضور علیہ السلام والد آدم ہیں بظاہر درخت سے پھول ہے مگر حقیقت میں پھول سے درخت ہے۔

ظاہر میں میرے نخل حقیقت میں میری اصل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

اس باغ عالم کے حضور پھول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ سب سے پہلے نبوت آپ کو عطا ہوئی۔ خود فرماتے ہیں۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ حضرت آدم اپنے آب و گل میں جلوہ گر تھے، میثاق کے دن اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کے جواب میں سب سے پہلے بَلٰی فرمانے والے حضور ہی ہیں، بروز قیامت سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھولی جاوے گی، بروز قیامت اوّل حضور کو سجدہ کا حکم ملے گا سب سے پہلے حضور شفاعت فرمائیں گے اور شفاعت کا دروازہ حضور ہی کے دست اقدس پر کھلے گا۔ اول حضور ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اول حضور ہی جنت میں تشریف فرما ہوں گے، بعد میں تمام انبیاء اول حضور ہی کی امت جنت میں جاویگی بعد میں تمام امتیں۔ غرضکہ ہر جگہ اولیت کا سہرا ان ہی کے سر پر ہے، اول دن یعنی جمعہ حضور ہی کو دیا گیا، اس قدر اولیت کے باوجود پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم آخر بھی ہیں۔ سب سے آخر حضور کا ظہور ہوا۔ خاتم النبین آپ ہی کا لقب ہوا۔

سب سے آخر حضور ہی کو کتاب ملی۔ سب سے آخر حضور ہی کا دین آیا۔ سب سے آخر دن یعنی قیامت تک حضور ہی کا دین باقی رکھا گیا۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر، عیاں ہو معنی اول آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

اب رہا ظاہر و باطن۔ حضور علیہ السلام سب پر ظاہر ہیں اور ہمیشہ ظاہر، سب پر تو اس طرح ظاہر کہ ان کو مسلمان جانیں، کافر پہچانیں یَعرِفُونَہٗ کَمَا یَعرِفُونَ اَبنَآءَ ھُم حضور کی معرفت کو بیٹے سے مثال دی نہ کہ باپ سے اس کی تین وجہ ہیں۔ بیٹا اپنے باپ کو صرف لوگوں سے سن کر جانتا ہے بلا دلیل۔ مگر باپ اپنے بیٹے کو اپنے نکاح، قرار حمل، ولادت وغیرہ دلائل سے جانتا ہے۔ کفار بھی حضور کو دلائل سے پہچانتے تھے نہ فقط سن کر، نیز بیٹا دنیا میں آکر باپ کو پہچانتا ہے مگر باپ ولادت سے پہلے ہی کفار بھی حضور کو ولادت پاک سے پہلے ہی جانتے تھے اور ان کی آمد کی دعائیں مانگتے تھے، نیز بچہ دنیا میں آکر فوراً نہیں پہچانتا بلکہ سمجھدار ہو کر، مگر باپ بیٹے کو اول سے ہی جانتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو بچپن ہی سے سارا عالم جانتا تھا کہ پہاڑ سلام کرتے تھے حجر خوشخبریاں دیتے تھے۔ درخت سایہ کیلئے جھکتے تھے۔ چاند باتیں کرتا تھا، کفار آپکی نبوت کی گواہیاں دیتے تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی ے تافت ستارہ بلندی

جانور جانیں، اونٹ سجدہ کریں، جنگل کے ہرن امن مانگیں، چاند و سورج جانیں کہ چاند تو اشارہ پا کر دو ٹکڑے ہو جاتے اور سورج ڈوب کر لوٹ آوے جانتے ہیں کہ اشارہ محبوب ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرش والے جانیں۔ عرش والے پہچانیں حضرت آدم آنکھ کھولتے ہی عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ محبوب کا نام لکھا ہوا پائیں، جنت والے جانیں، دوزخ والے پہچانیں، جنت کے پتے پتے پر حوروں کی آنکھوں میں، غلمانوں کے سینہ پر غرضکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔

خلد بریں میں ہر جگہ نام شہ انام ہے
خلد ہے ملک آپ کا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

دوزخی بھی اقرار کریں قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وہ بھی جانیں گے کہ مخالفت سید الابرار ہم کو یہاں لائی غرضکہ جہاں اللہ کا چرچا ہے وہاں رسول اللہ کا ذکر، تمام عالم میں آپ کا نور اور ہر جگہ آپ کا ظہور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پھر قیامت تک محبوب کی ہر ہر ادا سب کو معلوم۔ زندگی پاک کی ایک ایک حالت کریمہ ولادت پاک دودھ پینا، پرورش پانا، قبل نبوت کے واقعات، بعد نبوت اندرونی اور بیرونی زندگی پاک، چلنا پھرنا کھانا پینا، سونا جاگنا، تبسم فرمانا، گریہ وزاری کرنا غرضکہ زندگی پاک کا ہر شعبہ ہر وقت ہر جگہ ظاہر عرب میں ظاہر عجم میں ظاہر، پنجاب میں ظاہر کابل میں ظاہر کونسی جگہ ہے جہاں کتب حدیث نہ پہنچی ہوں۔ ظاہر تو ایسے مگر لطف یہ ہے کہ جیسے وہ ہیں ایسا کسی نے نہ جانا بجز پروردگار وہ شان ظہور تھی اور یہ شان بطون۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید
سنا ہے رہتے ہیں دولہا فقط مدینہ میں
غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینے میں

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیو بند قصائد قاسمی میں لکھتے ہیں

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے بجز ستار
سوا خدا کے بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے
تو شمس نور ہے شپر نمط اولو الابصار

غرضکہ دیدہ انسان میں بشریت ظاہر ہوئی مگر حقیقت محمدیہ بجز پروردگار کوئی بھی نہ جان سکا، جس طرح کہ سورج کو اس کے نور نے چھپالیا کہ کوئی بھی اس کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔

اسی طرح حضور انور علیہ السلام کی نورانیت پردہ بن گئی۔ رب نے اسی لئے نور فرمایا قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ یعنی اے مسلمانو تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نور اور کھلی ہوئی کتاب آئی۔ اس کی بحث آگے آئے گی۔ پانچویں صفت بیان ہوئی ھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ اور وہ محبوب علیہ السلام ہر چیز کو جاننے والے ہیں یعنی خالق کی ذات و صفات اور علوم ظاہر و باطن اور مخلوق کے اولین و آخرین کے سارے علم حضور علیہ السلام میں جمع ہیں اور مخلوق الٰہی میں فَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ (ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا عالم ہے)۔ حضور ہی ہیں، جس آنکھ نے خالق عالم کو معراج میں دیکھا ہو مخلوق کس طرح اس سے چھپ سکتی ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

دیدار الٰہی کی تحقیق خدا نے چاہا تو آئندہ آئے گی۔

آیت ۲۔ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (پارہ ۱، سورۃ بقر، رکوع ۳) یعنی اور اگر تم کو اے کافرو کچھ شک ہو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندہ خاص پر اتاری، تو تم اس کی طرح ایک سورۃ تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب مددگاروں کو بلالو۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن کریم حضور علیہ السلام اپنی طرف سے بنا کر سناتے ہیں اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ انسانی مصنوعات کی پہچان یہ ہے کہ دوسرا انسان اس طرح کی چیز بنا سکے۔ اور جو کسی انسان سے نہ بن سکے۔ سمجھ لو کہ وہ خدائی مصنوع ہے جگنو اور چیونٹی اگرچہ کمزور چیزیں ہیں مگر کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ وہ انسان کی بنائی ہوئی ہیں۔ مگر ریل کا انجن اگرچہ بہت طاقتور ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ انسان کی بنائی ہوئی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج صدہا کارخانے انجنوں اور بجلی کے بنانے کے ہیں مگر چیونٹی اور جگنو بنانے کا کوئی بھی کارخانہ نہیں۔ اس طرح یہاں فرمایا گیا کہ اگر قرآن کریم انسان کی بنائی ہوئی چیز ہے تو تم بھی ایسا قرآن بنا لاؤ۔

بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن پاک کی تعریف ہو رہی ہے۔ مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن کی بھی تعریف ہے اور صاحب قرآن کی بھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے کسی کے شاگرد نہیں بلکہ استاذ الکل ہو کر تشریف فرما ہوتے بلا واسطہ پروردگار عالم ان کو سکھانے والا اور وہ سیکھنے والے

نہ لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

قاعدہ یہ ہے کہ بڑے استاذ کے شاگرد بھی بڑے ہی ہوتے ہیں ایم اے کے ماسٹر کے پاس پڑھنا ہر ایک کا کام نہیں جن کا سکھانے والا پڑھانے والا پروردگار ہے تو سیکھنے والے محبوب کیسے علم و حکمت والے ہوں گے؟ اسی لئے فرمایا کہ سارے مددگاروں کو بلا لو، دنیا بھر کے عالموں کو جمع کر کے مقابلہ کرو مگر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ سارے عالم مخلوق ہی سے پڑھ کر عالم بنے ہیں۔ مخلوق کے شاگرد ہیں۔ وہ اس ذات کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں جو خالق کا شاگرد ہو مخلوق کا معلم علیہ الصلوۃ والسلام۔ مفسرین نے اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے ہیں کہ مثلہ کی ضمیر حضور علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے تو آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ایک سورۃ ہی ایسی لے آؤ جو کہ محمد رسول اللہ جیسی ذات کے مبارک منہ سے نکلی ہو۔ یعنی اولاً تو کوئی ایسا شان والا محبوب دنیا میں ڈھونڈو، پھر اس کے منہ سے ایسی آیت پڑھوا کر سنو (خازن و مدارک وغیرہ) اب کلام کا مقصد یہ ہے کہ نہ ان جیسی شان کا آسمان کے نیچے کوئی ملے گا نہ ایسا کلام سنا سکے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام بےمثل اور بے نظیر ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا اَیُّکُم مِثلِی تم میں مجھ جیسا کون ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا وَلٰکِنّی لَستُ کَاَحَدٍ مِنکُم لیکن ہم تمہاری طرح نہیں اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ حضور علیہ السلام کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۱) ہم سب مومن، حضور علیہ الصلوۃ و السلام ایمان، (۲) ہم لوگ صادق وہ سراپا صدق۔ (۳) لوگ عالم وہ سراپا علم، کیونکہ ان کے احوال پاک کے جاننے کا یا ان کو پہچاننے کا نام علم ہے، ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک حضور علیہ السلام کی یہ تمام چیزیں امت کے لئے پاک

(شامی جلد اول) ہماری نیند وضو توڑ دے ان کی نیند وضو نہ توڑے۔ ہم سب سن کر جنت و دوزخ ذات و صفات پر ایمان لاتے۔ ہمارا ایمان سنا ہوا۔ حضور علیہ السلام دیکھ کر، ہم سب پر پانچ نمازیں فرض، حضور پر چھ، تہجد بھی وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ یعنی رات میں آپ تہجد پڑھیئے یہ نماز آپ کے لئے زیادہ ہے۔ سب کے لئے اسلام کے ارکان پانچ اور حضور علیہ السلام کے لئے صرف چار یعنی زکوٰۃ فرض نہیں (شامی کتاب الزکوٰۃ) ہم کو چار بیویاں نکاح میں رکھنا جائز مگر حضور جس قدر چاہیں حلال۔ ہمارا مال میراث میں تقسیم ہو حضور کا نہ ہو، ہماری بیویاں ہماری موت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کر لیں، حضور کی ازواج پاک بعد وفات کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا غرضکہ بے شمار فرق ہیں عبادت میں بھی اور معاملات میں بھی پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ہم حضور جیسے بشر ہیں، اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی بحث میں آئے گی۔

آیت ۳۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (پارہ پہلا سورۃ بقر رکوع ۲) یہ منافقین اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور یہ سمجھتے نہیں۔ اس آیت میں بظاہر تو منافقین کی برائی اور ان کا عیب بیان ہو رہا ہے مگر بغور نگاہ دیکھا جاوے تو ساتھ ہی ساتھ حضور علیہ اسلام کی وہ عظمت ثابت ہو رہی ہے کہ سبحان اللہ تفسیر خازن میں اس آیت پر فرمایا کہ منافقین خدا کو دھوکا کس طرح دے سکتے ہیں جواب دیا کہ ذَكَرَ نَفْسَهٗ وَاَرَادَ بِهٖ رَسُوْلَهٗ وَفِیْ ذٰلِكَ تَفْخِیْمٌ لِّاَمْرِهٖ وَتَعْظِیْمٌ لِّشَانِهٖ یعنی فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے مگر اس سے مراد محبوب کی ذات پاک لی، یعنی فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر مقصود ہے کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کو خدائے قدوس سے وہ قرب حاصل ہے کہ ان کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا گویا پروردگار کو دھوکا دینا ہے۔

مدارک نے فرمایا کہ یہ آیت ایسی ہے کہ جیسی کہ بیعت کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے محبوب جو آپ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے فرمایا گیا کہ اے

محبوب آپ نے جو کنکر پھینکے بلکہ آپ کے رب نے پھینکے۔ سبحان اللہ محبوب کے فعل کو اپنا فعل فرمایا گیا

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیت ۴۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (پارہ الم سورۃ بقرہ رکوع ۴) اور حضرت آدم کو تمام نام سکھا دیئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی عزت و عظمت کا ذکر فرمایا جارہا ہے اور ان کی فراوانی علم کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ پروردگار عالم نے ان کو اگلی پچھلی چھوٹی بڑی ساری چیزیں دکھائیں اور سب کے نام تمام بتادیئے اور ہر چیز کا نفع نقصان اور سارے حالات ان کو تعلیم فرمادیئے۔ دیکھو تفسیر مدارک اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت تک جس چیز کے جس قدر نام مختلف زبانوں میں ہوں گے وہ سارے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو بتادیئے گئے۔ مثلاً پانی کو عربی میں ماء کہتے ہیں اور فارسی میں آب اردو میں پانی، انگریزی میں واٹر، ہندی میں جل، تلنگی میں پانٹرین اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہوں گے۔ یہ تمام نام ان کو سکھا دیئے گئے۔ دیکھو تفسیر کبیر۔ غرضکہ ہر چیز کو ان پر ظاہر فرمادیا اور اس فضیلت علمی کی بنا پر ان کو اپنی خلافت کا تاج پہنایا اور فرشتوں کا مسجود بنایا لیکن ساتھ ہی اس آیت کریمہ میں نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ مسئلہ مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام علوم انبیاء کے جامع ہیں۔ بلکہ جس پیغمبر علیہ السلام کو پروردگار نے جو کچھ نعمت عطا فرمائی حضور ہی کے دست اقدس سے ملی۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اَللّٰہُ الْمُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ اللہ دینے والا ہے اور ہم اس کو تقسیم فرمانے والے۔ رب فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یعنی یہ انبیاء وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ بھی ان ہی کی راہ پر چلو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام انبیا کے ساری صفات کے جامع ہیں۔

اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ آپ دین میں اگلے پیغمبروں کی اطاعت کیجئے کہ عقائد میں امتی کو بھی تقلید ناجائز ہے خود تحقیق کرنا ضروری ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم

میں توحید و رسالت حشر و نشر پر عقلی دلائل قائم فرماتے تو سید الانبیاء عقائد میں دوسروں کی تقلید کیونکر کرسکتے ہیں رہے دینی اعمال حضور علیہ السلام کا دین ان کا ناسخ ہے۔ اسلام ناسخ ادیان ہے ان میں پیروی کیسی۔ لہٰذا ھُدٰھُم سے انبیاء کرام کے ذاتی کمالات مراد ہیں۔ حضور کو شکر نوح، سنت ابراہیم، اخلاص موسیٰ صدق اسمٰعیل صبر یعقوب و ایوب، توبہ داؤد، تواضع سلیمان و عیسیٰ علیہ السلام دیئے گئے۔ لہٰذا اِقتدِہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ جامع کمالات انبیاء ہو جائیے (روح شروع سورہ نوح)۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام بوصیری شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں

فَاِنَّکَ شَمسُ فَضلٍ ھُم کَوَا کِبھَا   یظْھِرنَ اَنوارَ ھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَم

یعنی اے محبوب آپ عظمت کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ کے تارے کہ سب نے آپ ہی سے لیکر اندھیرے میں آپ ہی کا نور لوگوں پر ظاہر کیا

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں
سب جگمگاتے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ علوم اولین و آخرین حضور علیہ السلام کے علم میں مجتمع ہیں جیسے کہ علم سمع علم بصر علیحدہ علیحدہ ہیں مگر نفس ناطقہ میں سب جمع، اسی طرح یہاں حضور علیہ السلام عالم حقیقی ہیں اور باقی انبیاء عالم بالفرض۔ فتوحات مکیہ میں شیخ ابن عربی دسویں باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب ہیں ان قرآنی آیات اور حدیث پاک اور اقوال علما سے بخوبی واضح ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم باوجود اس قدر وسعت کے ہمارے آقا و مولیٰ کے علم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے یا دفتر کی ایک سطر۔ اب حضور علیہ السلام کا علم کس قدر وسیع ہے یہ یا تو حضور جانیں یا ان کا دینے والا پروردگار اس کی تحقیق آئندہ بھی آئیگی پھر حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا، خلافت الٰہیہ کا تاج عنایت کیا۔ یہ سب اس نور محمدی کی برکت سے

ہوا جو کہ حضرت آدم کی پیشانی میں جلوہ گر تھا اسی نور کو حقیقتاً سجدہ کرایا گیا، اسی کے طفیل یہ علوم مرحمت ہوئے دیکھو مدارج النبوۃ جلد ۲ شروع۔

آیت ۵۔ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (پارہ ۱ سورہ بقر رکوع ۴) پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے، تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کے بعد تین سو برس تک سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا، اس قدر روئے کہ اگر تمام دنیا کے آنسو جمع کئے جائیں تو ان کے آنسوؤں کے برابر نہیں ہوسکتے (خازن، مدارک، روح البیان) پانچ حضرات دنیا میں زیادہ روئے۔ حضرت امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد۔ فاطمہ زہرا خاتون جنت۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی میں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا پر۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں کچھ دعائیہ کلمے خدائے پاک کی طرف سے القا ہوئے جب ان کلمات سے دعا مانگی تب رحمت الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ وہ دعائیہ کلمہ کیا تھے؟ اس میں بہت سے قول ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج جلد دوم کے شروع میں روح البیان نے اس آیت کے ماتحت طبرانی، حاکم، ابو نعیم، بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن روتے روتے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں آیا کہ جب میں پیدا ہوا تھا تب میں نے ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ایسے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں کہ ان کا نام رب نے اپنے نام سے ملا کر عرش پر لکھا ہے تب عرض کیا کہ خداوند میں اس ذات گرامی کے طفیل اپنی خطا کی معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرما۔ اس وقت رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا اور خطا سے معافی ہوئی، سبحان اللہ کیا رحمت والا نام ہے کہ اپنے والد ماجد کو پہلے تو سجدہ ملائکہ سے کرایا پھر اس مصیبت سے بچایا۔

اگر نام محمدؐ را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا (جامی)

اب اولاد آدم کو بھی یہ ہی حکم دیا گیا کہ اگر تم لوگ گناہ کرو، کفر کرو، ظلم کرو، تو بارگاہ مصطفٰے علیہ السلام میں حاضر ہو کر ان سے شفاعت کی درخواست کرو اور وہاں جا کر رب سے توبہ کرو اور محبوب بھی تمہارے لئے شفاعت فرمادیں تو تمہاری دعا قبول ہوگی۔ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ط اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مدینہ پاک ہی جاؤ بلکہ اس ذات کریم کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیوں کہ وہ تو ہر جگہ حاضر ہیں غائب تو ہم ہیں۔ اس کی تحقیق آوے گی۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ما وشما تو کیا تمام انبیاء بھی حضور علیہ السلام کے حاجتمند ہیں رب ہے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اور حضور ہیں رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ جس کا پروردگار رب ہے اس کے لئے حضور رحمت ہیں صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم

آیت ۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۱۳) اے ایمان والو راعنا نہ کہو یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ بظاہر اس آیت میں مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے اور ایک چیز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ مگر در حقیقت یہ عظمت مصطفٰے علیہ السلام کی چمکتی ہوئی ایک روشن دلیل ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام کا دستور یہ تھا کہ جب حضور علیہ السلام کچھ کلام فرماتے اور صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی کلمہ نہ آتا تو عرض کرتے رَاعِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یا حبیب اللہ اس کلام میں ہماری رعایت فرمایئے۔ یعنی ہماری خاطر دوبارہ فرمادیجئے۔ یہ کلمہ راعنا۔ یہود کی زبان میں ایک گالی تھی۔ یہود بھی خدمت اقدس میں یہ ہی کلمہ بری نیت سے کہتے تھے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو یہ کلمہ بولنے سے روک دیا گیا اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو اس کلمہ کی بجائے تم اُنْظُرْنَا کہا کرو

یعنی اگرچہ یہ کلمہ نیک نیتی سے کہتے ہو، اور اچھے معنی مراد لیتے ہو، مگر یہود کو تو اس کی وجہ سے گستاخی کا موقعہ مل جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیا عظمت محبوب ثابت ہوئی کہ پروردگار عالم کو اپنے محبوب کی شان اس قدر بڑھانا منظور ہے کہ کسی کو ایسی بات کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ جس کلمہ سے دوسرے کو بدگمانی کرنے کا موقعہ ملے۔ اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ہلکی بات منہ سے نکالنا اگرچہ بری نیت سے نہ ہو کفر ہے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حضور علیہ السلام کے نعلین پاک کی بھی ادنیٰ گستاخی کی کافر ہو گیا۔ شرح فقہ اکبر میں امام ابو یوسف علیہ الرحمتہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ہارون رشید کے دسترخوان پر کدو پک کر آیا۔ کسی نے کہا کدو حضور علیہ السلام کو مرغوب تھا، دوسرے نے کہا لیکن مجھے پسند نہیں اس پر امام ابو یوسف نے قتل کے ارادے سے تلوار نکال لی اور حکم فرمایا کہ تو مرتد ہو گیا کیونکہ تو نے اپنی بے رغبتی کا حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں ذکر کیا۔ اس نے توبہ کی تب چھوڑا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن پر غلامی کا دھبہ لوگوں نے لگایا کہ مصر والوں نے سمجھا تھا کہ یہ بادشاہ مصر کے غلام ہیں، پروردگار عالم نے ایک ایسی قحط سالی بھیجی کہ تمام ملکوں کے لوگ اپنی جائیدادیں جانور، ساری کائنات فروخت کرنے کے بعد آخر آپ کے ہاتھ پر خود فروخت ہو گئے۔ اور آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ اب تمام دنیا تو آپ کی آزاد کردہ غلام ہو گئی۔ آپ سب کے آقا ہو گئے۔ اب کون تھا جو ان کو غلام کہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں حضور علیہ السلام کی شان میں کلمات گستاخانہ کہے یا چھاپے بے دین ہیں۔

آیت ۷۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ (پارہ ۱ سورہ بقر رکوع ۱۴) بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا خوش خبری اور ڈر سنانے والا اور آپ سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہو گا۔ اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے بہت سے فضائل اور مراتب کا ذکر ہے اولاً تو اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو کفار اور منکرین کی حالت دیکھ کر رنج و ملال ہوتا تھا تقاضاء رحمت یہ تھا اور محبوب کی آرزو تھی کہ

تمام لوگ ایمان لے آویں اور جنتی بن جاویں اور پروردگار عالم کا منشا۔یہ تھا کہ محبوب جو تمہارا بدگو اور دشمن ہو وہ میری جنت کی بو بھی نہ پاوے۔ کفار کے کفر اور ضد کو دیکھ کر قلب پاک کو صدمہ پہنچتا تھا۔ تسکین خاطر کے لئے یہ آیت پاک نازل فرمائی گئی کہ اے محبوب آپ کا فرض تھا تبلیغ فرمانا وہ آپ نے بخوبی انجام دے دیا۔اب آپ سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہو گا کہ لوگ ایمان کیوں نہ لاتے آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ایک تو یہ ہی بڑی عظمت ہے کہ رب العٰلمین اپنے حبیب کا دل میلا ہونا، غمگین ہونا پسند نہیں فرماتا۔اب آیت کو دیکھئے پہلا جملہ یہ ہے اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ ہم نے آپ کو بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری خدائے قدوس کا تحفہ ہے۔ بندوں کے لئے اور سمجھ لو بادشاہی تحفہ تحفوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تو تمام نعمت الٰہیہ میں یہ نعمت سب سے افضل ہے، دوسرے بھیجی جاتی ہے وہ چیز جو پہلے سے اپنے پاس ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف آوری سے قبل اپنے رب کے حضور بارگاہ خاص میں حاضر رہے کس قدر حاضر رہے؟ اس کے متعلق ایک روایت تفسیر روح البیان میں زیر آیت لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ تمہاری عمر کس قدر ہے؟ عرض کیا یہ تو میں نہیں بتا سکتا ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ایک تارا ستر ہزار سال کے بعد چمکتا تھا وہ تارا میں نے ۷۲ ہزار بار دیکھا ہے۔ ارشاد فرمایا وہ ستارا ہم ہی تھے۔ جو ذات بارگاہ خاص میں اس قدر حاضر ہو اس کے مراتب کا کیا پوچھنا۔ تل بھی پھول کے پاس صرف ایک رات رہ کر بس جاتے ہیں اور پھول کی سی خوشبو حاصل کر لیتے ہیں تو حضور نبی کریم علیہ السلام کیوں نہ صفات الٰہیہ سے موصوف ہو جاویں شیخ عبدالحق علیہ الرحمتہ نے مدارج کے خطبہ میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام خدا کی صفات سے موصوف ہیں۔

مشکوٰۃ باب فضل الذکر میں فرمایا، اولیاء اللہ خدا کی قوت سے تصرف کرتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ آپ خالی نہیں آتے بلکہ تین چیزیں لے کر آتے حق باتیں لے کر آتے۔ مومنوں کے لئے خوش خبریاں اور منکرین کیلئے عذاب کی خبر لاتے پھر فرمایا کہ اے محبوب دوسروں

کی طرح آپ سے یہ سوال نہ ہو گا کہ فلاں ایمان کیوں نہ لایا اور فلاں نے نیک کام کیوں نہ کئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر ایک آدمی سے سوال ہو گا کہ تمہاری اولاد، تمہاری بیوی تمہارے ماتحت لوگ نوکر چاکر کیوں نہ ہدایت پر آئے مگر آقائے دو جہاں سے اس قسم کا کوئی سوال نہ ہو گا۔ نیز دیگر انبیاء کی امتیں قیامت میں عرض کریں گی کہ ہم تک کوئی پیغمبر پہنچا ہی نہیں، پیغمبر عرض کریں گے کہ ہم نے تیرے احکام ان تک پہنچا دیئے اب حضرات پیغمبر مدعی اور ان کی امت مدعا علیہ اور امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی گواہ، مگر کسی بے دین کسی کافر کی بروز قیامت یہ جرات نہ ہوگی کہ حضور علیہ السلام کے خلاف یہ کہہ سکے اور نہ آپ سے ایسے سوالات ہوں گے۔

آیت ۸۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ (پارہ ۱ سورہ بقر رکوع ۱۵) اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور ان کو تیری کتاب سکھائے اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ اس جگہ تعمیر خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تب انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ الہ العلمین یہ گھر تو ہم نے بنا دیا۔ اب تو اس گھر کو آباد کرنے والا اور اپنے بندوں کو پاک کرنے والا ایک نبی اس شہر مکہ میں پیدا فرما۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد سے شہر مکہ میں حضرت عبداللہ کے گھر سے اور حضرت آمنہ کے مبارک پیٹ سے وہ آفتاب رسالت چمکا کہ جس کی روشنی قیامت تک ہر جگہ رہے گی۔ مشکوۃ شریف۔ باب فضائل المرسلین میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم اور بشارت موسیٰ اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔

اس آیت شریفہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ پہلے پیغمبروں نے حضور علیہ السلام کی دعائیں مانگیں اور تمنائیں فرمائیں۔

گن گائیں جن کے انبیاء مانگیں رسل جن کی دعا
وہ دو جہاں کے مدعا صلی علی یہ ہی تو ہیں

دوسرے یہ کہ خانہ کعبہ حضرت خلیل نے تعمیر فرمایا مگر صحیح معنے میں اس کی عظمت و تعظیم حضور کے دم قدم سے ہوئی اور اس گھر کی آبادی حضور علیہ السلام کی بدولت ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے مشرکین نے خاص خانہ کعبہ میں بت رکھ کر ان کی پوجا وہیں جاری کی تھی۔ اللہ کے گھر میں غیر کی عبادت ہوتی۔ بیت اللہ بھی رسول اللہ علیہ السلام کی آمد کا انتظار کر رہا تھا آپ کے آتے ہی قیامت تک کے لئے وہ گھر بتوں کی گندگی سے پاک ہوگیا۔

بات بھی یہ ہے کہ کعبہ تو ہے بیت اللہ اور حضور علیہ السلام ہیں نور اللہ، بیت میں نور ہی کا تو اجالا ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ تو کیا خلد بریں کو بھی حضور ہی کے دم قدم سے آبادی ملی

تعجب کی جا ہے کہ فردوس اعلیٰ
بناتے خدا اور بساتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس آیت میں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حضور علیہ السلام اللہ کے بندوں کو پاک فرماتے ہیں، کفر سے، شرک سے، گناہوں سے، ہر اخلاقی گندگی سے اگر پاکی چاہتے ہو تو اس دریائے رحمت میں غوطہ لگاؤ، پاک ہو جاؤ گے پانی صرف ظاہر کو پاک کرتا ہے مگر رحمۃ اللعلمین کی نظر قلب و نظر، ظاہر و باطن سب کو پاک فرماتی ہے۔

آیت ۹۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (پارہ ۲ سورہ بقرر کوع ۱۷) اور اسی طرح ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہوں۔ اس آیت کریمہ میں بظاہر امت مصطفٰے علیہ السلام کی تعریف فرمائی جارہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ امت کو جو کچھ بھی عزت ملی وہ اس آقا کی غلامی سے ملی۔ اس آیت کے چند مطلب ہیں ایک تو یہ کہ قیامت کے دن دوسرے انبیاء کی امتیں ۔۔۔۔۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گی کہ خدایا تیرا کوئی پیغمبر ہم

تک نہیں پہنچا اور نہ کسی نے تیرے احکام ہم تک پہنچاتے وہ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ خداوندیہ جھوٹے ہیں ہم نے تیرے سارے احکام ان کو سناتے بتاتے۔ مگر یہ ایمان نہ لاتے۔ انبیائے کرام کو حکم الٰہی ہوگا کہ آپ اپنے دعوے پر کوئی گواہ لاویں، وہ حضرات امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گواہی میں پیش کریں گے یہ امت گواہی دیگی کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں اور یہ کفار جھوٹے ہیں۔ واقعی ان حضرات انبیاء نے تبلیغ فرمائی تھی۔ اس پر کفار اعتراض کریں گے کہ تم تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے۔ سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئے بغیر دیکھے بھالے گواہی کس طرح دے رہے ہو۔ مسلمان عرض کریں گے کہ ہم نے دیکھنے والے سے سنا ہے یعنی اپنے پیغمبر سے علیہ السلام، مسلمانوں کی تصدیق فرمانے کیلئے حضور علیہ السلام تشریف لائیں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا واقعی ہم نے ان سے فرمایا تھا کہ گزشتہ پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی تھی۔ اس گواہی پر انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا ہے اس سے چند فائدے حاصل ہوتے ایک تو یہ کہ یہ امت (یعنی مسلمان) سارے پیغمبروں کی گواہ ہے اور مدعی گواہ سے بہت محبت کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام پیغمبروں کی محبوب ہے یہ امت۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اگلے پچھلوں کے حالات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ورنہ سنی ہوئی شہادت تو مسلمان دے چکے تھے۔ اب ضرورت تھی کہ دیکھنے والا اپنی دیکھی ہوئی گواہی دے اسی لئے حضور علیہ السلام کو معراج ہوئی تاکہ جنت، دوزخ، خدا کی ذات و صفات کی سب تو گواہی دیں سنی ہوئی حضور علیہ السلام کی گواہی ہو دیکھی ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام اپنی ساری امت کے حالات ہر آدمی کے حرکات سے ہر وقت واقف ہیں۔ کیونکہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی دو گواہیاں ہوگی۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ گواہی کے قابل ہیں۔ فاسق، فاجر، بدکار وغیرہ نہیں ہیں (بدکار کی گواہی شرعاً قبول نہیں ہوتی) ورنہ عَلَیْکُم بقاعدہ علمی نہیں بنتا۔ علیٰ اس لئے فرمایا گیا کہ یہاں شہید میں رقیب کے معنی

شامل ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے جس کے ایمان کی گواہی دے دی وہ واقعی جنتی ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا ایمان قطعی ہے کہ اس کی گواہی اللہ نے دی۔ اس کا منکر رب کا منکر ہے اس آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اے مسلمانو دنیا میں تم سب کے گواہ بن سکتے ہو اسی لئے اسلامی عدالت میں مسلمان کی گواہی کافر کے مقدمہ میں مانی جاوے گی، مگر کافر کی گواہی مسلمانوں کے مقدمہ میں قبول نہیں ہوگی یہ بھی اس امت کی شرافت اور عزت ہے تیسرے معنی اس آیت کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی شخص زندہ یا مردہ کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور اگر مسلمان کسی کو بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ میں ہے کہ ایک میت حضور علیہ السلام کے سامنے سے گزری، مسلمانوں نے اس کی تعریف کی، سرکار نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

دوسری میت گزری مسلمانوں نے اس کی برائی کی فرمایا کہ اس کے لئے جہنم واجب ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہٰذا جس مسلمان کو عام مسلمان ولی اللہ جانیں وہ واقعی اللہ کا ولی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز شریعت میں منع نہ ہو اور مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی کار ثواب ہے، جیسے کہ محفل میلاد پاک اور دیگر کار خیر نیاز فاتحہ وغیرہ۔ حدیث پاک میں ہے مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ یعنی جس کار خیر کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ مسلمان ہر چیز میں اور دونوں جہان میں اللہ کے گواہ ہیں۔

آیت ۱۰۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (پارہ ۲ سورہ بقر رکوع ۱۷) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تم کو پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

اس آیت کریمہ میں بظاہر نماز کا قبلہ بدلنے کا حکم ہو رہا ہے۔ مگر نظر ایمانی سے دیکھا جاوے تو حضور علیہ السلام کی اس قدر شان کا اظہار ہو رہا ہے کہ سبحان اللہ آیت فرما رہی ہے

کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں سب کا کعبہ اور ہے کعبہ کا کعبہ اور ہے۔

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں معراج کی رات نماز فرض ہوئی اور کعبہ شریف قبلہ نماز مقرر ہوا ہجرت کے بعد بجائے کعبہ شریف کے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ یہ ہی یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا اس پر۔ یہودی طعنہ دیتے تھے کہ حضور علیہ السلام تمام احکام میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اس اعتراض کی وجہ سے نیز اس لئے کہ کعبہ معظمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور حضور علیہ السلام ابراہیمی ہیں۔

حضور علیہ السلام کی خواہش یہ تھی کہ ہمارا قبلہ پھر کعبہ معظمہ ہی بن جاوے، سترہ مہینے ہو چکے تھے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے پڑھتے ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جبریل ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم کعبہ شریف ہی کیطرف نماز پڑھا کریں، حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میں بندہ الٰہی ہوں بغیر حکم کچھ بھی نہیں عرض کر سکتا، ہاں حضور حبیب اللہ ہیں آپ کی دعا کبھی بھی رد نہیں ہوتی۔ حضور دعا فرمائیں یہ عرض کرکے حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار میں سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا کہ شاید اب وحی آتی ہو قبلہ بدلنے کے لئے پروردگار عالم نے یہ محبوبانہ اندا نہایت ہی پسند فرمائی اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اے محبوب آپ کی اس پیاری ادا کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ بار بار اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا رہے ہیں۔ اچھا ہم اس کو آپ کا قبلہ بنائے دیتے ہیں جسے کہ محبوب تم چاہو (روح البیان یہ ہی آیت) ان کی چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا۔

اس سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ ایک تو یہ کہ تمام لوگ قانون کے پابند ہیں۔ اور قانون مرضی محبوب کا منتظر۔ دوسرے یہ کہ کعبہ کو جو یہ عزت ملی کہ تمام اولیا۔ غوث و قطب اس کی طرف گردنیں جھکا دیں۔ یہ محبوب کے صدقہ سے ملی ان کی مرضی نے کعبہ کو قیامت تک کے لئے قبلہ بنا دیا۔ تیسرے یہ کہ کبھی سجدہ کرنے والا مسجود الیہ سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت

یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ فرمایا۔ حالانکہ یعقوب علیہ اسلام یوسف علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے کعبہ کی طرف سجدہ فرمایا۔ مگر حضور علیہ السلام کعبہ سے افضل ہیں)۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص نماز فرض یا نفل پڑھ رہا ہو اس کو حضور علیہ السلام آواز دیں تو واجب ہے کہ نماز چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہو (مشکوۃ باب فضائل القرآن) اس کی بحث اس آیت کے ماتحت آوے گی یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُم بلکہ بعض کے نزدیک تو یہ حکم ہے کہ اگر نمازی نماز چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں جاوے تمام کام کر آوے کلام بھی حضور سے کرے۔ کعبہ پاک سے سینہ بھی پھر جاوے مگر نماز نہ جاوے گی۔ نماز ہی میں رہے گا۔ دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ انفال تحت آیت زکورہ۔ کیونکہ اگرچہ سینہ نمازی کا قبلہ سے پھرا۔ مگر کدھر پھرا؟ ادھر جو کہ قبلہ کے بھی قبلہ ہیں۔ اگرچہ نمازی نے کلام کرلیا مگر کس سے کیا، ان سے کیا جن کو سلام کرنا نماز میں واجب ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ خانہ کعبہ نے بھی حضور علیہ السلام کی ولادت کی شب مقام ابراہیم کی طرف سجدہ کیا۔ دیکھو مدارج النبوۃ وصل ولادت جلد دوم۔ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔

آیت ۱۱۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَ رَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ (پارہ ۳ سورہ بقر رکوع ۳۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کوئی وہ ہیں جسے سب پر درجوں میں بلند کیا۔

اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا ہے کہ دنیا میں خلق کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو جو بھیجا گیا یہ حضرات ایک درجہ اور ایک ہی مرتبہ کے نہیں ہیں بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے کوئی کلیم اللہ ہیں اور کوئی خلیل اللہ، کوئی ذبیح اللہ ہیں تو کوئی روح اللہ، اور بعض ایسے پیغمبر تشریف لائے جنکو بہت سے درجات پروردگار کی طرف سے عطا ہوئے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہمارے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کو وہ وہ درجے عطا ہوتے جو کسی کے وہم و خیال میں نہیں آسکتے یا تو عطا فرمانے والا رب جانے یا لینے والا محبوب جانے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں اتنا ضرور ثابت ہوا کہ سارے کمالات جو اور پیغمبروں کو ایک یا دو دو ملے، حضور علیہ السلام کو وہ سب ہی ملے اور زیادہ بھی

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

حضور علیہ السلام کے مراتب کا ذکر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے بطور اجمال و اختصار عرض کرتا ہوں دیگر انبیاء کرام کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے، مگر حضور علیہ السلام کی نبوت سب کے لئے عام ہے جس کا پروردگار رب ہے اس کے لئے حضور علیہ السلام کی صفت ہے رحمۃ اللعالمین حضور علیہ السلام نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ تمام پیغمبر حضور علیہ السلام کے امتی ہیں اور مقتدی اس کی تفصیل وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کی آیت میں آویگی حضور علیہ السلام خاتم النبیین ہیں کہ آپکے بعد کوئی بھی نبی نہیں آسکتا۔ حضور علیہ السلام صاحب معراج ہیں کسی پیغمبر کو معراج نہیں ہوتی۔

طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

تمام انبیاء ہر کام میں مرضی الٰہی کے خواہاں ہیں، لیکن پروردگار عالم حضور علیہ السلام کی رضا چاہتا ہے جیسا کہ پہلی آیت سے معلوم ہوگیا۔ فرماتا ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی اور پیغمبروں کو چند معجزات دیئے جاتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام کو بیشمار معجزات دیے گئے، بلکہ خود حضور علیہ السلام از سر تا پا معجزہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی کتاب یعنی قرآن تمام کتابوں کو نسخ کرنے والی ہے مگر اس کو کوئی بھی منسوخ نہیں کرسکتا۔ قیامت میں شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور علیہ السلام کے سر پر باندھا جاویگا آپکی امت تمام امتوں سے افضل ہے وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۱۲۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَ

لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (پارہ ۳ سورہ بقر رکوع ۳۴) وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اسکے حکم کے جانتا ہے جو کچھ انکے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

یہ کلمات پاک آیۃ الکرسی کے تین جملے ہیں۔ آیۃ الکرسی میں اول سے آخر تک گیارہ صفات الٰہیہ بیان ہوئے تفسیر روح البیان میں آیۃ الکرسی کی تفسیر میں ہے مَنْ ذَاالَّذِی سے بِمَا شَآءَ تک تین اوصاف حضور علیہ السلام کے ہیں۔ اس سے پہلے پانچ صفات الٰہیہ ہیں اور ان کے بعد تین صفات الٰہیہ بیان ہوئے اور درمیان میں تین صفات مصطفٰے بیان ہوئے جیسے کہ کلمہ طیبہ میں آگے پیچھے اللہ کا نام ہے اور بیچ میں رسول اللہ علیہ السلام کا۔ پہلے جملہ میں حضور علیہ السلام کی شفاعت کبریٰ کا ذکر ہوا کہ قیامت میں پہلا وقت جبکہ ماوشما تو کیا انبیاء کرام بھی نفسی نفسی فرمادیں گے۔ اس وقت اگر کوئی ذات کریم بارگاہ الٰہی میں اذن پاکر شفاعت فرمانے والی ہے تو وہ صرف حضور علیہ السلام ہی کی ذات ہے۔ پھر جب دروازہ شفاعت حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر کھل گیا تو علماء و مشائخ، چھوٹے بچے کعبہ معظمہ، قرآن کریم، ماہ رمضان سب ہی شفاعت کریں گے۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ انکی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مگر دروازہ اسی ہاتھ سے کھلے گا۔ خیال رہے کہ شفاعت کی چار صورتیں ہیں۔ بڑے کی چھوٹے سے جیسے کلکٹر تحصیلدار سے کسی کی سفارش کرے، برابر والے کی برابر والے سے جیسے کلکٹر سشن جج سے کسی کی سفارش کردے چھوٹے کی بڑے سے مگر دھونس کے ساتھ اس خیال سے کہ اگر حاکم یا سلطان نے میری بات نہ مانی تو میں حکومت میں گڑبڑ مچادوں گا یہ تینوں شفاعتیں رب کی بارگاہ میں ناممکن ہیں۔ کفار اسی شفاعت کے معتقد تھے۔ یہاں اس کی نفی ہو رہی ہے۔ چوتھی شفاعت چھوٹے کی سفارش کرنا کسی بڑے کی بارگاہ میں محض اس کی محبت و کرم کی بناء پہ اسے شفاعتِ بالاذن کہتے ہیں محبوبانِ الٰہی یہ ہی شفاعت کریں گے۔

دوسرے جملے میں ارشاد ہوا کہ وہ شفیع المذنبین ان لوگوں کے آگے پیچھے کے حالات جانتے ہیں یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں یہ کس حال پر تھے۔ مسلمان تھے، کافر تھے، منافق تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا۔ جہنمی ہیں یا کہ جنتی۔ اگر جہنمی ہیں تو کس طبقہ کے لائق ہیں اور اگر جنتی ہیں تو کس درجہ میں رکھے جائیں گے، جنت الفردوس میں یا کہ جنت عدن میں یا کسی اور جگہ اور یہ جاننا ضروری بھی ہے کیونکہ اگر طبیب مریض کے مرض کو نہ پہچانے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ قابل علاج ہے کہ یا نہیں تو وہ علاج کیا کریگا؟ اسی طرح اگر شفیع المذنبین قابل شفاعت اور ناقابل شفاعت کو نہ پہچانیں تو وہ شفاعت کس طرح فرمائیں گے دنیا میں بھی حضور علیہ السلام نے بہت سے لوگوں کے جہنمی یا جنتی ہونیکی خبر دیدی عشرہ مبشرہ، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت حسنین وغیرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونیکے علاوہ یہ بھی بتایا کہ فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں امام حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ جہاد میں ایک مسلمان بہت شدت سے کافروں کو مار رہا ہے بعض صحابہ کرام نے اسکی تعریف کی فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر وہ جہنمی ہے آخر کار اس نے آخر وقت خود کشی کی۔ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ ایکبار حضور علیہ السلام اپنے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں لیتے ہوئے صحابہ کرام کی مجلس میں جلوہ گر ہوئی اور فرمایا کہ اس کتاب میں تو جنتی لوگوں کے نام، انکے باپوں کے نام ان کے قبیلوں کا ذکر ہے اور دوسری میں دوزخیوں کے نام اور قبلہ وغیرہ مذکور ہیں اور آخر میں انکا ٹوٹل لگادیا گیا کہ کل جنتی اتنے اور دوزخی اتنے۔ وہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ منافقین حوض کوثر پر آتے ہوئے روکے جائیں گے، تو ہم فرمائیں گے کہ اے فرشتو ان کو آنے دو، یہ تو میرے صحابہ ہیں، فرشتے عرض کریں گے کہ آپکو نہیں معلوم انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

یہ تمام گفتگو محض ان بے دینوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ہے، ورنہ یہاں تو حضور علیہ السلام خبر دے رہے ہیں اور وہاں یاد نہ رہے یہ کیونکر ممکن ہے اس کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں کی ہے جو شائع ہو چکی۔

تیسرے جملہ میں ارشاد ہوا ہے اور وہ لوگ اس شفیع المذنبین کے علم میں سے نہیں پاتے

مگر جتنا وہ شفیع المذنبین چاہیں یعنی حضور علیہ السلام کے علم کو ولی، قطب و غوث بلکہ انبیا کرام اور فرشتے وغیرہ گھر نہیں سکتے ہاں جس قدر حضور علیہ السلام ہی چاہیں ان کو بتا دیں حقیقت یہ ہے کہ علم مصطفٰے ایک سمندر ہے اور اس سمندر سے لینے والے مختلف ظرف رکھتے ہیں۔ لوٹے والا لوٹا بھر پانی اس سے لاتا ہے اور گھڑے والا گھڑا بھر اور مشک والا مشک بھر اور کوئی فقط چلو سے پی لیتا ہے اور کوئی بد نصیب وہاں سے بھی محروم ہی آتا ہے صدیق اکبر اور فاروق اعظم و عثمان غنی و حیدر کرار رضی اللہ عنہم ایک ہی سمندر مصطفٰے علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں مگر بقدر برداشت ہر صاحب نے لیا قصیدہ بردہ میں اس کو خوب بیان فرمایا ہے۔

وَكُلُّهُم مِن رَّسُولِ اللهِ مُلْتَمِسٌ غُرفًا مِنَ البَحرِ اَورَ شَفًا مِنَ الدِّيَمِ

اس مضمون کو مولوی قاسم صاحب دیو بندی نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں خوب وضاحت سے بیان کیا ہے۔ غرضکہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کی شفاعت اور علم اور عطا کا بہت وضاحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۱۳۔ قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللهُ وَیَغفِر لَکُم ذُنُوبَکُم وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِیمٌ (پارہ ۳ سورہ آل عمران رکوع ۴) اے محبوب تم فرمادو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کریمہ میں لوگوں کو خدا رسی کا راستہ بتایا گیا ہے اور اس سے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کا اچھی طرح ظہور ہو رہا ہے۔ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں ان سب کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی خدا کی محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب کی غلامی کرو پھر یہ ہو گا کہ ابھی تو تم خدا کے چاہنے والے بنتے ہو اور خدا کو اپنا محبوب بتاتے ہو مگر پھر خدا تمہارا چاہنے والا ہو گا اور تم اس کے محبوب اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔

اس آیت سے بخوبی معلوم ہوا کہ غلامی مصطفٰے سے مردود بھی محبوب خدا بن جاتا ہے اور گنہگار مغفور ہو جاتا ہے۔

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا　　کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا

اتباع کہتے ہیں پیچھے پیچھے چلنے کو، تو آیت میں بتایا جارہا ہے کہ اگر محبت الٰہی چاہتے ہو تو محبوب کے پیچھے پیچھے چلے آؤ، نہ تو بھائی بن کر برابر آؤ اور نہ باوا بن کر آگے چلو بلکہ غلام بن کر پیچھے چلے آؤ۔ وہ ڈبہ ریل کا سفر کرتا ہے جو انجن کے پیچھے لگ جاتا ہے جو انجن سے آگے لگتا ہے وہ شنٹ ہو کر وہاں ہی رہ جاتا ہے۔ فسٹ کلاس کا ڈبہ اگر انجن سے کٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی نہیں بیٹھتا، نہ کوئی کرایہ دیتا ہے اور اگر تھرڈ کلاس کا ڈبہ انجن سے جڑ جاوے تو اس میں ہر کوئی بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے معلوم ہوا کہ ڈبہ کی اپنی کوئی قیمت نہیں بلکہ انجن کے پیچھے لگ جانے کی قدر و قیمت نیز انجن یہ نہیں دیکھتا کہ میرے پیچھے ڈبہ کیسا ہے۔ وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے کڑی ملی ہے یا نہیں۔ ڈبہ تھرڈ ہو یا سکنڈ فسٹ سب کو ایک ہی رفتار سے لے جاتا ہے بشرطیکہ ڈبہ لائن پر گویا انجن بزبان حال کہتا ہے کہ اے ڈبہ تو اگرچہ کمزور سہی میں قوی ہوں۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا فَاتَّبِعُونِی خواہ کیسے ہی ہو میرے پیچھے چلے آؤ ہم تم کو نہیں دیکھتے ہم اپنے کو اپنی نسبت کو دیکھتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　روئے دل را جانب دلدار کن

اطاعت تین طرح کی ہوتی ہے۔ اطاعت ڈر کی اطاعت لالچ کی، اطاعت محبت کی، یہاں مقصود ہے محبت کی اطاعت۔ کیونکہ ڈر یا لالچ کی اطاعت تو منافقین بھی کرتے تھے۔ اسی لئے اس آیت کو محبت سے شروع فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ محبت تین قسم کی ہے۔ چھوٹے سے محبت یعنی ممتا۔ دوسری برابر والے سے محبت، تیسرے بڑے سے محبت جو مع عظمت کے ہو اِتَّبِعُوا سے معلوم ہوا کہ محبت مع عظمت ہونی چاہیے۔ پھر عظمت دو قسم کی ہے دینی اور دنیاوی۔ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ سے معلوم ہوا کہ حضور کو عظمت دینی چاہیے۔ یعنی رسالت کی بنا پر محبت و عظمت چاہیے نہ کہ بڑا بھائی سمجھ کر۔

آیت ۱۴۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ (پارہ ۳ سورہ آل عمران ۹) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب دوں اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمادے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کرلیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا۔ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا فرمایا کہ تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس آیت کریمہ میں عہد و پیمان کا ذکر فرمایا گیا ہے جو میثاق کے دن حضرات انبیاء سے لیا گیا تھا۔ مگر اس سے حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ثابت ہوتی ہے جس کا اندازہ ناممکن ہے۔

عہد کا قصہ تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان کولمبو پہاڑ پر بھیجے گئے اور حضرت حوا عرب میں جدہ میں اتاری گئیں تین سو برس کے بعد حضور علیہ السلام کے نام کی برکت سے توبہ قبول ہوئی جس کا واقعہ بیان ہو چکا۔ تب نعمان پہاڑ پر ان کی پشت سے ان کی ساری اولادوں کی روحیں نکالی گئیں اور ان روحوں سے تین طرح کے عہد لئے گئے۔ ایک تو تمام مخلوق سے کہا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے عرض کیا کہ ہاں۔ دوسرا علماء سے عہد لیا گیا کہ تمام احکام الٰہیہ کی تبلیغ کرنا، تیسرا انبیاء کرام سے جس کا اس آیت میں ذکر ہے، اس عہد کا اس طرح ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے گروہ انبیاء سے اس روز ارشاد فرمایا تھا کہ اے گروہ انبیاء جب میں تم کو کتاب عطا فرماؤں اور نبوت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دوں اور اپنے بندوں کو تمہارا امتی اور تابعدار بنادوں، پھر جبکہ تمہاری نبوت کا آفتاب پوری طرح چمک رہا ہو اور تمہارے نام کا ڈنکا بج رہا ہو۔ اگر عین اسی حالت میں ہمارا یہ نبی آخر الزماں دنیا میں جلوہ گر ہو جاتے تو تمہارا فرض ہو گا کہ تم مع اپنی اپنی امتوں کے اس محبوب آخر الزماں کے امتی بن جانا۔ اس محبوب کے آتے ہی تمہارا دین منسوخ ہو گا۔ تمہاری کتاب منسوخ ہوگی، تم کو ان کا خدمت گار اور معاون بننا ہو گا۔ کہو کیا یہ تم کو منظور ہے؟ تمام انبیاء نے بخوشی منظور کیا۔ اقرار کرانے پر بھی عہد ختم نہ فرمایا گیا۔ اچھا اس پر ایک دوسرے

کے گواہ بن جاؤ۔ یعنی حضرت آدم حضرت نوح وغیرہ پر گواہ ہوں اور وہ حضرات حضرت آدم علیہ السلام پر پھر بھی بات ختم نہ ہوئی۔ فرمایا ہماری شاہی گواہی بھی اس میں شامل ہے۔ ہم بھی تمہارے اس اقرار پر گواہ ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا تو گواہی وغیرہ کی پابندی نہ ہوئی سب نے فقط بلٰی یعنی ہاں کہدیا بات ختم ہوئی۔ مگر یہاں اقرار بھی کرایا گواہی بھی لی اور اس سارے واقعہ پر شاہی گواہی بھی، رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ کوئی بھی نبی حضور علیہ السلام کا زمانہ نہ پائیں گے۔ پھر بھی یہ اقرار لے لیا کہ اگر یہ پیغمبر آجاتے تو ہم ان کے امتی بنجاتے کم از کم ہر نبی کا اس پر ایمان رہے۔ نیز ان کی امتیں اس واقعہ کو سن کر اگر حضور علیہ السلام کا زمانہ پاویں تو ایمان لاویں۔ نیز شب معراج میں سارے انبیاء کرام نے اس اقرار نامہ کو ثابت کر دیا کہ سب نے مقتدی بن کر بیت المقدس کی زمین پاک میں امام الحرمین علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی۔

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر عیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

سبحان اللہ وہ نماز بھی کس لطف کی نماز ہوئی ہوگی۔ جس میں انبیاء مقتدی سید الانبیاء امام ملائکہ نقیب سفر آسمان کی تیاری گویا کہ نماز سفر اس دھوم سے ہو رہی ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس ہی اقرار نامہ کی تعمیل کے لئے آخر زمانہ میں حضور علیہ السلام کے امتی ہو کر زمین پر آویں گے اور دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور امداد فرمائیں گے۔ اس امت کو دشمنوں سے بچائیں گے صَلَوٰۃُ اللہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں تمام پیغمبروں کے دین کیوں منسوخ کر دیئے گئے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے بلکہ اپنے آپ کو اس اصل میں گم کر دیتی ہے۔ رات بھر تارے جگمگاتے ہیں مگر جہاں سورج نکلا سب چھپ گئے، سب تاروں میں سورج ہی کا نور تھا۔ تمام دریا سمندر کی طرف بھاگے جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر دریا سمندر سے بنا ہے۔ سمندر سے بادل آیا، پہاڑوں پر بارش بن کر یا برف بن کر گرا، اس سے دریا بنا، دریا اپنی اصل کی

طرف بھاگا۔ ایسا بھاگا کہ جس پل نے، درخت نے کسی عمارت نے اس کو روکنا چاہا اس کو بھی گرا دیا، مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا شور بھی جاتا رہا، روانی میں کمی ہو گئی، اور جب سمندر سے ملا تو اس طرح فنا اور گم ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں اور زبان حال سے کہا کہ۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اسی طرح تمام انبیاء کرام تارے ہیں حضور آفتاب، حضور کو قرآن میں فرمایا گیا سِرَاجًا مُّنِیۡرًا یا تمام انبیاء کرام دریا ہیں حضور علیہ السلام ان دریاؤں کے سمندر، تمام نبوتیں ادھر ہی چلی آ رہی تھیں فرعونی ہامانی، نمرودی، ہزارہا طاقتیں سامنے آئیں ان کو پاش پاش کر دیا۔ مگر سمندر نبوت کو پا کر سب نے اپنے کو اس میں گم کر دیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلَّمۡ۔

یہ انبیاء مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں
سب جگمگائے رات بھر چمکتے جو تم کوئی نہیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر علیہم السلام کے امتی ہیں اور حضور علیہ السلام نبی الانبیاء۔

آیت ۱۵۔ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ (پارہ ۴ سورہ آل عمران رکوع ۷، ۱) بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک فرماتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے، کیونکہ خدائے قدوس نے انسان کو اس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان کا شمار بھی انسان نہیں کر سکتا، اور ہر نعمت ایسی قیمتی ہے کہ دنیا کے خزانے خرچ کر دو مگر ایسی نعمت نہ بن سکے۔ آنکھ، کان، ناک، ہاتھ پاؤں،

زمین آسمان، چاند سورج، ہوا پانی وغیرہ ہر نعمت الٰہی کا یہی حال ہے۔ پھر جسم میں بیشمار بال اور ہر بال میں بے شمار نعمتیں ہیں، اور ہر نعمت ایسی کہ اس کے بغیر زندگی مشکل ہے۔ لیکن قرآن مجید میں ان نعمتوں کا جگہ جگہ ذکر تو فرمایا، مگر اس طریقہ سے احسان جتا کر ذکر نہ فرمایا کہ مسلمانوں تم کو ہاتھ پاؤں یا چاند سورج یا زمین و آسمان یا پانی ہوا دیئے تم پر احسان کئے کلمہ من فرمایا یعنی احسان جتایا تو صرف اس نعمت کا کہ ہم نے مسلمانوں پر بیشک احسان فرمایا کہ ان کو اپنا پیارا محبوب دیدیا ان کی ہدایت کے لئے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اس کی تین وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا میں ہر چیز کسی کو دیدی جاتی ہے مگر محبوب نہیں دیا جاتا شاعر کہتا ہے۔

نینا میں جو آن بسو تو میں نینا جھانپ ہی لوں
نہ میں دیکھوں اور کو نہ توتے دیکھن دوں

حضور علیہ السلام کا معراج جانا تعجب نہیں ہے، محبوب بلاتے ہی جاتے ہیں، ہاں وہاں سے واپس آنا تعجب ہے کہ محبوب دوبارہ مخلوق کو دے دیئے گئے، کیا خوب کہا ہے۔

انداز حسینوں کو سکھاتے نہیں جاتے
امی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا
بو جہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی ساری نعمتیں حضور علیہ السلام کے صدقہ میں ہیں، حضور فرماتے ہیں حدیث قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو ہم آسمانوں کو پیدا نہ کرتے یہ حدیث معنیً صحیح ہے دیکھو موضوعات کبیر ملا علی قاری۔ تو یہ ساری نعمتیں ایک ان ہی کے دم سے ہیں تمام دنیا براتی ہے اور حضور اکر علیہ السلام اس کے دولہا۔

ہے جہاں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جنکی چہل پہل
وہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہی کے دم کی بہار ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ تمام نعمتیں صرف زندگی میں فائدہ پہنچاتی ہیں، جہاں آنکھ بند ہوئی تمام رشتے ٹوٹ گئے مال اوروں کا ہوگیا، ہاتھ پاؤں اور سارے اعضا جواب دے گئے، اگر کسی نے مہربانی کی تو فقط قبر تک، ہاں جو زندگی میں، قبر میں، حشر میں، جنت میں اور نزع کے وقت ہر جگہ کام آوے وہ میرے مولیٰ، عربی دولہا جگ کے داتا، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا الْمَوْتَ عَلٰی دِیْنِہٖ اور فانی نعمتیں باقی نعمتوں کے مقابل ہیچ ہیں۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ساری نعمتیں مال و دولت، اعضاء وغیرہ اگر ان سے صحیح کام لیا جاوے تو نعمت ہے ورنہ زحمت، زبان اگر درست رہے تو زبان ہے اگر ٹیڑھی چلے تو زبوں یعنی بری چیز ہے۔ اگر زیادہ چلے تو زیاں نقصان ہے۔

دو موتوں سے بوت بنایا نام رکھا ہے پوت
کرم کرے تو بھلا بھلا ہے نہیں تو موت کا موت

اور ان نعمتوں کا استعمال کرنا سکھانے والے ہیں، محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور علیہ السلام نے ان سب کو نعمت بنادیا ورنہ یہ زحمت تھیں۔ اگر ہاتھ پاؤں سے گناہ کئے جاویں تو یہ ہی اعضاء قیامت میں ہمارے خلاف گواہی دیں۔ معلوم ہوا کہ رب کے خفیہ پولیس ہیں۔ اگلی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کو ہر ظاہری باطنی گندگی سے پاک فرماتے ہیں۔ اعمال وہ ہی صحیح ہیں جو بارگاہ رسالت میں قبول ہوجائیں وَیُعَلِّمُھُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ایسی مشکل کتاب ہے کہ اس کی تعلیم کے لئے رب نے انبیاء کرام بھیجے اور کسی علم کے لئے نبی نہ آتے مشکل علوم استاذ نبی پڑھاتے ہیں۔ لہذا قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت ہے وَاِنْ کَانُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی تعلیم ایسی مکمل ہے کہ گمراہوں کو گمراہی سے نکال کر صرف مومن ہی نہیں بلکہ مومن گر بنادیتی ہے۔ اس تعلیم سے کوئی صدیق کوئی فاروق ہوتے اور کسی استاذ کی تعلیم ایسی مکمل نہیں ایک شاگرد ایک ہی سکول میں جا کر بہت استاذوں سے علوم حاصل کرتا ہے کسی سے اردو، کسی سے حساب، مگر مدینہ پاک میں ایسا مکمل مدرسہ جاری ہوا کہ ایک استاذ نے دینی و دنیاوی علوم، اخلاق اور خدارسی کے قاعدہ

سب کچھ سکھا دیئے۔

آیت ۱۶۔ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (پارہ ۴ سورہ آل عمران) اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑنے کا جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کردے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بات حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کے پیدائش سے پہلے میری امت مجھ پر اپنی صورتوں میں پیش کی گئی ہے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد، اور ہم کو یہ بھی علم دیا گیا کہ کون ہم پر ایمان لاوے گا اور کون نہ لاوے گا۔ یہ سن کر منافقین نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ حضور علیہ السلام تو فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے کافر اور مسلمان کا علم ہوگیا تھا، اور ہم تو ان کے ساتھ رہتے ہیں، ظاہر میں مسلمان ہیں دل میں کفر رکھتے ہیں اور آپ ہم کو نہیں پہچانتے اس پر حضور علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں آج سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ تم مجھ سے سوال کرو اور ہم تم کو اس کی خبر نہ دیں اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا حبیب اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ حبیب اللہ ہم اللہ کی ربوبیت پر اور آپ کی رسالت پر اور اسلام پر راضی ہیں۔ ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اب تم باز آؤ گے؟ اور منبر سے اترے۔ (تفسیر خزائن العرفان و خازن)۔

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے اول تو یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب پر طعن کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں چیز کا علم نہیں تھا طریقہ منافقین ہے۔ مسلمان کا فرض

ہے کہ حضور علیہ السلام کے سارے صفات حمیدہ کو بغیر بحث کے مان لے۔ دوم یہ کہ خدائے قدوس نے ہمارے آقا و مولا علیہ السلام کو قیامت تک کی ہر ہر چیز کا علم عطا فرمایا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو چاہو وہ پوچھو اور یہ وہی کہہ سکتا ہے کہ جس کا علم مکمل ہو۔ تیسرے یہ کہ ہم لوگ جو گھر کی کوٹھری میں چھپ کر کام کریں وہ بھی حضور علیہ السلام کی نظر سے غائب نہیں کیوں کہ عبداللہ کے والدہ حذافہ ہیں، یہ بات بالکل ایک چھپی ہوئی بات تھی باپ تو وہ ہوتا ہے جس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہو۔ اس کا معلوم کرنا اس ذات کی شان ہے جس کا نگاہ عالم کے ذرہ ذرہ پر ہو، اور بات تو یہ ہے کہ جن آنکھوں نے خالق عالم کو معراج میں دیکھا ہو وہ عالم کو کیوں نہ دیکھیں۔ اس کی بحث سورۃ والنجم میں آویگی انشاء اللہ کیا دنیا کی چیزیں خالق سے بڑھ کر ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
بھلا عالم سی شئی مخفی رہے اس چشم حق بیں سے
کہ جس نے خالق عالم کو بیشک بالیقیں دیکھا

چوتھے یہ کہ قیامت تک کے مسلمان اور کافر اور منافق حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔ اگر کسی کے عیب کو بیان نہ فرمایا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ حضور علیہ السلام ان سے بے خبر ہیں بلکہ عیب پوش اور خطا کو چھپانے والے ہیں، شان ستاری کے مظہر ہیں، یہ علم و خبر وفات شریف سے کم نہ ہوگئے۔ کیونکہ بعد وفات نفس کا علم اور اس کی ہر قوت بڑھ جاتی ہے۔

آیت ۱۷۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (پارہ ۵ سورہ نساء رکوع ۹) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو توبہ کرنے اور اپنے گناہ معاف کرانے کا طریقہ بتایا جارہا

ہے۔ مگر اس سے شان مصطفٰے علیہ السلام اس قدر ظاہر ہو رہی ہے کہ سبحان اللہ اس آیت میں توبہ قبول ہونے کی تین شرطیں بیان ہوئیں۔ اولاً حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری، دوسرے اپنی گناہ سے وہاں جاکر توبہ کرنا تیسرے حضور علیہ السلام کا شفاعت فرمایا۔ اگر ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جاوے تو قبول توبہ کی امید نہیں۔

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ اولاً تو یہ کہ حضور علیہ السلام بارگاہ الٰہی کے وکیل مطلق یا مختار عام ہیں۔ کیونکہ گناہ تو کیا رب کا مگر جاؤ کہاں، محبوب علیہ السلام کی خدمت عالی میں جیسے جرم تو کیا حکومت کا۔ مگر جاؤ کہاں؟ وکیل یا مختار عدالت کے پاس۔ بغیر وکیل کے دنیاوی کچہری میں کچھ پوچھ نہیں اور عدالت الٰہیہ میں بغیر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پوچھ کچھ نہیں۔ اسی لئے نماز وغیرہ میں حضور علیہ السلام کا نام ضرور آتا ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

دوسرے یہ کہ دروازہ مصطفٰے علیہ السلام دروازہ الٰہی ہے۔ اگر فقیر کو مانگنا ہو تو چھت پر یا مکان کے پیچھے کھڑے ہو کر نہیں مانگتا بلکہ دروازے پر آکر بھیک مانگتا ہے اسی طرح جب خدا سے مانگنا ہو تو خدا کی دروازے یعنی بارگاہ مصطفٰے میں آکر مانگو جو کچھ پروردگار عالم کی طرف سے ملیگا۔ اسی دروازے اور ان ہی ہاتھوں سے ملیگا۔

بخدا خدا ہی یہ ہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

تیسرے یہ کہ شفاعت کے لئے مدینہ پاک میں حاضری ضروری نہیں اسی لئے فی المدینۃ نہیں فرمایا گیا جہاں بھی ہو قلب سے اس بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ ہر دل ان کی جلوہ گاہ ناز ہے۔

سنا ہے رہتے ہیں آقا فقط مدینہ میں
غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینہ میں

چوتھے یہ کہ یہ حکم حاضری قیامت تک کے مجرموں گنہگاروں کے لئے ہے۔ فقط زندگی کے زمانہ سے خاص نہیں کیوں کہ کلمہ اذعام ہے، اسی لئے عالمگیری کتاب الحج میں فرمایا کہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہو تو یہ ہی آیت پڑھے تفسیر مدارک اور خزائن العرفان میں ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد روضہ پاک پر حاضر ہوا اور یہ آیت پڑھ کر عرض کرنے لگا کہ یا حبیب اللہ ہم نے یہ حکم سنا میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اللہ سے بخشش چاہنے آپ کے دروازہ پر حاضر ہوا ہوں تو میرے گناہ کی بخشش رب سے کرائیے اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔ اس واقعہ اور آیت سے چند مسائل فقہیہ بھی معلوم ہوئے۔

(۱) خدا کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے (۲) قبر بزرگان پر حاجت روائی کے لئے جانا جائز ہے اور جآءُوکَ میں داخل ہے (۳) بعد وفات کے مقبول بندوں کو یا کے ساتھ پکارنا جائز ہے (۴) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ چالیس ابدال شام میں رہتے ہیں جن کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح حاصل کی جاتی ہے اور شام والوں سے عذاب دور رہتا ہے۔ شامی کے مقدمہ میں ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حاجت کے وقت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ الرضوان کی قبر پر حاضر ہو کر دعا کرتا ہوں (۵) یہ کہ ظَلَمُوا سے معلوم ہوا کہ کسی طرح کا مجرم ہوا، کافر ہو، منافق ہو، گنہگار ہو، کوئی ہو اگر صدق دل سے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر توبہ کرے تو رحمت الٰہی دستگیری کرے گی۔ حضور علیہ السلام اس سمندر کی طرح پاک فرمانے والے ہیں کہ کیسا ہی گندہ آدمی آکر غوطہ لگائے پاک ہو جاتا ہے اور مدینہ پاک کا وہ شفاخانہ ہے کہ کسی بیمار سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تیرا علاج ہمارے پاس نہیں۔ ہر بیمار کو حکم عام ہے کہ چلے آؤ اور منہ مانگی مراد پاؤ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو تم ایسے رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہو

آیت ۱۸ ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا

اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (پارہ ۵ سورہ نسآء، رکوع ۹) تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔

اس آیت پاک میں مسلمان بننے کا طریقہ بتایا جارہا ہے اور مسلمان کی پہچان بتائی جارہی ہے۔ مگر اس میں نعت مصطفٰے علیہ السلام کے وہ پھول کھلے ہوتے ہیں جن سے دماغ ایمان معطر ہو جاتا ہے۔

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک پہاڑ سے پانی آتا تھا جس سے اہل مدینہ اپنے اپنے باغوں کو پانی دیتے تھے اس پانی دینے پر ایک انصار کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوگیا۔ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زبیر تم اپنے باغ کو پہلے پانی دے کر پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ (زبیر کا باغ اوپر کی طرف تھا) اس پر انصاری کو ناگوار گذرا اور اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ زبیر آپ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں (یعنی اس فیصلہ میں ان کی رعایت کی گئی ہے قرابت کی وجہ سے) اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے محبوب اس وقت تک کوئی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ کو حکم نہ مانے اور آپ کے ہر حکم پر دل سے راضی نہ ہو جاوے۔

فقیر حقیر اپنے محبوب کا نعت خواں احمد یار خاں عرض کرتا ہے کہ اس آیت کا پہلا کلمہ یعنی وَرَبِّکَ تمہارے رب کی قسم اس قدر پُرلطف ہے کہ پڑھ کر وجد طاری ہوتا ہے۔ رب نے اپنی قسم فرمائی مگر اپنا نام نہ ارشاد فرمایا، واللہ یا والرحمن نہ فرمایا بلکہ اپنا ذکر محبوب علیہ السلام کے ساتھ فرمایا ہے کہ اے پیارے ترے رب کی قسم اے محبوب ہم کو تمہارے پروردگار کی قسم، قربان جاؤں کیا کلام ناز ہے اور کیا نرالا انداز، اس ناز والے محبوب کے صدقے ان کے رب کریم کے قربان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ اس طرز کلام کا لطف وہی پاوے گا جو کہ اس محبت سے آشنا ہو۔ اب فرمایا یہ جارہا ہے کہ

ہماری بارگاہ میں تمغہ ایمانی وہ ہی پا ویگا جو کہ تمغہ غلامی رکھتا ہو۔

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا دوڑا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

سچ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی سچی اطاعت ہی کا نام عبادت ہے یہ ہی شہادت ہے یہ ہی ریاضت۔

ترے رستہ میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں
ترے کوچہ میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

جو شخص بھی حضور علیہ السلام کے فیصلے کے ہوتے ہوتے اپنی رائے کو دخل دے وہ بے دین ہے۔ اب اس وقت علماء کا فیصلہ اور قرآن و حدیث و فقہ کے احکام حضور علیہ السلام ہی کا فیصلہ ہے۔ ایک منافق اور یہودی میں کچھ جھگڑا تھا، یہودی حق پر تھا منافق جھوٹا، فیصلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور یہودی کے لئے فیصلہ ہو گیا مگر منافق راضی نہ ہوا۔ صدیق کے پاس فیصلہ گیا، انہوں نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ پھر بھی منافق راضی نہ ہوا۔ فاروق اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، یہودی نے عرض کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے اور صدیق اکبر بھی۔ مگر یہ شخص راضی نہیں ہوتا۔ فاروق اعظم نے منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہ ہے، اسی دن سے آپ کا لقب ہوا فاروق یعنی حق و باطل میں فرق فرمانے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

آیت ۱۹۔ مَن یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا

(پارہ ۵ سورہ نساء رکوع ۱۰) جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کو بچانے کو نہ بھیجا۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہماری اطاعت کی اس نے رب کی اطاعت کی۔ اس پر بعض منافقین نے کہا کہ حضور علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو رب مان لیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے رب مانا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور محبوب علیہ السلام کی تصدیق فرمادی گئی۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی تعظیم کو شرک سمجھنا منافقوں کا کام ہے تعظیم اور ہے عبادت کچھ اور، ہر تعظیم عبادت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں تقرب خاص حاصل ہے جو بندہ غلام مصطفٰے ہے وہی حقیقۃً عبداللہ ہے۔ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد　جملہ عالم را بخواں قُل یَا عِبَاد

تیسرے یہ کہ اطاعت الٰہی سے پہلے اطاعت مصطفٰے علیہ السلام کرنی پڑتی ہے، اس لئے کہ یہاں حضور علیہ السلام کی اطاعت کو پہلے بیان فرمایا اور شرط بنا کر بیان فرمایا اور اطاعت الٰہی کو جزا بنا کر بعد میں ارشاد فرمایا اور بات ہے بھی یوں ہی۔ جب حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مسلمانو! تم پر اللہ نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں اور قرآن کی یہ آیت پاک ہم پر نازل فرمائی۔ پہلے ہم اس کو مانیں گے۔ یہ اطاعت حضور علیہ السلام کی ہوئی پھر نماز ادا کی اور اطاعت الٰہی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کا نام پاک لا الہ الا اللہ کے بعد ہے مگر ایمان میں حضور علیہ السلام پر ایمان لانا مقدم، جب محمد ہوتے رسول اللہ تب کھلا لا الہ الا اللہ حضور علیہ السلام کو بغیر مانے اللہ کو مان لیا موحد ہی نہ ہوا جیسا کہ سکھ، عیسائی، آریہ۔

وہ جس کو ملے ایمان ملا۔ ایمان تو کیا رحمٰن ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا، جب دل نے وہ نور ھُدٰی پایا

تیسرے یہ کہ مخلوق الٰہی میں کسی کی اطاعت کرنا ضروری نہیں بجز اطاعت مصطفٰے صلی اللہ علیہ

وسلم کے اگر ماں باپ عالم شیخ وغیرہ کی اطاعت کی جاتی ہے تو محض اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ان کی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ شروح مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حبیب اللہ اسلام کیا ہے ایمان کیا ہے، قیامت کب ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ، یہ سوالات صحابہ کرام کے مجمع میں ہوتے اور حضور علیہ السلام نے جوابات دیئے، مگر خود حضرت جبریل نے ہی صحابہ کرام سے نہ فرمایا کہ ایمان یہ ہے، اسلام یہ ہے اور نماز اس طرح پڑھو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میرے کہنے سے ان مسلمانوں پر کوئی بات بھی لازم نہ ہوگی، ہاں جب زبان محبوب سے ادا ہوگی تو وہ حکم شرعی بنے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی فقط پیغام پہنچانے والے نہیں ہوتے یہ کام تو حضرت جبریل کا ہے بلکہ وہ حضرات حکومت الہیہ کے وزیر کو جاری فرمانے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عالم فقیہ اور محدث کو سمجھو کہ محدث حدیث کا پہنچانے والا اور عالم فقہ اس کو سمجھانے والا اور جاری کرنے والا۔ دوسری آیت میں اسی لئے ارشاد ہوا اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الاَمرِ مِنکُم یہاں اطاعت میں تین ذاتوں کا ذکر ہوا کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور امر والوں کی یعنی علماء کی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام خلیفۃ اللہ اور علماء نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آیت ۲۰۔ وَ اَنزَلَ اللّٰہُ عَلَیکَ الکِتٰبَ وَ الحِکمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَالَم تَکُن تَعلَمُ وَ کَانَ فَضلُ اللّٰہِ عَلَیکَ عَظِیمًا (پارہ ۵، سورہ نساء، رکوع ۱۷) اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور سکھایا تم کو جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی بہت سی صفات عالیہ کو بیان فرمارہی ہے اول تو یہ کہ آپ پر کتاب یعنی قرآن کریم اتارا دوسرے حکمت آپکو عطا فرمائی، تیسرے آپ کو علم غیب بتایا، چوتھے یہ کہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے کتاب اور حکمت کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے ارشادات یعنی احادیث پاک بھی وحی الہٰی میں ہاں یہ قرآن کریم وحی ظاہری ہے اور اس کے کلمات اور مضمون سب وحی ہے اور احادیث پاک وحی خفی یعنی

مضمون تو وحی اور الفاظ پاک محبوب کے اسی لئے احادیث سے احکام تو حاصل ہوتے ہیں۔ نیز حدیث پاک سے قرآن پاک کا نسخ ہوسکتا ہے۔ سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لئے جائز ہونا قرآن سے ثابت ہے مگر احادیث سے منسوخ۔ اسی طرح قرآن پاک سے معلوم ہوا کہ ہر وفات پانے والے کی میراث اس کے ورثاء لیں گے مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام نہ کسی اہل قرابت کی میراث لیں اور نہ کسی کو ان کی میراث ملے، غرضکہ حدیث پاک بھی وحی الٰہی ہے، ورنہ کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر کیوں ہے تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ حکمت سے سنت مراد ہے (پارہ اول آیت) پھر معلوم ہوا کہ پروردگار عالم نے جہاں آپ کو اور صفات عطا فرماتے وہاں علم غیب بھی عطا فرمایا۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ صرف احکام شریعت کا علم دیا، یا کہ فلاں کا دیا فلاں کا نہیں بلکہ فرمایا مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو سکھا دیا معلوم ہوا کہ ذرہ ذرہ کا علم آپ کو مرحمت ہوا۔ رب فرماتا ہے کہ ہم نے سب چیزوں کا علم دے دیا اور محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے لے لیا۔ دینے والا رب دے، لینے والے محبوب لیں پھر کون ہے؟ جو اس ربی عطیہ کو چھین لے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق و زہق الباطل میں دیکھو پھر فرماتا ہے کہ محبوب آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ جبکہ رب تعالیٰ اس کو فضل عظیم فرمارہا ہے، تو کسی کی مجال ہے کہ اس فضل و کرم کا اندازہ لگا سکے، جو کہ حضور علیہ اسلام پر ہے۔ رب العالمین نے اپنی صفت بیان فرمائی وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم اور حضور علیہ السلام کے اخلاق پاک کو عظیم فرمایا۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم یہاں اللہ کے فضل کو جو حضور علیہ السلام پر ہے عظیم فرمایا اور دنیا کی ساری نعمتوں کو فرمایا قلیل یعنی قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اسی طرح رب کی دی ہوئی عظمت مصطفٰے علیہ السلام بھی مخلوق کے علم سے باہر ہے۔ اسی لئے قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ   وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

یعنی حضور علیہ السلام کو خدا یا خدا کا فرزند نہ کہو، باقی جو عزت و عظمت چاہو حضور کی طرف منسوب کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کے فضائل و کمالات کی کوئی ہی حد نہیں کہ جس کو کوئی بولنے والا اپنے منہ سے بیان کرسکے از اول تا آخر روز قیامت حضور علیہ السلام کی نعمت اور اوصاف ملائکہ نے پیغمبروں نے انسانوں نے بیان کئے، مگر حق یہ ہے کہ ان کے اوصاف کے دفتر کا ایک نقطہ بھی بیان نہ ہوسکا۔ کیونکہ جو کچھ بیان ہوا وہ حد کے اندر ہے اور حضور علیہ السلام کی صفات حد سے باہر۔ رب کی حمد احمد ہی کرسکتے ہیں اور محمد کی صفت حامد رب العالمین ہی فرماتا ہے۔ ہم نہ رب کی حمد کرسکیں اور نہ کماحقہ نعت رسول علیہ السلام۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صفت پوچھو خدا کی
خدا سے پوچھ لو شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا کے لئے فضل اللہ ہیں اور خدا کی ذات حضور علیہ السلام کے لئے فضل اللہ ہے اور آیت کی معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ یعنی خود رب تعالیٰ کی ذات آپ پر فضل اللہ ہے۔

آیت ۲۱۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (پارہ ۵ سورہ نساء رکوع ۱۷) اور جو رسول کے خلاف کرے بعد اس کے کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑیں گے اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے مدینہ پاک میں چوری کرکے دوسرے کو چوری کا الزام لگا دیا۔ اصل واقعہ معلوم ہوجانے پر حضور علیہ السلام نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ اس حکم کو سن کر راتوں رات مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا

اور کفار مکہ سے مل گیا۔ انہی کا دین اختیار کر لیا وہاں ہی کافر ہو کر مرگیا، اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے اور اس میں چند فائدے حاصل ہوئے اولاً تو یہ کہ اس سے پہلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ جو حضور علیہ السلام کی اطاعت کرے وہ اللہ کا سچا فرمانبردار بندہ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ جو حضور علیہ السلام کی کسی امر میں مخالفت کرے وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کا مردود ہے نتیجہ یہ نکلا۔

جو ہو محبوب اس در کا وہ محبوب الٰہی ہے
جو ہو مردود اس در کا وہ مردود خدا ٹھہرے

دوسرے یہ کہ بارگاہ مصطفےٰ علیہ السلام سے نکالا ہوا خدائی میں تو کیا خدا کے یہاں بھی امن سے نہیں رہ سکتا ایک شخص وحی لکھنے والا تھا مرتد ہوگیا اور بھاگ کر کفار سے مل گیا۔ جب وہ مرا اور اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے بھی اس کی نعش قبول نہ کی باہر نکال کر پھینک دی۔ بار بار دفن کیا گیا مگر زمین نے پھینک پھینک دیا معلوم ہوا کہ مردود مصطفےٰ کہیں قبول نہیں۔

تیری چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا

تیسرے یہ کہ اگر ہدایت پر قائم رہنا ہے تو اس مذہب اور راستہ کو اختیار کرو جو عام مسلمانوں کا ہے کسی نے اگر کوئی نیا راستہ بنا کر پکڑا تو شیطان اسی طرح تباہ کر دے گا جس طرح کہ گلے سے دور رہنے والی بکری کو بھیڑیا کھالیتا ہے۔ اور وہ راستہ وہی ہے جو صحابہ کرام اور اہل بیت عظام علماء و مشائخ و عامۃ المسلمین کا ہے جس کا نام ہے اہل سنت و جماعت، جو مذہب بھی اس کے خلاف ہو اور جو تحریک اس کے خلاف اٹھے وہ جہنم کی راہ ہے۔

چوتھے یہ کہ اللہ والوں کی مخالفت یا کسی اسلامی حکم سے منہ پھیرنا بھی ایمان کو برباد کر دیتا ہے جیسا کہ طمعہ کا انجام ہوا، اس سے عبرت پکڑنا چاہیے۔

آیت ۲۲۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (پارہ ۶ سورہ نساء رکوع ۲۴) اے لوگو بیشک تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آئی اور ہم

نے تمہارے پاس روشن نور اتار۔

یہ آیت پاک حضور علیہ السلام کے نعت کے پھولوں کا نفیس گلدستہ ہے اس میں جس قدر فضائل حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے ان کا ذکر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے برکت حاصل کرنے کے لئے کچھ اجمالاً عرض کرتا ہوں۔ اس میں چار کلمے غور کرنے کے قابل ہیں۔ ایک تو یَاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو، دوسرے قَدْ جَآءَكُمْ تیسرے بُرْهَانٌ یعنی دلیل، چوتھے نُوْرًا مُّبِیْنًا یعنی روشن نور، ظاہر ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں تو صرف مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے اور اَلنَّاسُ میں کفار، مشرکین، یہودی، عیسائی، مجوسی غرضکہ سارے اولاد آدم ہے اس جگہ اَلنَّاسُ فرمایا گیا، یعنی اے لوگو، جس سے معلوم ہوا کہ سب انسانوں سے کلام ہو رہا ہے، ہر شخص اسی کو پکارتا ہے جس کے مطلب کی بات کہے طبیب کہتا ہے اے بیمار و مدرس کہتا ہے اے طالب علمو مگر چونکہ حضور کی تشریف آوری سارے جہان کے لئے ہے لہٰذا پکارا گیا، اے لوگو! کیا فرمایا گیا کہ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ تم سب کے پاس، تمہارے رب کی دلیل آئی اور نور تم سب پر اترا جس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اور نبوت کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص وقت کے لئے نہیں ہے بلکہ جو انسان اللہ کا بندہ ہے وہ حضور علیہ السلام کا امتی ہے اور پہلے پیغمبروں کی تبلیغ خاص اور خاص وقت کے لئے ہوتی تھی۔ پھر فرمایا گیا کہ تم سب کے پاس پہنچ گئے، یعنی یہ نہ سمجھنا کہ وہ عرب میں آئے یا کہ عرب میں رہے وہ تمہارے سب کے پاس پہنچ گئے، جہاں تم ہو وہاں وہ ہیں، تمہارے گھروں میں، تمہارے دلوں میں، تمہارے خیالات میں وہ جلوہ گر ہیں۔ مگر ہاں غائب ہو تو تم ہو۔

دوست نزدیک تر از من بمن است ایں عجب بیں کہ من ازروئے دُورم

برہان کے معنی ہیں دلیل جس سے دعوے کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یہاں دلیل سے مراد معجزات ہیں جس قدر معجزے کہ پہلے پیغمبروں کو ملے وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے، اور اس کے علاوہ اور بے شمار معجزے ملے بلکہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام از سر تا قدم پاک خود اللہ کی وحدانیت اور ذات و صفات کی دلیل ہیں۔ لہٰذا برہان سے مراد حضور

علیہ السلام کی ذات پاک ہے۔ اور پیغمبروں کی ذات معجزہ نہ تھی بلکہ کسی کے صرف ہاتھ میں معجزہ اور کسی کی سانس میں معجزہ، کسی کی لاٹھی میں معجزہ تھا جیسے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام مگر حضور علیہ السلام کا بال شریف معجزہ کہ حضرت خالد کی ٹوپی میں رہا تو ان کو ہمیشہ دشمنوں پر فتح ہوتی رہی۔ ہر قل کی پگڑی میں رہا تو اس کے سر درد کو آرام رہا۔ سیدنا عمرو ابن عاص نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں حضور علیہ السلام کے بال شریف رکھ دیئے جاویں تاکہ قبر کی مشکل آسان ہو۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ مجھے غسل دے کر میری آنکھوں اور لبوں پر حضور کے ناخن اور بال شریف رکھ دیئے جاویں تاکہ حساب قبر میں آسانی ہو معلوم ہوا کہ بال مبارک قبر کی مشکل آسان کرتا ہے صحابہ کرام بیماروں کو بال شریف کا غسل شدہ پانی پلایا کرتے تھے حضرت طلحہ کے گھر ایک بار بال شریف پہنچ گیا تو انہوں نے تمام رات ملائکہ کی تسبیح و تہلیل سنی (دیکھو مدارج اور مواہب لدنیہ) آنکھ شریف کا معجزہ کہ قیامت تک کہ واقعات کو دیکھا جنت و دوزخ، عرش و کرسی کو ملاحظہ فرمایا بلکہ خود رب کو دیکھا، نماز کسوف میں دوزخ اور جنت کو مسجد کی دیوار میں دیکھا۔ پیچھے مقتدی جو کچھ کریں اس کو ملاحظہ فرماویں، ناک مبارک کا معجزہ جس نے محبت کی خوشبو یمن سے آتی ہوئی سونگھی (روح البیان یہی آیت) زبان معجزہ جس کی ہر بات خدا کی وحی اور وہ زبان جو کہ کن کی کنجی ہے۔ منہ کا لعاب معجزہ کہ حضرت جابر کے گھر ہانڈی میں ڈال دیا تو ہانڈی کی ترکاری میں برکت ہوئی، آٹے میں ڈال دیا تو چار سیر آٹا ہزاروں آدمیوں نے کھایا پھر بھی اتنا ہی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر میں عصا شریف مار کر پانی کے چشمے نکالے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت جابر کی ہانڈی میں لعاب شریف ڈال کر شوربے اور بوٹیوں کے چشمے جاری فرمادیئے۔ خیال رہے کہ شوربے میں نمک مرچ گھی دھنیا وغیرہ سارا مسالہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ معجزہ نہایت ہی اعلیٰ ہے کہ یہاں ان تمام چیزوں کے چشمے بہادیئے۔ خیبر میں حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگا دیا تو آنکھ کو آرام ہوگیا۔ حضرت صدیق کے پاؤں میں غار میں مار نے کاٹا۔ یعنی یار غار کو مار غار نے تکلیف پہنچائی اس پر لگادیا اس کو آرام، کھاری کنویں میں ڈال دیا تو اس کا پانی میٹھا

ہوگیا۔ ہاتھ مبارک بھی دلیل کہ بدر کے دن ایک مٹھی کنکر کفار کو مارے تو رب نے فرمایا کہ آپ نے نہ پھینکے بلکہ ہم نے پھینکے۔ اسی ہاتھ میں آکر کنکروں نے کلمہ شریف پڑھا اس ہاتھ سے بیعت لی گئی تو رب نے فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر ہمارا ہاتھ ہے۔ انگلیاں معجزہ کہ ایک پیالہ پانی میں انگلیاں رکھ دیں، اس سے پانچ چشمے پانی کی جاری ہو گئے۔ انگلی ہی کے اشارہ سے چاند چیر دیا۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

پاؤں مبارک بھی معجزہ کہ پتھر پر چلیں تو پتھر ان کا اثر لے لے اور فرش پر بھی چلیں اور عرش پر بھی غرضکہ ان کا ہر ہر عضو پاک اور ہر ہر بال مبارک رب کے پہچانے کی دلیل ہے صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّم۔

پسینہ مبارک معجزہ کہ جس میں گلاب کی بیمثل خوشبو، جاگنا اور سونا معجزہ کہ ہر ایک کی نیند وضو توڑ دے مگر حضور علیہ السلام کی نیند وضو نہیں توڑتی، تمام جسم پاک سایہ سے محفوظ کہ سایہ بھی قدم کے نیچے نہ آوے، وہ رب کا سایہ ان کا سایہ کیسا ہے۔

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھاتے

تمام کے پیشاب و پاخانہ نجس ہیں، مگر حضور علیہ السلام کا پیشاب و پاخانہ پاک ہیں امت کے حق میں (دیکھو شامی باب انجاس) غرض کہ حضور علیہ السلام کا ہر وصف معجزہ، ہر حالت رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل اس لئے فرمایا بُرْهَانٌ حضور علیہ السلام کا نام مبارک بھی معجزہ ہے چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں۔ لقب قوم دیتی ہے۔ خطاب حکومت سے ملتا ہے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، القاب خطاب، سب رب کی طرف سے ہیں حضرت عبدالمطلب نے فرشتہ کی تعلیم سے آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا، دوسرے یہ کہ سب کے نام پیدائش کے ساتویں دن رکھے جاتے ہیں مگر حضور کا نام رب تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے رکھ دیا کہ آدم علیہ السلام نے یہ نام عرش کی ساق پر لکھا

پایا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی اسی نام کی برکت سے مکمل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں فرمایا اِسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ انبیاء کرام نے حضور کے نام کے طفیل سے دعائیں کیں۔ تیسرے یہ کہ انبیائے کرام کے نام کے معانی ایسے اعلیٰ نہیں جیسے محمدؐ کی معانی ہیں یعنی بے عیب اور ہر طرح سے لائق حمد، چوتھے یہ کہ اسی نام سے برسوں کا کافر مومن ہو جاتا ہے۔ جیسے سورج سے تمام برف پگھل جاتی ہے، پانچویں یہ کہ حضور کے نام سے قبر کے امتحان میں کامیابی اور محشر میں نجات ہے حضور کا نام وہ کیمیا ہے جس سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے اور جو انہیں محمد کہہ کر برا کہے وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے۔ پھر تمام پیغمبروں کے معجزے قصہ کی شکل میں رہ گئے۔ مگر حضور علیہ السلام کے چند معجزے قیامت تک کے لئے باقی ہیں مثلاً قرآن کریم، احادیث صحیحہ جگہ جگہ آپ کے بال شریف موجود جن کی زیارت ہوتی ہے، آپ علیہ السلام کی مکمل سوانح عمری شریف مع اسناد کے ہر ایک کے سامنے یہ ایسی خوبیاں ہیں جو حضور علیہ السلام کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئیں۔

یہاں حضور کو بُرۡهَانٌ فرمایا، دوسری جگہ نور قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ کیونکہ بُرہان یعنی دلیل تو عقل سے اور نور آنکھ سے معلوم ہوتے ہیں۔ فلاسفہ منطقی لوگ حضور دلائل سے پہچانیں۔ عام لوگ آنکھ سے بحیرہ راہب آنکھ سے دیکھ کر اور سلمان فارسی عقل سے پہچان کر ایمان لائے۔

اب جو ارشاد ہوا کہ ہم نے نور اتارا، اس نور سے مراد قرآن کریم ہے یا حضور علیہ السلام کی ذات پاک یعنے حضور علیہ السلام دلیل بھی ہیں اور نور بھی، دلیل تو عقل سے پہچانی جاتی ہے اور نور آنکھ سے دیکھا جاتا ہے تو حضور علیہ السلام کو آنکھ سے دیکھو نور ہیں، ان کا ہر عضو پاک نور، اور عقل سے پہچانو تو دلیل الٰہی ہیں۔ نور کی بحث قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ کی آیت میں آویگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

آیت ۲۳۔ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا (پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور

تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت کریمہ بظاہر تو دین اسلام کا کامل ہونا بیان فرما رہی ہے مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی نعت بھی بتا رہی ہے کہ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حج الوداع کا سال ہے یعنی جب اللہ کے محبوب علیہ السلام نے آخری حج ادا فرمایا، جمعہ کا دن ہے، نویں تاریخ ذی الحجہ ہے۔ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ محبوب دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام اونٹ پر جلوہ گر ہیں اور خطبہ حج ارشاد فرما رہے ہیں کہ عین اسی حالت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اتفاق سے اس دن چھ عیدیں جمع تھیں، تین عیدیں تو مسلمانوں کی اور تین عیدیں دوسری قوموں کی یعنی دسمبر کی پچیسویں تاریخ بڑا دن، عیسائیوں کی عید، یہود کی بھی عید تھی اور مجوس کی بھی، مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن وہ عید، حج کا دن وہ عید، محبوب کی دید یہ عید غرضکہ سارے عالم میں خوشی ہی خوشی ہے۔ ایسی عیدیں آج تک کبھی جمع نہ ہوئیں (روح البیان)۔

اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوتے اولاً تو یہ کہ اب تک کہ سارے دین ادیان موسوی و عیسوی وغیرہ غیر مکمل تھے، وقتی طور پر دنیا میں جاری کئے گئے، پھر منسوخ کر دیئے گئے۔ مگر دین اسلام ایسا مکمل کہ اس میں کوئی کمی زیادتی کر سکے اور نہ کوئی قرآن کو بدل سکے اور نہ نیا نبی بن کر آئے، نہ کبھی یہ دین منسوخ ہو جیسے کہ طبیب اپنے کمزور مریض کو اولاً مختلف دوائیں اور غذائیں بدل بدل کر دیتا ہے پھر جب پوری طاقت مریض میں آجاتی ہے تو اس کو اعلیٰ غذا پر چھوڑ دیتا ہے یا کہ بچہ کو گھٹی میں دودھ وغیرہ اولاً عارضی غذائیں دی گئیں، پھر جب بچہ طاقتور ہو گیا۔ تو اس کو روٹی دی گئی۔ اسی طرح یہ۔ دوسرے یہ کہ جس طرح دین اسلام تمام دینوں سے زیادہ کامل۔ اسی طرح بانی اسلام علیہ السلام تمام مذاہب کے بانیوں میں افضل اور اکمل کیونکہ کامل کے ہاتھ پر ہر شے کامل ہوتی ہے مدرسہ کے طلباء چھوٹے درجوں میں مختلف استادوں کے پاس پڑھ کر ترقی کرتے رہے مگر سند فضیلت لے کر کامل جب ہی بنے جب کہ مدرسہ کے مدرس اعلیٰ کے پاس تعلیم حاصل کی۔ تو ان طلباء کو کامل بنانے والا اور ان کی تعلیم کو مکمل کرنے والا کامل مدرس ہوا۔ تیسرے یہ کہ بغیر مذہب اسلام اختیار کئے ہوئے اور بغیر

بانی اسلام کی غلامی کے بغیر کوئی عمل، کوئی نیکی اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ ساری مردود ہیں کیونکہ کفر ایک قسم کا زہر ہے۔ اگر کسی کے کھانے میں زہر پڑا ہو اور پھر اس میں تمام عمدہ مصالحہ ڈال کر تیار کیا جاوے تو جو بھی کھاوے گا مرے گا جس درخت کی جڑ کٹ گئی ہو۔ پھر اس کے پتوں کو عمدہ پانی، دودھ دیا جاوے تو بے کار ہے۔ اسی طرح غلامی سرکار علیہ السلام نہیں، کچھ کرو سب بیکار ہے۔

پندار سعدی کہ راہ صفا توان یافت جز در پئے مصطفٰے

چوتھے یہ کہ دین کو کامل فرمایا گیا۔ اور نعمت کو فرمایا گیا تمام کامل تو وہ جس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی۔ لہٰذا اسلام کے اصول میں اب نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی، اور تمام وہ کہلاتا ہے جس میں زیادتی تو ہو سکے مگر کمی نہ ہو تو اگر مراد نعمت سے مسائل شرعیہ ہیں تو بھی اور اگر نعمت سے مراد فتوحات ہیں تو بھی زیادتی ممکن ہے۔ پانچویں یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اسلام سے راضی ہے تو بانی اسلام علیہ السلام سے بدرجہ اولیٰ راضی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں سے راضی خدا تعالیٰ اسلام پر قائم رکھے آمین۔

آیت ۲۴۔ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۳) بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب۔

یہ آیت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان نعت ہے۔ اس میں اہل کتاب کو مخاطب فرما کر ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اللہ کے بندو تمہارے پاس بڑی شان والا نور اور کھلی ہوئی کتاب آ پہنچی۔ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو نور فرمایا۔ نور وہ ہے جو آپ تو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کردے۔ دیکھو آفتاب نور ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے لئے کسی روشنی کی ضرورت نہیں وہ خود روشن ہے اور جس پر اس نے خود توجہ کردی وہ بھی چمک گیا۔ دنیا میں کوئی اپنے خاندان سے مشہور ہوتا ہے کوئی پیشہ کی وجہ سے کوئی سلطنت کی وجہ سے لیکن حضور علیہ السلام کسی وجہ سے نہیں چمکے۔ وہ تو خود نور ہیں، ان کو کون چمکاتا۔ بلکہ ان کی وجہ سے سب چمک گئے۔ اسی لئے کسی بادشاہی خاندان میں پیدائش پاک نہ ہوئی۔ دولت مند

گھرانے میں جلوہ گری نہ فرمائی۔ حتیٰ کہ ولادت سے پہلے والد کا سایہ اٹھالیا گیا۔ نبوت کے ظہور سے پہلے تقریباً سارے اہل قرابت آگے پیچھے دنیا سے چلے گئے اور بعد نبوت جو باقی رہے وہ خون کے پیاسے، تاکہ کوئی نہ کہہ سکے کہ حضور علیہ السلام کی یہ شہرت ان کے خاندن یا اہل قرابت کی وجہ سے ہے۔ غرضکہ اس قدر بے سروسامانی ہے، مگر تمام دنیا پہچانتی ہے، کیسے پہچانتی ہے کہ ولادت پاک سے پہلے دنیا میں ہلچل مچ گئی کہ نبی آخر الزماں کا زمانہ قریب آگیا۔ دوستوں میں خوشی اور دشمنوں میں رنج پھیل گیا۔ جیسے کہ سورج نکلنے سے پہلے آسمان پر روشی پھیل جاتی ہے بچپن شریف میں تمام لوگ تو کیا جانور اور پتھر بھی پہچانتے ہیں کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔

حلیمہ دائی حضور علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر چلیں، تو خچر نے کہا کہ اے حلیمہ! میری پشت پر نبی آخر الزماں ہیں (مدارج) پھر حضور کی وہ نورانیت ہے کہ آپ کو زمین جانے، آسمان پہچانے، فرشی جانیں اور عرشی خدمتگاری کریں، اشارے سے سورج ڈوبا ہوا لوٹے، چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جاوے کیونکہ جانتا ہے کہ حضور کا اشارہ ہے۔

بعد وفات شریف آج تیرہ سو سال سے زیادہ سال گذر چکے ہیں مگر زمین کے ہر گوشہ میں دنیا کے ہر ملک میں آپ کا نام آپ کے سارے کام آپ کی زندگی مبارک کا ایک ایک حال شریف دنیا والوں کے سامنے ہے اتنے عرصے میں دنیا میں معشوق گزرے، بادشاہ بھی گزرے بڑے بڑے عالم و فاضل بھی گزرے مگر کسی کا نام بھی نہ رہا۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ذکر تھا آپ کے ظاہر ہونے کا اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی برکت سے دوسرے کس طرح ظاہر ہوتے اس کے متعلق مختصراً یہ عرض ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے اولاد والے، مال والے، بادشاہت والے گزرے اور انہوں نے اپنا نام باقی رکھنے کے لئے بہت کوشش کی کسی نے کوئی عمارت بنوا کر چھوڑی جیسی تاج محل وغیرہ کسی نے کوئی کتاب لکھوائی، غرضکہ

اپنا نام چلانے کی بہت تدبیریں کیں لیکن نام نہ چلا لیکن حضور علیہ السلام کے والدین کریمین حضرت آمنہ خاتون، حضرت عبداللہ، عبدالمطلب و ہاشم وغیرہم اسی طرح حضور علیہ السلام کی خدمت پرورش انجام دینے والے لوگ جیسے کہ حلیمہ دائی وغیرہ تمام دنیا میں قیامت تک کے لئے مشہور ہو گئے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی ذات سے ان کو نسبت ہو گئی، غرضکہ اپنے خاندان کو چمکایا اور اپنے ملک کو چمکایا، جس جگہ قدم پاک پہنچ گئے وہ جہان والوں کے لئے زیارت گاہ بن گئی۔ اگر ملک عرب میں آپ کا ظہور نہ ہوتا تو آج کعبہ کو کون جانتا اور مدینہ کو کون جانتا، دیکھو اس ملک میں نہ کوئی تماشہ گاہ ہے، نہ کشمیر اور پیرس کی طرح تفریح کے انتظام نہ سبز زمین نہ میوے کے باغ مگر تمام دنیا اس کی طرف کھچی جا رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ عرب کے چمن میں حضرت خلیل کے چمن سے ایک ایسا پھول کھلا کہ جس کی مہک سے دنیا معطر ہو گئی۔

وہ پھول مدینہ کی کیاری میں جلوہ گر ہے، اس کی کشش سے سب ادھر بھاگے جا رہے ہیں۔ غرضکہ زمین و آسمان کی چکی سب کو پیس دیتی ہے، لیکن جو مدینہ والی کھونٹی مرکز عالم سے لگ جاتا ہے وہ اس چکی سے نہیں پس سکتا، بچ جاتا ہے۔

چکی کے پاٹن دیکھ کر اور دیا کبیرا روتے
جو پاٹن میں آگیا سو ان میں بچا نہ کوتے
چکی چکی سب کہیں اور کیلی کہے نہ کوتے
جو کیلی سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوتے

یہ تو دوستوں کا ذکر تھا جنہوں نے دشمنی کی وہ بھی مشہور ہو گئے جیسے ابو جہل وغیرہ یہ تو نور کے معنی کی تحقیق تھی اب دو باتیں اور بھی قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ نور کو کتاب کے ساتھ کیوں جمع فرمایا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ کوئی کتاب بھی اندھیرے میں نہیں پڑھی جاتی، روشنی چاہیئے۔ اسی طرح کتاب الٰہی کو وہ جان اور سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں وہ نور الٰہی جلوہ گر ہو، جب وہ دل میں آئے تو قرآن ہاتھ میں آیا۔

وہ جس کو ملے ایمان ملا، ایمان تو کیا رحمٰن ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہدیٰ پایا

دوسرے یہ کہ نُوْرٌ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑا نور۔ حضور کا بڑا نور ہونا چند طرح ہے اولاً یہ کہ سورج کی روشنی دنیا میں کم وبیش ہوتی رہتی ہے، صبح کو ہلکی، دوپہر کو زیادہ شام کو پھر کم، رات میں بالکل غائب مگر نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کم نہیں، پھر سورج ہر وقت آدمی زمین کو روشن کرتا ہے۔ مگر نور حبیب علیہ السلام ساری زمین کو بلکہ فرش و عرش کو، سورج بدن کے ظاہر کو چمکاتا ہے اور نور حبیب علیہ السلام دل و دماغ کو خیال کو غرضکہ سب ہی کو چمکاتا ہے، جو آدمی سورج سے بچنے کیے لئے تہ خانہ میں کوٹھری میں چھپ جاوے تو دھوپ سے بچ جاوے گا۔ مگر نور محمدی تو تہ خانہ میں کوٹھری میں، پہاڑ پر، جہاں خدا کی خدائی ہے وہاں پہنچتا ہے کسی کو محروم نہیں کرتا جو خود اس سے فائدہ نہ اٹھائے وہ بدبخت ہے۔

حضور کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی، مکہ شریف بیچ زمین میں واقع ہے۔ کیونکہ محفل میں کناروں کے گیس خاص خاص جگہ روشنی دیتے ہیں، مگر درمیان کا بہت تیز گیس ساری محفل منور کرتا ہے دیگر انبیاء کرام اطراف عالم کے گیس تھے جو خاص خاص جماعتوں کو ہدایت دیتے رہے مگر حضور علیہ السلام ساری خدائی کے نور ہیں۔ لہٰذا بیچ میں جلوہ گری فرمائی۔ اسی لئے فرمایا۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا حضرت یوسف مصر میں جا کر چمکے، جج کچہری میں، مولوی مدرسہ میں، بابو اسٹیشن پر مگر حضور علیہ السلام ہر وقت ہر جگہ چمکے، ان کا سکہ عرش و فرش ہر بازار میں چلتا ہے۔

رب نے اس آیت میں تو حضور کو نور فرمایا اور قرآن کو فرمایا مبین یعنی ظاہر کرنے والا، نور میں اور مبین میں کیا فرق ہے؟ نور تو آنکھ سے نظر آتا ہے بلکہ اندھے بھی کچھ نہ کچھ محسوس کر لیتے ہیں۔ اس معنے سے تو حضور علیہ السلام نور ہوئے کہ اندھے ابو جہل وغیرہ بھی آپ کے قائل ہو گئے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ مگر قرآن کریم کو وہی پہچان سکا جو ایمان لے آیا، اور اس سے مسائل وہی نکال سکتا ہے جو علم و اجتہاد رکھتا ہو، قرآن کو پالینا ہر ایک کا

حصہ نہیں، قرآن فرماتا ہے۔ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ یعنی اے محبوب یہ کافر آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں معلوم ہوا کہ کافر بھی محبوب علیہ السلام کو امین، سچا، راست باز جانتے تھے، ہاں قرآن کو نہ مانتے تھے۔ یہ فرق ہے نُوْرٌ میں اور مُبِيْنٌ میں یا یوں سمجھو کہ قرآن کو حضور نے چمکایا کیوں کہ آپ نور ہیں اور قرآن نے حضور علیہ السلام کے اوصاف جگہ جگہ بیان فرمائے۔ کیونکہ وہ بیان کرنے والا مبین ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

آیت ۲۵۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۸) تمہارے دوست نہیں، مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایک ضروری حکم دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی عزت و عظمت کا خطبہ ارشاد ہو رہا ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن سلام جو کہ یہود کے عالم تھے مشرف بہ اسلام ہو گئے اس پر ان کی قوم بنی قریظہ اور بنی نضیر نے آپس میں کمیٹی کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ چونکہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لئے ان کا بائیکاٹ کیا جاوے، چنانچہ ساری قوم نے ان سے شادی بیاہ، خرید و فروخت، اٹھنا بیٹھنا سب یکدم چھوڑ دیا۔ اس پر سیدنا عبد اللہ ابن سلام نے اپنی قوم کی شکایت حضور سے کی، کہ میں ساری قوم میں تنہا رہ گیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کو فرمایا گیا کہ اگر تم سے کفار علیحدہ ہو گئے تو تم کو کیا غم ہے، تم سے کفار چھوٹے اور اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت حاصل ہوئی تم اس سودے میں نقصان میں نہیں رہے، کافروں کو چھوڑا اور خدا کو لیا، دامن مصطفےٰ کا سایہ مل گیا۔ مسلمانوں کی دوستی حاصل ہو گئی۔ اس سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا رسول علیہ السلام اور مسلمانوں سے دوستی کرنا گناہ نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مدد اور دوستی تمام کے

مقابلہ میں کافی ہے۔

کوئی ملے ملے نہ ملے مصطفیٰ ملے وہ شے ملے کہ ملنے سے جس کے خدا ملے

تیسرے یہ کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اسلام کی لذت وہی پاسکتا ہے جو اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت کرے یعنی اللہ والوں سے محبت کرے اور دین کے دشمنوں سے علیحدہ رہے چوتھے یہ کہ اولیاء اللہ، مشائخ عظام، علماء کرام صحابہ واہل بیت عظام کی محبت اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ یہ حضرات مومن اور مومنوں کے سردار ہیں۔ اسی کو سورہ فاتحہ میں فرمایا گیا۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ خدایا ہم کو ان کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ اور حقیقت میں مسلمانوں یا اولیاء کرام سے محبت رکھنا حضور علیہ السلام کی محبت کے لئے ہے۔ یہ حضرات رسول اللہ کو پانے کے دروازے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

آیت ۲۶۔ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۱۰) اے رسول پہنچا دو جو کہ اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم سے اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا جائے اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

اس آیت میں بظاہر تو حضور نبی کریم علیہ السلام کو تبلیغ فرمانے کا حکم دیا جارہا ہے، مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی نعت شریف بھی ہورہی ہے اس لئے کہ آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ بے خوف و خطر احکام کی تبلیغ فرمایئے اور کسی دشمن سے خوف نہ فرمایئے۔ کیونکہ ہم آپ کے محافظ ہیں۔ پہلے پیغمبروں کو کافروں نے شہید کردیا۔ یا ان کی تبلیغ روکنے کی کوششیں کیں، لیکن آپ کی عزت و عظمت وغیرہ کے ہم محافظ ہیں۔ اب کون ہے جو آپ کو نقصان پہنچا سکے لہٰذا آپ خوب تبلیغ فرمادیں۔

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ یہود مدینہ منورہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم بڑی جماعت والے ہیں اور طاقت ور بھی۔ اگر آپ اپنی تبلیغ چھوڑ دیں تو ہم آپ کی عزت

کریں گے اور خدمت کریں گے اور اگر آپ نے اپنی تبلیغ جاری رکھی تو ہم آپ کو شہید کر دیں گے، چنانچہ مہاجرین و انصار سو۔۔ا حضرات آپ کی حفاظت کے لئے ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تب حضور علیہ السلام نے ان تمام خدمت گاروں سے فرمایا کہ آپ لوگ اب اپنے اپنے گھر آرام کریں، میری حفاظت کی ذمہ داری میرے رب نے فرمالی (روح البیان)۔

سبحان اللہ ! رب نے دین اسلام اور قرآن کے بارے میں فرمایا وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم اس کے محافظ ہیں، اور صاحب قرآن کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے، پہلے انبیاء کرام کے نہ دین کی ذمہ داری تھی اور نہ انبیاء کرام کی جانوں کی، اسی وجہ سے ان کے دین بھی خلط ہو گئے کتابیں محفوظ نہ رہیں۔ یہاں قرآن محفوظ اور اسلام اور مسائل غرضکہ ہر چیز محفوظ ہوئی۔ اس حفاظت ہی کا اثر تھا کہ کفار مکہ نے اور یہود مدینہ نے جان توڑ کوششیں کیں کہ شہید کر دیں نہ کر سکے۔ رب تعالیٰ نے غار ثور میں مکڑی کے جالے سے حبیب علیہ السلام کو بچالیا۔ یہ ہی نہیں کہ اس زمانہ میں ہی یہ حفاظت تھی بلکہ قیامت تک کے لئے آپ کی عزت و عظمت کو محفوظ کر دیا۔ آج بادشاہوں کے خلاف لوگ تحریریں چھاپ دیتے ہیں۔ مگر بحمد ربی تعالیٰ کسی بے دین کو بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اگر کسی نے گستاخی کی تو وہ فوراً اپنی سزا کو پہنچ گیا، یہ حفاظت رب ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پریشان کیا، تو چہارم آسمان پر بلا کر ان کی حفاظت فرمائی اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ محبوب کو دشمنوں میں ہی رکھا اور فرمایا کہ محبوب خوب تبلیغ کئے جائیے۔

ایک گورنر کی رعایا اس سے نہ دبی، اس کو بادشاہ نے شاہی محل میں بلالیا۔ دوسرے گورنر نے سب کو قابو میں کر لیا، اس کو حکم ملا کہ آپ وہاں ہی رہیئے اور حکومت کیجئے، ہر طرح کی امداد سلطانی آپ کو بھیجی جاوے گی۔ ظاہر ہے کہ دوسرا حاکم بڑے دبدبہ والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ

تعالٰی عنہ کی خلافت کو ظاہر نہ فرمایا، حضرت عمر کے ڈر کی وجہ سے، وہ بے دین کافر ہے، سارے ہی احکام تبلیغیہ کی تبلیغ فرمادی صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۲۷۔ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (پارہ ۷، سورہ مائدہ، رکوع ۱۲) اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو خدا اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت ارشاد ہوتی ہے اوّلاً تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ رب تعالٰی نے اپنی اطاعت کا علیحدہ ذکر فرمایا اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کا علیحدہ۔ اس سے بہت پر لطف بات یہ حاصل ہوئی کہ صرف قرآن کو مان لینا ہی ہدایت کے لئے کافی نہیں یا یوں کہ خدا کی اطاعت ہی حضور کی اطاعت ہے، احادیث کی ضرورت نہیں۔ محض بے دینی ہے۔ بعض وہ کام ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان کا حکم دیا قرآن کریم میں ان کا ذکر نہیں سنت نبوی سمجھ کر امت کرتی ہے۔ ان دونوں کو بجالانا اور دونوں کو حق جاننا اسلام میں ضروری ہے جیسے کہ قرآن کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی حدیث کو دیدہ و دانستہ نہ ماننا کفر ہے یہ اور بات ہے کہ کسی کلام کے حدیث ہونے میں شک ہو، پھر اس کے ثبوت کا انکار کرے مگر جس کی متعلق یقینی طور پر معلوم ہو جاوے کہ یہ فرمان مصطفٰے ہے، پھر اس کو برا جانے کافر ہے۔ حضرت صدیق نے خود سن لیا کہ سرکار فرماتے ہیں کہ گروہ انبیاء کی میراث نہیں تقسیم ہوتی، ان کا چھوڑا ہوا مال صدقہ دفی ہے حالانکہ میراث کا ثبوت قرآن کریم سے تھا۔ مگر حضور علیہ السلام والصلوٰۃ کی میراث تقسیم فرمائی ہی نہیں حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے بھی اپنے دور خلافت میں حضور کی میراث تقسیم نہ کی، باغات اور زمین مثل زمانہ صدیقی و فاروقی بطور وقف صرف ہوتی رہی نہایت پر لطف بات یہ بھی ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت میں فرق بھی ہے وہ یہ کہ رب تعالٰی کی اطاعت صرف فرمان کی ہوگی۔ اس کے کاموں میں اطاعت نہیں لیکن حضور علیہ السلام کی اطاعت تین چیزوں میں کی جاوے گی، قول، فعل، اور

سکوت یعنی جو فرمادیا اس کو مان لو جو حضور نے خود کر کے دکھایا اس کو مانو، جو کسی کو کرتے ہوئے دیکھکر منع نہ فرمایا اس کو مان لو۔ رب تعالیٰ کے افعال اور تقریر میں اطاعت نہیں، رب تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ کفار کی امداد نہ کرو، مگر خود ان کو رزق دیتا ہے عیش و آرام دیتا ہے کبھی کفار کو مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح دیتا ہے لڑائی میں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جب خدا ان کو نعمتیں دے رہا ہے تو ہم بھی ان کی خدمت کریں تو یہ غلط ہے۔ پروردگار کبھی اپنے انبیاء کرام پر عتاب فرماتا ہے۔ ہم بھی معاذ اللہ ایسے کلمات انبیاء کے لئے بولیں، تو یہ عین کفر ہے۔ کیونکہ یہ تو رب تعالیٰ کی افعال ہیں رہے اس کے احکام، ہمارے لئے وہ اور ہیں ہم کو حکم دیا کفار کی امداد نہ کرو اور اگر تم نے اپنی آواز بھی نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچی کر دی تو تمہارا ایمان ختم ہے غرضکہ ان دونوں اطاعتوں میں فرق ہونے کی وجہ سے دو جگہ کلمہ اَطِيعُوا فرمایا گیا تیسری بہت لطف کی بات یہ معلوم ہوئی کہ فرمایا جا رہا ہے، تم یہ نہ سمجھنا کہ اگر تم نے حضور کی اطاعت نہ کی تو ان کا کچھ نقصان ہو گا۔ وہ تو اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے، اب نہ ماننے کا وبال تم پر ہو گا۔ تمہاری اطاعت سے ان کا کوئی فائدہ نہیں، اور تمہاری مخالفت سے ان کا کوئی نقصان نہیں، وہ بے پروا بادشاہ ہیں ہاں تم نیاز مند ہو۔

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ خاک
میں بھی کس کو بتاؤں جو خفا تم ہو جاؤ
تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں
ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

آیت ۲۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (پارہ ۷ سورہ مائدہ، رکوع ۱۴)
اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے جبکہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ انہیں معاف کر چکا اور

اللہ بخشنے والا علم والا ہے۔

یہ آیت پاک حضور علیہ السلام کی نعت کا ایک گلدستہ ہے جس میں طرح طرح کے نعتیہ پھول مہک رہے ہیں۔ اس کے شان نزول میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ بعض لوگ حضور علیہ السلام سے بہت سے بے فائدہ سوال کیا کرتے تھے ایک روز ارشاد فرمایا اچھا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو، ہم ہر بات کا جواب دیں گے، ایک نے پوچھا میرا انجام کیا ہو گا؟ فرمایا جہنم۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ حضور نے فرمایا کہ تو صداقہ کے نطفہ سے ہے۔ یعنی تو حرامی ہے (کیونکہ اس کی ماں صداقہ کی بیوی نہ تھی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! ہمارے محبوب سے ایسی باتیں نہ کھلواؤ جن میں تمہارے حیب کھل جاویں (تفسیر احمدی)، مسلم کی روایت میں ہے کہ اسی موقعہ پر عبداللہ ابن حذافہ سہمی نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ، عبداللہ کی والدہ نے یہ واقعہ سنا تو کہنے لگیں بڑا نالائق ہے تجھے کیا معلوم زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا۔ اگر تیری ماں سے کوئی قصور ہوا ہوتا تو وہ آج کیسی رسوا ہوتی۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمانوں پر حج فرض ہے اس پر ایک شخص نے کہا کیا ہر سال فرض ہے؟ حضور نے خاموشی اختیار فرمائی، سائل نے بار بار یہ سوال کیا، تو ارشاد فرمایا کہ اگر ہم اس وقت ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا کہ اے مسلمانو! سوالات کر کے ایسی قیدیں مت لگواؤ، جو تم کو بھاری پڑیں۔ اس میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی، اولاً تو اس طرح کہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی وہ عزت و عظمت ہے کہ رب تعالیٰ غلاموں کو ان کی بارگاہ میں اٹھنے، بیٹھنے بولنے اور بات پوچھنے کے آداب تعلیم فرماتا ہے کہ اس طرح بات پوچھو، اس طرح کلام کرو، وغیرہ وغیرہ اور حضور علیہ السلام کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ کسی کو اپنا ادب کرنا سکھائیں۔

بے اجازت ان کے گھر میں جبرئیل آتے نہیں
آنکھ والے جانتے ہیں عز و شان اہل بیت

دوسرے اس طرح کہ پہلی روایت کی بنا پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام لوگوں کی اصل اور ان کے انجام سے بخوبی واقف ہیں کہ کون کس کا بیٹا ہے اور کون جہنمی ہے اور کون جنتی یہ ہیں معنی حاضر و ناظر کے مگر پردہ پوش ہیں۔ ہر ایک کے حالات بیان نہیں فرماتے۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ جانتے بھی نہیں۔ تیسرے یہ کہ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مالک احکام بنائے گئے ہیں۔ جو کلمہ اس زبان پاک سے نکل جاوے وہی قانون الٰہی بن جاتا ہے۔ سب تو قانون کے منتظر مگر قانون نام ہے جنبش زبان مصطفےٰ علیہ السلام کا۔

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
دی خلد جناب ربیعہ کو، بگڑی لاکھوں کی بناتی ہے
اللہ کی مرضی سب چاہیں، اللہ رضا ان کی چاہے
ہے جنبش لب قانون خدا، قرآن و خبر کی گواہی ہے

چوتھے یہ کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو وہ حلال ہے۔ مشکوٰۃ جلد دوم میں کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حلال وہ جسے اللہ نے حلال کیا، حرام وہ جسے اللہ نے حرام کیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہے تو اب محفل میلاد فاتحہ بزرگان، مدارس دینیہ جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھے وہ تمام جائز ہیں کیونکہ شریعت نے ان کو کہیں حرام نہ فرمایا اس آیت میں یہ ہی فرمایا جارہا ہے۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْهَا یعنی اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ پانچویں یہ کہ اگر کوئی بزرگ کوئی عمل یا وظیفہ بتادے اور اس میں کوئی پابندی نہ بتادے تو خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں نہ لگواؤ۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا گوشت میت کے مارو تو وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتادے گا۔ مگر انہوں نے بار بار پوچھا کہ گائے کیسی ہو، کس رنگ کی ہو، کس عمر کی ہو، پوچھتے رہے، اور پابندیاں بڑھتی رہیں، اگر بغیر پوچھے کوئی سی بھی گائے ذبح کر دیتے کافی تھا۔ اسی طرح پوچھ پوچھ کر قیود نہ لگاؤ۔

آیت ۲۹۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (پارہ ۷، سورہ انعام رکوع ۴) ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو رنج دیتی

ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

اس آیت میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف صاف طور پر ظاہر ہے اور آپ کا تقرب الی اللہ معلوم ہوتا ہے۔ شان نزول اس کی یہ ہے کہ اخنس ابن قیس ابوجہل کا بڑا دوست تھا۔ ایک بار اخنس کی ملاقات ابوجہل سے تنہائی میں ہوئی، اخنس بولا کہ اے ابوالحکم (یہ ابوجہل کا لقب تھا) یہ تنہائی کی جگہ ہے۔ میری تیری بات کی کسی کو خبر نہیں ہوگی تو سچ بول دے کہ محمد رسول اللہ سچے ہیں یا نہیں ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک سچے ہیں، کبھی کوئی جھوٹا حرف ان کی زبان پر نہ آیا۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ قُصی کی اولاد ہیں۔ ان کے خاندان میں تمام بزرگیاں پہلے ہی سے ہیں، بیت اللہ کے پانی پلانے والے، خانہ کعبہ کے حاجب وغیرہ یہ ہی ہیں۔ اب نبوت بھی ان میں پہنچی جارہی ہے تو باقی قریشیوں کے لئے کون سی عزت باقی رہ گئی۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خازن) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک بات ابوجہل نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے ہم تو اس کتاب کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

اس آیت سے حضور علیہ السلام کی عظمت شان چند طرح ثابت ہوئی، اولاً تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ اگر کسی بات سے دل مبارک کو رنج پہنچ جاوے تو رب تعالیٰ اس مبارک دل کی تسکین فرماتا ہے، کفار تو ایذا پہنچا دیں۔ مگر رب پاک تسلی دے رہا ہے۔ کفار جو کہتے تھے کہ آپ رسول نہیں اسی لئے خاطر اقدس پر ملال گزرتا تھا تو کس انداز سے فرمایا کہ پیارے یہ تم کو نہیں جھٹلاتے یہ تو ہم کو اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں تم کیوں رنج کرتے ہو۔ دوسرے اس طرح کہ حضور اقدس علیہ السلام کی ایسی پاک اور ستھری زندگی شریف ہے کہ دوست تو دوست دشمن بھی مانتے تھے کہ یہ امین ہیں، سچے ہیں۔ اگر دنیا میں کوئی ایسی ہستی گذری کہ جس نے کبھی خوش طبعی میں بھی بھول کر جھوٹ نہ بولا،

وہ ہستی پاک صاحب لولاک ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قاعدہ ہے کہ انسان کے ہموطن اور خاص کر لڑکپن کے دوست اس کی اندرونی اور بیرونی زندگی سے واقف ہوتے ہیں، غیروں میں پہنچ کر کوئی کیسا ہی پاک دامن بنے، مگر اپنوں میں مشکل سے مقبول ہوتا ہے حضور علیہ السلام کی وہ ذات ہے کہ جب دعوئے نبوت فرمایا تو سب سے پہلے لڑکپن کے ساتھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان قبول کیا۔ اور شریک زندگی خدیجۃ الکبریٰ نے، جن لوگوں نے انکار بھی کیا تو محض حسد کی وجہ سے، آپ کی ذات پر کوئی عیب نہ لگا سکے۔ تیسرے اس طرح کہ آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اے محبوب آپ کی نبوت کا انکار آپ کے کمالات پر اعتراض اور آپ کی تعریف سے چڑ جانا یہ حقیقت میں ہمارا اور ہماری آیتوں کا انکار ہے، اگر سلطان کسی کو افسر اعلیٰ بنا کر اپنی رعایا کی طرف بھیجے اور لوگ اس افسر کی مخالفت کریں اور اس کو افسر مانیں تو وہ حقیقت میں بادشاہ کی مخالفت کرتے ہیں اور سلطنت کے باغی ہیں تو جو بھی حضور علیہ السلام کے کمالات سے انکار کرتا ہے وہ درپردہ خدا کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ چوتھے اس طرح کہ آیت کہتے ہیں رب تعالیٰ کی نشانی کو جس سے خدا پہچانا جاوے آیات اس کی جمع ہے نشانیاں تو حضور علیہ السلام خدا کی ذات کی آیات ہیں۔ یعنی حضور کی ذات اور حضور علیہ السلام کے صفات رب کو پہچاننے کا ذریعہ ہیں، ان کفار نے آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا، فرمایا انہوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا۔

پانچویں اس طرح کہ دنیا کی ہر چیز قدرت الٰہی کی نشانی ہے فَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ یعنی ہر چیز خدا کی وحدانیت کا پتہ دے رہی ہے۔ مگر دنیا کی ہر چیز خدا کی ایک صفت کی نشانی ہے۔ سورج خدا کے نور کا پتہ دیتا ہے۔ پانی و ہوا خدائے پاک کی سخاوت کا خطبہ پڑھ رہے ہیں مگر حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی ذات اور ساری صفات کے مظہر اعلیٰ ہیں۔ اگر رب کا علم دیکھنا ہے تو علم مصطفےٰ دیکھو اگر رب کی سخاوت دیکھنا ہے تو سخاوت محبوب کا مطالعہ کرو۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا تے برکت دے دی تو سب کے باغوں میں سال میں ایک بار پھل آتا تھا مگر انس کے باغ میں سال میں دو بار (مشکوٰۃ باب الکرامات) حضرت جابر وابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تھوڑے سے جو عنایت فرما دیئے تو تیس سال تک وہ جو ختم نہ ہوتے (مشکوٰۃ باب المعجزات) ایک پیالہ پانی تھا آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ سینکڑوں آدمیوں نے اس سے وضو کیا، غسل کیا، جانوروں کو پلایا اور مشکیزے بھر لیے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چار سیر آٹے سے تمام لشکر اور سارے مدینہ والوں کو دعوت کھلا دی۔ یہ ہے سخاوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر قدرت خدا کا نظارہ کرنا ہے تو محبوب کی قدرت کو دیکھو کہ اشارہ سے ڈوبا ہوا سورج واپس کر لیا (شامی) پورا چاند دو ٹکڑے کر ڈالا (قرآن کریم) رفع حاجت کے لئے دو درختوں کو جو دور تھے جمع فرما دیا اگر نور الٰہی دیکھنا ہو تو جمال مصطفےٰ دیکھو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چاندنی رات تھی، محبوب علیہ السلام حلہ پہنے بیٹھے تھے میں کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینہ کے چاند کو، واللہ شکل مصطفےٰ چاند سے کہیں منور تھی۔

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہدوں ان کے چہرے کو
میں ان کی کفش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں۔

غرضکہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی آیات ہیں جس نے ان کا انکار کیا، اس نے رب تعالیٰ کا انکار کیا اور جس نے ان کو مانا رب کو پہچانا۔ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ وَ بَارِکۡ وَسَلَّمۡ

آیت ۳۰۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ (پارہ > سورہ انعام رکوع ۱۱) اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی۔ جب بولے کہ اللہ نے

کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتار۔

بظاہر تو یہ آیت پاک کفار۔یہود کی برائی میں نازل ہوئی مگر نظر ایمان سے دیکھا جاوے تو حضور علیہ السلام کی نعت پاک کے اس میں ایسے پھول مہک رہے ہیں جس سے دماغ ایمان معطر ہوتا ہے۔

شان نزول اس آیت کی یہ ہے کہ ایک بار۔یہود کی ایک جماعت اپنے عالموں کے سردار مالک ابن صیف کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں مناظرے کے لئے آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اے مالک تجھے اس پروردگار کی قسم دیتا ہوں۔ جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی، کیا تو نے توریت میں دیکھا ہے کہ اِنَّ اللہَ یُبغِضُ الحِبرَ السَّمِینَ یعنی خدا تعالیٰ موٹے عالم کو دشمن رکھتا ہے کہا کہ ہاں حضور نے فرمایا تو موٹا عالم ہے توریت کے حکم سے تو خدا کا دشمن ہے اور اس پر وہ غصہ میں آکر کہنے لگا کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نہیں اتارا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ ان کم بختوں نے خدا کی قدر ہی نہ جانی کہ اس کی کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کر دیا، اچھا تو حضرت موسیٰ پر توریت کس نے اتاری تھی۔ سارے۔یہودی مالک کی یہ بات سن کر مالک سے برہم ہو گئے یا تو تعظیم سے لاتے تھے یا اس کو جھڑکنے لگے اور اس عہدے سے اس کو علیحدہ کر دیا (مدارک و خازن)۔

اس میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی صفت معلوم ہوئی اولاً تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام عالم علم لدنی ہیں نہ کسی سے علم پڑھا، نہ کسی عالم سے فیض لیا، مگر مناظرہ کا طریقہ ایسا نفیس اختیار فرمایا کہ پرانا مشاق بھی اس طریقہ پر سر جھکا دے گا۔ یعنی دلیل شروع ہونے سے پہلے ہی ثابت کر دیا کہ تو اپنے ہی مذہب کے اعتبار سے بے دین ہے، تجھ سے گفتگو کیسی؟

دوسرے اس طرح کہ توریت شریف زبان عبرانی میں تھی، نہ آپ نے کسی سے توریت پڑھی اور نہ زبان عبرانی کسی سے سیکھی۔ مگر قربان اس علم کے کہ توریت کی آیت پر بھی نظر ہے اور زبان عبرانی پر بھی عبور ہے۔

حضرات انبیاء واقف ہی پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی

عرش پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا پڑھ لیا اور پوچھا کہ خدایا یہ کس بزرگ کا نام ہے، جو تیرے نام کے ساتھ لکھا ہے؟ فرمایا اے آدم یہ ان کا نام ہے کہ اگر ان کی پیدائش منظور نہ ہوتی تو آپ کو بھی پیدا نہ کیا جاتا۔

حضرت آدم نے بغیر پڑھے لکھے لکھا ہوا کلمہ کیسے پڑھ لیا۔ پڑھا نور نبوت سے (مدارج)

قرآن پاک میں ارشاد ہوا کہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر ان کی قوم کی زبان میں اور حضور علیہ السلام تو ہر قوم کے رسول ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر زبان سے رسول علیہ السلام واقف ہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام نام سکھائے۔ مفسرین بتاتے ہیں کہ ساری زبانیں حضرت آدم کو سکھائی گئیں۔ اور حضور علیہ السلام کا علم حضرت آدم کے علم سے کہیں زیادہ ہے ثابت ہوا کہ خدائے پاک نے ہر زبان کا حضور کو بھی علم دیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی سے حضور نے سوال فرمایا شکم درد۔ یہ زبان فارسی ہے۔ تیسرے اس طرح مالک ابن صیف نے خدا کی ذات کا انکار نہ کیا تھا کتاب الٰہی کا اور پیغمبر کا انکار کیا تھا۔ مگر رب نے فرمایا کہ ان لوگوں نے رب کی قدر نہ جانی۔ جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کو نہ ماننا حقیقت میں رب کا انکار ہے اور بات بھی ظاہر ہے اس لئے کہ رب تعالیٰ کی صفت ہے رب العلمین جہانوں کا رب اور رب وہی ہے جو بندوں کی ظاہری اور پوشیدہ، دینی اور دنیاوی ضرورتوں کو پورا فرمادے۔ دنیاوی ضرورتوں کے لئے ماں، باپ طبیب اور غذائیں، دوائیں، عمدہ پھل، زمین و آسمان وغیرہ پیدا فرمائے اور دینی رہبری کے لئے انبیاء اور اولیاء علماء و مشائخ اور قرآن و حدیث، نیک اعمال اور وظیفے وغیرہ دنیا کو عطا فرمائے۔ اب جو جو شخص کتاب یا نبی کا انکار کرتا ہے وہ گویا یہ کہتا ہے کہ رب نے ہماری دینی پرورش نہ فرمائی۔ خدا کی ربوبیت کا انکار ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا وہی معتقد ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

آیت ۱۳۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (پارہ ۹، سورہ اعراف، رکوع ۱۹)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبر دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دیگا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان۔ کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے بوجھ اور گلے کے پھندے اتار دے گا جو ان پر تھے۔

اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے بہت سے اوصاف کا ذکر فرمایا گیا ہے نہایت ہی خوبی سے تو یہ آیت ایک نعت نہیں بلکہ نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اول تو اس میں حضور علیہ السلام کو تین لقبوں سے یاد فرمایا، نبی، رسول، امی، رسول تو وہ ذات ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان کا واسطہ ہو، یعنی رب سے فیض لیکر مخلوق تک پہنچا دے اور مخلوق کے گناہ اور قصور خالق سے معاف کراتے یا مخلوق کو شرک و کفر سے بچا کر خالق تک پہنچا دے اور حضور علیہ السلام میں یہ صفت کمال درجہ کی موجود ہے کہ عرب جیسے ملک میں جلوہ گری فرمائی اور ان میں سے کسی کو صدیق کسی کو فاروق وغیرہ بنا دیا اور نبی کے دو معنی ہیں، یا بڑے درجے والا، واقعی حضور علیہ السلام کا وہ درجہ ہے کہ انسان تو کیا کوئی فرشتہ بھی آپ کے درجہ کو نہیں جان سکتا اللہ کو وہ جانتے ہیں اور محبوب کو اللہ ہی جانتا ہے۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہ امم
تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم
آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیز دیگری

ان لفظوں سے جو انسان کے منہ سے نکلتے ہیں حضور علیہ السلام کی جیسی چاہیئے تعریف نہیں ہو سکتی ان کے فضائل تک انسان کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا، حضرت حسان فرماتے ہیں۔

مَا اِنْ مَدَحتُ مُحَمَّدًا مَقَالَتِی لٰکِنْ مَدَحتُ مَقَالَتِی بِمُحَمَّدٖ

میں نے اپنے کلام سے حضور علیہ السلام کی تعریف نہیں کی بلکہ اپنے کلام کو ان کے پاک نام سے قابل تعریف بنالیا۔

یا نبی کے معنی ہیں غیب کی خبر دینے والا، اور واقعہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنت و دوزخ کی قیامت کی، قیامت تک کے ایک ایک واقعہ کی خبریں دیں۔ یہ غیب ہی کی خبر ہے۔ پھر فرمایا گیا۔ اُمّی، اُمّی کے چند معنی ہوسکتے ہیں۔ ام کہتے ہیں ماں کو، اور اصل کو، یا تو اس کے معنی ہیں ماں والے نبی، دنیا میں ہر آدمی ماں والا ہوتا ہے، مگر جیسی ماں اللہ نے حضور کو عطا فرمائی، ایسی ماں دنیا میں کسی کو نہ ملی۔ حضرت مریم بھی ماں گذریں مگر جیسے کہ سید الانبیا بے مثل ہیں، ان کی والدہ رضی اللہ عنہا بھی بیمثل۔

وہ کنواری پاک مریم وہ نَفَخْتُ فِیْہِ کا دم ہے عجیب شان اعظم

مگر آمنہ کا جایا وہی سب سے بڑھ کر آیا

جو سیپ اپنے پیٹ میں قیمتی موتی رکھتی ہے وہ سیپ بھی قیمتی ہو جاتی ہے تو جو مبارک ماں اپنے پاک پیٹ میں اس دریکتا کو رکھے وہ کیسی مبارک ہوگی۔ دوسرے معنی ہیں بے پڑھے یعنی والدہ کے پیٹ سے عالم پیدا ہوئے کسی سے پڑھا لکھا نہیں۔

خاکی و براوج عرش منزل امی و کتاب خانہ در دل

امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

حضور علیہ السلام بے سایہ ہیں، مگر تمام دنیا پر آپ کا سایہ ہے، تیسرے معنی ہیں ام القریٰ یعنے مکہ مکرمہ کے رہنے والے، چوتھے معنی ہیں امی یعنی تمام عالم کی اصل، یہ تین تو حضور علیہ السلام کے القاب تھے اب آپ کے چھ وصف بیان فرمائے گئے وہ توریت و انجیل میں لکھے ہوئے ہیں علماء یہود جو اسلام لائے اور شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام، حضرت کعب احبار وغیرہم، انھوں نے حضور علیہ السلام کے وہ اوصاف سنائے جو توریت شریف میں آئے، چنانچہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے توریت سے یہ

اوصاف سنائے اے نبی ہم نے تم کو شاہد اور بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ بے پڑھوں کے نگہبان ہیں۔ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا، نہ تم بدخلق ہو، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور مچانے والے۔ تم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دو گے، بلکہ خطا کاروں کو معاف کرو گے خدا اس وقت تک تم کو دنیا سے نہ بلاوے گا جب تک کہ تمہاری برکت سے بگڑے ہوئے دین کو سنبھال دے اور لوگ کلمہ نہ پکارنے لگیں۔ تمہاری برکت سے اندھی آنکھیں بینا اور بہرے کان سننے والے اور پردوں میں لپٹے ہوتے دل کھل جائیں گے۔

اسی قسم کا مضمون حضرت کعب احبار سے منقول ہے، عیسائیوں نے بہت کوشش کی کہ حضور علیہ السلام کے سارے صفات انجیل سے نکال دیں، مگر اب موجودہ انجیل میں جس میں بہت ردوبدل ہو چکا ہے۔ حضور علیہ السلام کے اوصاف اس طرح مذکور ہیں۔

یوحنا کی انجیل مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور سنہ ۱۹۳۱ء کے چودھویں باب سولہویں آیت میں ہے۔ "میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" یہ حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور خاتم النبین ہونے کا ذکر ہے۔

اسی کتاب کے اسی باب میں انتیسویں اور تیسویں آیت میں ہے۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"

اسی کتاب کے باب سولہ آیت ساتویں میں ہے "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آوے گا۔ اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیجدوں گا۔

یہی کتاب یہی باب تیرھویں آیت میں ہے "لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئیگا، تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔"

غور کرو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان صفات سے موصوف علیہ السلام کے سوا کون آیا دوسری صفت بیان ہوئی کہ حکم دیتے ہیں اچھی باتوں کا۔

تیسری صفت کہ منع کرتے ہیں بری باتوں سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اچھا کام وہی ہے جس کو اچھوں کے سردار نے جائز کر دیا، اور برا کام وہ ہے جس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرماتے ہیں۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ بری چیزیں ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حلال و حرام کرنے کا حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا گیا، آپ شارع یعنی صاحب شریعت اور مالک شریعت ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔

دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل پر ان کے گناہوں کی وجہ سے بعض اچھی چیزیں حرام کر دی گئی تھیں، جیسے کہ جانوروں کی چربی وغیرہ، حضور علیہ السلام کی برکت سے وہ حلال ہوئیں۔ اسی طرح شراب وغیرہ گندی چیزیں ان پر حلال تھیں، اس کو حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے لئے ناجائز فرمایا۔

چھٹی صفت یہ بیان ہوئی کہ ان پر سے بوجھ دور فرماتے ہیں یعنی پہلے سخت احکام تھے جس سے انسانوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، مثلاً مال کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ میں دینا، وضو کی جگہ تیمم نہ کر سکنا، نماز صرف عبادت خانوں میں ہونا اور جگہ نہ ہو سکنا، غنیمت کا مال حلال نہ ہونا، جسم یا کپڑے پر ناپاکی لگ جائے تو اس کو جلا دینا یا کاٹ ڈالنا وغیرہ یہ تمام احکام بنی اسرائیل پر تھے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی برکت سے یہ تمام مصیبتیں دور ہوئیں، اور اب زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوا، اس میں بھی بہت سی آسانیاں کر دی گئیں، اگر وضو ناممکن ہو تو تیمم کر لو، جہاں چاہو نماز پڑھ لو، مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ یہ تمام آسانیاں اور برکتیں حضور کے صدقہ سے ہیں صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

آیت ۴۲۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (پارہ ۹، سورہ الاعراف، رکوع ۲۰) تم فرماؤ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس میں ارشاد ہوا کہ اے محبوب تم سب لوگوں سے کہدو چاہے وہ عیسائی ہوں یا موسائی، پارسی ہوں یا مجوسی، مشرقی ہوں یا مغربی، جنوبی ہوں یا شمالی کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، لہٰذا اب جو انسان بھی اللہ کا بندہ ہے وہ حضور علیہ السلام کا امتی، حضرت آدم علیہ السلام کی ابوۃ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سب کو عام ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اور ان کی امتیں تمام رسل و جنات و ملائکہ سب ہی حضور علیہ السلام کے امتی ہیں اور سرکار دو عالم علیہ السلام نبی الانبیاء ہیں۔ اس کی تحقیق وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ آلایہ کی بحث میں گذر چکی۔

یہ بھی خیال رہے کہ امت اس کو کہتے ہیں جن کی طرف نبی تبلیغ کے لئے بھیجے جاویں، تو پہلے انبیاء کرام خاص ملک یا کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے کہ دوسری قوموں پر ان کی اطاعت کرنا فرض نہو تا حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جب تشریف لے گئے تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اے موسیٰ آپ کا علم اور ہے اور میرا علم کچھ اور اور آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہی تھا کہ آپ میرے نبی نہیں ہیں اور مجھ پر آپ کی اطاعت فرض نہیں میں بہت سے کاموں میں آپ کی مخالفت کروں گا آپ سے ضبط نہ ہوسکے گا۔ آپ مجھ پر اعتراض کریں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف ایک قوم کے پیغمبر ہیں۔ لیکن اگر حضور علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر کرم فرماتے اور ملاقات فرماتے، تو حضرت خضر کو دین محمدی کی اطاعت کرنا پڑتی۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے، تو ان کو ہماری اطاعت کرنا ہوتی۔ اب امت دو طرح کی ہے ایک تو امت دعوت، دوسری امت اجابت، جس کو تبلیغ تو ہوئی مگر اس نے قبول نہ کیا، وہ امت دعوت کہلاتی ہے۔ اور جس نے قبول کرلیا وہ امت اجابت ہے۔ مسلمان تو حضور

علیہ السلام کی امت اجابت ہیں اور کفار و منافقین امت دعوت ہیں، چاہے لوگ حضور علیہ السلام کی اطاعت کریں یا نہ کریں امت ضرور ہیں۔

اللہ کے بندے سب ہی ہیں، مسلمان بھی اور کافر بھی، مسلمان تو مطیع بندے ہیں اور کافر نافرمان بندے مگر بندگی سے کوئی علیحدہ نہیں اسی طرح چاہے لوگ احکام قبول کریں یا نہ کریں۔ امتی سب ہی ہیں سب پر آپ کی اطاعت فرض ہے۔ حضور علیہ السلام کے والدین نہ تو عیسائی تھے نہ یہودی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں اور یہ حضرات بنی اسمٰعیل ہیں۔ ہاں اوّلاً موحد تھے بعد میں محمدی ہوتے، مسلمان ہوئے، کافر یا مشرک یا بت پرست نہ تھے۔ اس کی تحقیق لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ میں آوے گی، انشاء اللہ۔

آیت ۳۳۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی (پارہ ۹، سورہ انفال، رکوع ۲) اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی ہم نے پھینکی۔ یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس علیہ السلام کی صریح نعت ہے۔ اوّلاً غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے اس میں نعت کس طرح ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جنگ بدر جو سنہ ۲ھ میں واقع ہوئی اس میں کفار مکہ بہت سازوسامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے اور اہل مدینہ کے پاس سوائے اللہ کی مدد اور رسول علیہ السلام کی برکت کے اور کچھ بھی نہ تھا کفار تقریباً ایک ہزار تھے اور مسلمان تین سو تیرہ۔ کفار کے پاس ہر طرح کے کھانے پینے کے سامان مگر مسلمانوں کے منہ میں دن بھر روزہ اور رات میں آیات قرآن۔ کفار کے پاس تیر، تلوار، نیزے، بھالے، مسلمانوں کے پاس خرمے کی لکڑیاں۔ بدن پر کپڑے بھی پھٹے ہوئے اور پاؤں میں چھالے۔ کفار کے لشکر میں گانے والوں کے گانے اور باجوں کے نغمے اور مسلمانوں کی طرف آیات قرآنی اور تکبیر کے کلمے، رات کے وقت کفار شراب میں مخمور، مسلمان نشہ ذکر الٰہی اور شراب محبت میں چور، غرضکہ اُدھر شیطان اِدھر رحمٰن کا لشکر۔

مسلمانوں کی اس ظاہری حالت کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ

الہٰی میں عرض کیا کہ خدایا اس وقت روئے زمین پر تیری سچی عبادت کرنے والی صرف مسلمانوں کی بے سروسامان چھوٹی سی جماعت ہے اگر آج تو نے ان کی امداد نہ فرمائی کہ اس جگہ شکست کھا کر ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تیرا سچا نام لیوا کوئی بھی نہ رہے گا اور اس قدر گریہ وزاری فرمائی کہ اس جگہ کی کنکریاں حضور علیہ السلام کے آنسوؤں سے تر ہو گئیں پھر سجدے سے سر اٹھایا اور ایک مٹھی خاک کی لے کر لشکر کفار کی طرف پھینکی۔ وہ اللہ جانے ایک مشت خاک تھی یا ابابیل کی کنکریاں تھیں کہ تمامی کافروں کی آنکھوں میں پہنچ گئیں اور وہ کافر آنکھیں ملتے ہوئے رہ گئے۔

بعد میں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی اس تھوڑی سی جماعت نے کافروں کے اس سازوسامان والے لشکر پر ایسی فتح پائی کہ جس کا آج تک ذکر چلا آرہا ہے، بڑے بڑے سرداران قریش کفار اس جنگ میں مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔

یہ تو واقعہ تھا جس کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا ہے، اب آیت کیا فرما رہی ہے؟ یہ فرما رہی ہے کہ اے محبوب علیک السلام وہ واقعہ جبکہ آپ نے ایک مشت خاک کفار کی طرف پھینکی، اور سب کی آنکھوں میں پہنچ گئی، اے پیارے تم نے نہ پھینکی، بلکہ تمہارے رب نے پھینکی تھی۔ یعنی ہاتھ تو تمہارے تھے مگر کام ہمارا تھا۔

حضور علیہ السلام کے ایک کام کو رب نے ایسا پسند فرمایا کہ فرما دیا تم نے یہ کام کیا ہی نہیں تھا بلکہ ہم نے کیا تھا۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوئے، ایک تو یہ کہ تصوف کا اعلیٰ درجہ ہے فنا فی اللہ، جب بندہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتے اور دیکھنے میں تو وہ اپنی شکل میں ہو، مگر عشق الہٰی اس کی رگ رگ میں اس طرح سرایت کر جاوے کہ اس کے ہر کام کو رب کی طرف منسوب کیا جاوے جس طرف مولانا روم اشارہ فرماتے ہیں۔

گفتہ اور گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی جب وہ کلام کرتا ہے تو زبان عبداللہ کی ہوتی ہے اور کلام اللہ کا ہوتا ہے۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کلام الٰہی سے مشرف ہونے کوہ طور پر گئے تھے تو ایک درخت سے آواز آئی تھی ونودِیَ مِنَ الشَّجَرۃِ اَن یّٰمُوسیٰٓ اِنِّی اَنَا اللّٰہُ رَبُّ العٰلَمِینَ کہ اے موسیٰ میں ہوں پروردگار عالم، توکیا یہ درخت کی آواز تھی یا درخت کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں۔ ہرگز نہیں، بلکہ رب کا کلام تھا درخت اس کا مظہر۔

اسی طرح ایک کوئلہ آگ میں رکھا گیا، آگ نے ایسی تاثیر کی کہ کوئلہ بھی آگ بن گیا۔ اب جس چیز کو یہ انگارا چھو جاوے جلادے، اسی طرح ایک شخص کو جن نے چھولیا ہے۔ اب وہ جنوں کی حالت میں جو بولتا ہے کہ میرا یہ نام ہے۔ میں فلاں جگہ کا جن ہوں اور مجھ میں یہ طاقت ہے، کیا یہ اس آدمی کی بات ہے؟ نہیں بلکہ زبان تو اس انسان کی ہے، اور جسم تو اس کوئلہ کا ہے، مگر کلام اور کام اس کا ہے جس نے اس میں سرائیت کی۔

یہ تو مثال تھی اب سمجھو کہ اس درجہ میں قدم رکھ کر بعض عارفین اَنَا اللّٰہ یا سُبحَانِی مَا اَعظَمَ شَانِی وغیرہ وغیرہ بول جاتے ہیں، یہ کلام ان کا نہیں ہوتا، زبان ان کی ہے، کلام کسی اور کا ہے یہی فرق ہے فرعون اور حضرت منصور میں کہ فرعون نے جب کہا اَنَا رَبُّکُمُ الاعلیٰ میں تمہارا بڑا رب ہوں کافر ہوا کیونکہ وہ میں تھا اور پھر رب بنا، مگر حضرت منصور نے جب کہا اَنَا الحَق یعنی میں حق ہوں تب وہ اپنی انانیت فنا کر چکے تھے، تو ہی تو میں فنا ہو گئے تھے۔

مگر لطف یہ ہے کہ یہاں تو منصور نے کہا اَنَا الحَق میں حق ہوں۔ واجب القتل ہوتے، مگر یہ ضبط مصطفیٰ ہے کہ اپنے پر اتنا قابو رکھتے ہیں کہ ہردم اَنَا العَبد ہی فرماتے ہیں۔ میں عبداللہ ہوں۔ ہاں رب فرماتا ہے کہ اے محبوب تم فنا فی اللہ کے اس درجہ میں ہو کہ تمہارا کلام اور کام سب ہمارا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی صفات الٰہی دیکھی اور بے ہوش ہو گئے۔ مصطفیٰ کی آنکھوں کے قربان کہ تجلی ذات دیکھ کر بھی معراج میں تبسم ہی فرمارہے ہیں۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پر تو صفات		تو عین ذات مے نگری در تبسمی

رب تعالیٰ نے صرف اسی آیت میں یہ نہ فرمایا، بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیارے جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (سورہ فتح)، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، ان کا کلام وحی الٰہی ہوتی ہے (سورہ نجم پارہ ۲۷) دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام کسی کلام یا حضور کی کسی چیز کی توہین کرے وہ کافر ہے، کیونکہ یہ درپردہ رب کی توہین ہے اگر کوئی شخص صدہا سال تک عبادت کرتا رہے متقی ہو، پرہیز گار ہو، مولوی ہو، پیر ہو، دنیا دار ہو، مگر کبھی کسی موقع پر نعلین پاک مصطفیٰ علیہ السلام کی توہین کردے تو اس کی تمام عبادات ضبط ہوگئیں اور وہ مرتد وہ کافر ہوگیا۔ (دیکھو شفا شریف اور ردالمحتار وغیرہ) بلکہ دیکھو قرآن مجید اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ مولیٰ تعالیٰ اس بارگاہ کا ادب نصیب فرمادے آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

آیت ۳۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (پارہ ۹، سورہ انفال، رکوع ۳) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو، جب رسول تم کو اس چیز کے لئے بلائیں جو تم کو زندگی بخشے۔

یہ آیت کریمہ نعت پاک محبوب علیہ السلام کے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے اس میں بہت طریقوں سے حضور کی نعت شریف ثابت ہے، اولاً تو اس طرح کہ رب العٰلمین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بارگاہ میں رہنے کا ادب سکھایا، خود حضور علیہ السلام سے نہ فرمایا کہ آپ ان کو اپنا ادب سکھاؤ بلکہ خود رب نے سکھایا کہ اے مسلمانو! اس درگاہ میں رہنے کا ادب یہ ہے کہ اگر تم کو کسی وقت ہمارے محبوب پکاریں تو تم کسی حال میں بھی ہو، نماز میں ہو، کسی وظیفہ میں مشغول ہو یا گھر کے کسی کام میں ہو، جس حال میں ہو تمام کاروبار چھوڑ کر فوراً بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوجاؤ۔ بالکل دیر نہ لگاؤ۔ اب صحابہ کرام کا عمل دیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے کس

طرح اس پر عمل کیا۔ ایک صحابی اپنی بیوی سے جماع کر رہے تھے کہ دروازے پر حضور نے آواز دی اسی طرح بغیر انزال کے اپنی بیوی سے علیحدہ ہو کر فوراً حاضر بارگاہ ہو گئے فرمایا لَعَلَّنَا اَعجَلنَاکَ شاید ہم نے تم کو جلدی میں ڈال دیا عرض کیا کہ ہاں، فرمایا جاؤ غسل کر لو (دیکھو طحاوی باب الغسل) اس سے یہ مسئلہ فقہا ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص عورت سے جماع کرے اور بغیر انزال علیحدہ ہو جاوے اس پر غسل واجب ہے۔ حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا نکاح ہوا پہلی رات تھی، بیوی کے پاس گئے، ابھی غسل نہ کیا تھا کہ حکم رسول اللہ پہنچا کہ چلو جنگ کے لئے بغیر غسل کئے ہوئے گئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ جب تمام لاشوں سے ان کی لاش نکالی گئی تو ان کے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا ہے اس لئے ان کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔

حضرت ابی ابن کعب نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے آواز دی، جلدی سے نماز کو پورا فرما کر حاضر ہوتے۔ ارشاد فرمایا کہ حاضر میں دیر کیوں ہوئی۔ عرض کیا نماز میں تھا، فرمایا کہ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی اِستَجِیبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُم جس سے معلوم ہوا کہ نمازی پر لازم ہے کہ نماز چھوڑ کر حضور کے بلانے پر حاضر ہو جاوے۔ بہت سے فقہا نے فرمایا ہے کہ نمازی بحالت نماز حضور کی خدمت میں بلانے پر حاضر ہو جاوے جو خدمت فرمادیں اس کو پورا کرے، پھر بھی نماز ہی میں ہے (دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ تحریم) اور یہ بات ہے بھی ٹھیک، کیونکہ اگر اس نمازی نے کلام کیا تو کس سے کیا؟ ان سے کیا جن کو نماز میں سلام کرنا واجب ہے السَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اگر کسی اور کو سلام کرتا تو نماز جاتی رہتی۔ اگر کعبہ سے سینہ پھرا تو کس طرف پھرا؟ ادھر جو کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔

اور پروانے ہیں ہوتے ہیں جو کعبہ پہ نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

اگر چلا تو کدھر چلا؟ بارگاہ مصطفیٰ کی طرف جو عین عبادت ہے۔ پھر نماز کیوں جاوے۔ اگر نماز میں کسی کا وضو جاتا رہے تو اس کو جائز ہے کہ پانی کی طرف جاوے چلے بھی کعبہ سے، سینہ

بھی پھر جاوے، عمل کثیر بھی کرے مگر نماز ہی میں رہتا ہے تو حضور علیہ السلام رحمت الٰہی کا دریا ہیں۔ آپ کی طرف جانا نماز کو کیوں فاسد کرے۔

اگر اٰمنوا کے معنی کئے جاویں، کہ اے میثاق کے دن ایمان لانے والو! تو اس امر میں کفار بھی داخل ہیں بلکہ ساری مخلوق پر آپ کی اطاعت واجب ہے۔

ارشاد ہوا، سورج لوٹا پایا جو اشارہ چاند چرا
بادل رم جھم رم جھم برسا جب حکم حبیب خدا پایا

سب نے آپ کی اطاعت کی (دیکھو مشکوٰۃ باب المعجزات) درخت بھی آپ کے بلانے پر آگئے، بیان عظمت کے لئے یہ آیت قرآن میں باقی رکھی گئی۔ ورنہ اب ظاہری دعوت نہیں ہے، یا بالواسطہ بلانا مراد ہے۔

مسئلہ:- چند صورتوں میں نماز توڑ دینا جائز ہے۔ اگر نمازی نماز میں اپنا چار آنے کا نقصان ہوتا دیکھے تو نماز توڑ سکتا ہے کسی مسلمان کی مصیبت دور کرنے کے لئے نماز توڑ سکتا ہے۔ نمازی نے دیکھا کہ نابینا کنوئیں میں گرا جارہا ہے تو نمازی نماز توڑ کر اس کو ہٹالے۔ اگر نفل نماز میں اس کو ماں پکارے اور ماں کو خبر نہ ہو کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا ہے، تو نمازی نماز توڑ کر اس کو جواب دے۔ کسی نے فرض نماز تنہا شروع کی تھی کہ جماعت کی تکبیر ہوگئی۔ یہ نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جاوے (روح البیان یہ ہی آیت اور شامی جلد اول باب ادراک الفریضہ) مگر ان تمام صورتوں میں نماز قضا کرنی ہوگی۔

لطیفہ:- رب تعالیٰ نے دو بلانے والوں کا ذکر فرمایا، اللہ اور رسول اللہ کا، اور یہ ظاہر ہے کہ بلا واسطہ اللہ تو کسی کو پکارتا نہیں اور نہ کسی کے کان میں اللہ کی آواز آوے تو لامحالہ رسول اللہ ہی پکاریں گے ان کا پکارنا خدا کا پکارنا ہے، اسی لئے آگے فرمایا اِذَا دَعَاکُم واحد کے صیغہ سے۔

اس آیت میں فرمایا گیا لِمَا یُحْیِیْکُم نبی کریم علیہ السلام تم کو زندگی بخشتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مردہ کو زندہ، زندہ کے دل کو جان کو، خیالات کو زندہ فرمانے

والے ہیں اور کیوں نہ ہو حضرت جبریل گھوڑی پر سوار ہو کر غرق فرعون کے لئے گھوڑے کے آگے ہو گئے، اس گھوڑی کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی اس جگہ گھاس اگ آتی تھی۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا سامری۔ اس نے یہ خاک اٹھالی اور غرق فرعون کے بعد یہ خاک سونے کا بچھڑا بنا کر اس کے منہ میں ڈال دی تو اس سونے کے بچھڑے میں جان پیدا ہو گئی۔ حضرت جبریل کا جسم لگا گھوڑے سے، گھوڑے کا خاک سے اور پڑی بے جان بچھڑے کے منہ میں، وہ زندہ ہو گیا۔ اسی لئے ان کو روح الامین کہتے ہیں، کیوں کہ ان سے روح ملتی ہے، اور حضور علیہ السلام کی نظروں میں ہزارہا جبریلی طاقتیں ہیں تو ان کے اشارے سے مردے بھی زندہ کیوں نہ ہوں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

مدارج النبوۃ میں بہت سے ایسے واقعات لکھے ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے مردوں کو زندہ فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر حضور علیہ السلام کی دعوت تھی، انہوں نے بکری ذبح کی ان کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو ذبح کر دیا، اور ذبح کر کے والد کے ڈر سے چھت پر بھاگ گیا۔ وہاں سے پاؤں پھسلا تو وہ بھی گر کر مر گیا۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے دونوں بچوں کی نعشوں کو چھپا دیا تاکہ دعوت میں حرج نہ ہو۔ جب کھانے پر سرکار نے تشریف رکھی تو فرمایا کہ جابر اپنے بچوں کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ حضرت جابر نے سارا واقعہ عرض کیا، تب حضور نے ان کو زندہ فرمایا اور ساتھ کھانا کھلایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر ایک دعوت میں دسترخوان سے حضور علیہ السلام نے ہاتھ مبارک پونچھ لیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ دسترخوان میلا ہو جاتا تھا، تو اس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے تھے وہ اس میں نہ جلتا تھا بلکہ صاف ہو جاتا تھا (مثنوی شریف) ایک جگہ دعوت میں حضور علیہ السلام تشریف لے گئے بکری ذبح کی گئی، فرمایا کہ گوشت تو آپ لوگ کھالو مگر ہڈی نہ توڑنا کھانا کھا کر ان ہڈیوں کو جمع فرما کر دعا کی وہ بکری دوبارہ زندہ ہو گئی (مدارج فصل المعجزات) غرض کہ جانوروں کو، انسانوں کو، پتھروں کو لکڑیوں کو جان بخشی،

کنکروں کو جاں بخش کر کلمہ پڑھوایا، لکڑی فراق میں روئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف مردہ انسانوں کو زندہ کیا، مگر حضور علیہ السلام نے ان بے جان چیزوں میں جان بخشی یہ ہیں معنی اس آیت کے کہ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔

آیت ۳۵۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ (پارہ ۹، سورہ انفال، رکوع ۴) اور اللہ کا کام نہیں ان کو عذاب کرے جب تک کہ اے محبوب تم ان میں ہو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کے رحمت عالم ہونے کا ذکر ہے اس کا نزول اس موقع پر ہوا کہ ایک بار کفار نے دعا کی، کہ خداوندا اگر یہ قرآن سچا ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لاتے تو تو ہم پر پتھر برسادے آسمان سے یا ہم کو عذاب میں کردے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ لوگ اپنی موت اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں، لیکن چونکہ اے پیارے تم ان میں ہو اور تم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور رحمت کاملہ اور عذاب میں اجتماع نہیں ہوسکتا اس لئے تمہاری موجودگی میں ان پر عذاب نہیں آویگا۔ اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی برکت سے عذاب الٰہی سے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک انشاء اللہ مسلمانوں پر عام عذاب نہ آوے گا جیسا کہ پہلی امتوں پر آتا تھا کہ کسی پر پتھر برسے، اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ کسی قوم کو پانی میں ڈبو دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک مسلمانوں میں جلوہ گر ہیں۔ تیسرے یہ کہ آپ کا ہونا فقط مدینہ پاک میں نہیں ہے۔ بلکہ جہاں مسلمان رہتے ہیں ان میں اسی جگہ حضور علیہ السلام بھی جلوہ گر ہیں، کیوں کہ عذاب وہاں نہ آوے گا جہاں کہ حضور ہوں، اور عذاب تو کہیں بھی نہ آوے گا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں۔ چوتھے اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بلا لئے گئے اور حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بلا لئے گئے، مگر حضور علیہ السلام دنیا میں زمین پر ہی جلوہ افروز رہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ سے دنیا کا انتظام قائم ہے زمین سے آپ کا چلا جانا زمین والوں کے لئے مصیبت ہو جاتا (روح البیان یہ ہی مقام)، پانچویں اس طرح کہ دائرہ کی بقا مرکز سے

ہے۔ چکی کا چلنا اور گھومنا کیل سے ہے۔ اسی طرح آسمان کی چکی کا گھومنا مرکز مدینہ پاک کی وجہ سے ہے، اور جو دانہ چکی میں کیل سے لگ جاتا ہے وہ چکی سے نقصان نہیں اٹھاتا اسی طرح جو انسان مرکز کا ہو گیا، نقصان سے محفوظ رہا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۳۶۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗٓ اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ (پارہ ۱۰، سورہ توبہ، رکوع ۷) اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے، دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول، ہم کو اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور کی کھلی ہوئی نعت پاک ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص کا نام تھا ہرقوص ابن زہیر اس نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس تقسیم میں عدل و انصاف فرمایئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں بھی انصاف نہ کروں تو پھر دنیا میں انصاف کرنے والا کون ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت چاہی کہ مجھے اجازت ہو تو میں اس بے دین کو قتل کر دوں؟ فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ ارادہ الٰہی یہ ہو چکا ہے کہ اس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی، جس کی نمازیں اور ظاہری تقویٰ تمہاری نمازوں اور تقویٰ سے بڑھ کر ہوگا، مگر دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے تیر شکار سے، وہ قرآن پڑھیں گے۔ مگر قرآن کریم ان کے گلے سے نہ اترے گا اس پر یہ آیت کریمہ مع چند آیتوں کے اتری اور فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اللہ اور رسول علیہ السلام کے دینے پر راضی ہو جاتے اور آئندہ کے لئے کہتے کہ ہم کو اللہ اور رسول اپنے فضل سے اور دے گا تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ اول تو یہ کہ حضور علیہ السلام کے کسی مبارک فعل پر اعتراض کرنا کفر ہے اسی لئے فاروق اعظم نے اجازت قتل چاہی کیوں کہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام مالک و مختار ہیں، کہ اگر کسی پر کسی خاص حکم کو جاری فرما دیں تو آپ کو اس کا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو خدائے پاک نے علوم خمسہ کا علم

غیب دیا ہے۔ کیونکہ نبوت کی دوربین دے ملاحظہ فرمالیا کہ اس کی اولاد اس قسم کی ہوگی اور چونکہ ارادہ الٰہی ہوچکا ہے کہ اس سے ایسی اولاد پیدا ہو، لہٰذا اے عمر! تم اس کو قتل نہ کرو کہ یہ ارادہ الٰہی کے خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام خدا کی نعمتیں دیتے ہیں، اس میں فرمایا گیا ہے أَتَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ اللہ اور رسول نے ان کو دیا۔ تو اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے عزت اور آبرو، ایمان جان اور مال و دولت اللہ اور رسول نے دیئے تو شرک نہیں ہے کیونکہ دینے والے سے مانگنا جائز ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اَللهُ الْمُعطِي وَأَنَا قَاسِمٌ اللہ دینے والا ہے اور ہم بانٹنے والے۔

حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے حضور علیہ السلام نے فرمایا سَلْ کچھ مانگ لو۔ عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی خدمت میں حاضری مانگتا ہوں۔ فرمایا اور کچھ مانگو، عرض کیا کہ یہی کافی ہے! مشکوٰۃ باب السجود بروایت مسلم) اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں اور شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتیں حضور علیہ السلام کے قبضہ میں ہیں جس کو جس قدر چاہیں عطا فرمادیں۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

آیت ۳۷۔ يَحْلِفُونَ بِاللهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰، سورہ توبہ، رکوع ۸) تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ اس کے رسول کا حق زیادہ تھا کہ اس کو راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

اس آیت میں بھی صراحتہً حضور علیہ السلام کی نعت ظاہر ہو رہی ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ منافقین اپنی مجلسوں میں حضور سید عالم علیہ السلام پر طعن کیا کرتے تھے، اور مسلمانوں کے پاس آکر انکار کر جاتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی بریت ظاہر کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھانے سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا تھا، اگر ایماندار تھے تو ایسی حرکتیں کیوں کیں جو کہ خدا اور اس کے رسول علیہ السلام کی ناراضی کا سبب ہوں۔ اس آیت میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اولاً ایک تو یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی ناراضی کا

سبب ہے اس سے بھی اللہ ناراض ہے۔ کیونکہ منافقین نے خدا کی شان میں بکواس نہیں کی تھی۔ حضور علیہ السلام کی گستاخی کی تھی۔ مگر رب بھی ناراض ہوگیا۔ دوسرے اس طرح اگر غضب رب کی آگ بجھانا ہے تو حضور علیہ السلام کو راضی کیا جاوے کیوں کہ منافقین سے یہی کہا جارہا ہے کہ خدا اور رسول کو راضی کرو اور ظاہر ہے کہ یہ رب کے پاس تو نہیں جاسکتے۔ تو رب کے راضی کرنے کے لئے بارگاہ مصطفےٰ علیہ السلام میں ہی حاضری دیں گے۔ تیسرے اس طرح کہ کسی نیک کام میں رسول اللہ علیہ السلام کو راضی کرنے کی نیت کرنا اور ان کو دکھانا نہ تو ریا ہے اور نہ شرک، اگر کوئی نماز پڑھنے سے یہ خیال کرتا ہے کہ میں اللہ اور رسول علیہ السلام کو راضی کروں یعنی عبادت تو اللہ کی کرتا ہوں، مگر اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا حکم ہے اور اس میں اللہ اور رسول کی رضا ہے تو بہت بہتر ہے، کیونکہ اس آیت میں دو ذاتوں کو راضی رکھنے کا حکم ہے اللہ اور رسول اللہ کو، علیہ السلام۔

روح البیان اور تفسیر خازن و مدارک میں وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سے ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قراءت قرآن سنی۔ تم کو تو پروردگار نے داؤدی آواز دی ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے خبر ہوتی کہ میری قراءت قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں تو میں اور بھی عمدہ کرکے پڑھتا سبحان اللہ نماز اور تلاوت قرآن اللہ کی عبادت ہے، مگر ابو موسیٰ اشعری عین عبادت میں محبوب علیہ السلام کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔

مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور علیہ السلام کی نیابت میں نماز جماعت پڑھا رہے تھے، درمیان نماز میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ اسی وقت حضرت صدیق تو مقتدی ہوگئے اور حضور علیہ السلام اس ہی نماز کے امام (بخاری و مسلم وغیرہ) یہ عین نماز میں حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو　　واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

چوتھے اس طرح کہ حضور علیہ السلام کو راضی کرنا ایمان میں شامل ہے، فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ مومن ہیں، اور جب ان کا نام پاک اللہ کی ہر قولی عبادت میں داخل ہے تو ان کی رضا کیوں شامل نہ ہوگی، کلمہ میں، نماز میں خطبہ میں، اذان میں، ہر دعا میں، غرضکہ حضور علیہ السلام کا نام موجود ہے حضرت حسان فرماتے ہیں۔

ضَمَّ الاِلٰہُ اسمَ النَّبِیِّ باِسمِہٖ　　اِذقَالَ فِی الخَمسِ المُؤَذِّنُ اَشہَدُ

اللہ نے نبی علیہ السلام کے نام کو اپنے نام سے ملایا، کیونکہ موذن پانچوں اذانوں میں حضور کا نام پاک ہی لیتا ہے صلی اللہ علیہ وعلیٰ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۳۸۔ اَلَم یَعلَمُوا اَنَّہٗ مَن یُّحَادِدِاللہَ وَرَسُولَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خَالِدًا فِیہَا ذٰلِکَ الخِزیُ العَظِیمُ (پارہ ۱۰ سورہ توبہ، رکوع ۸) کیا ان کو خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا، یہ بڑی رسوائی ہے۔

یہ آیت حضور علیہ السلام کی عزت و عظمت کا خطبہ ارشاد فرمارہی ہے اور اس میں اللہ و رسول علیہ السلام کے مخالفوں کو سخت ڈرایا جارہا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس اور محبوب علیہ السلام کو ناراض کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ وہ کیا؟ کفر، رب کو ناراض کیا تو کافر، اور اگر محبوب کی مخالفت کی تو کافر، اگر باپ کو ایذا دے، ماں کو ستائے، تمام مخلوق کو ناراض کردے تو اگرچہ گنہگار تو ہوگا مگر کافر نہ ہوگا لیکن اگر بارگاہ رسالت کا مخالف ہے تو کافر ہے۔

شیطان کو حکم سجدہ ملا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو، لیکن اس نے انکار کیا، خدا کی توحید اور خدا کے سجدے کا انکار نہ کیا تھا، بلکہ نور محمد رسول اللہ علیہ السلام کے اٹھانے والے حضرت آدم کی عظمت کا انکار تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تمام عمر کی عبادتیں بے کار ہوگئیں اور لعنت کا طوق گلے میں پڑگیا۔ یہ مخالفت کا حکم تھا لیکن رسول علیہ السلام کو ناراض کرنے کا وبال خدائے پاک کی ناراضی سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ رب نے فرمایا کہ اے محبوب اگر یہ

لوگ کوئی بھی جرم کریں تو آپ کے پاس آجاویں جآءوکَ اور آپ ان کی سفارش کریں تو ہم ان سے راضی ہو جاویں گے۔

خدائے قدوس کو راضی کرنے کا ذریعہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری اور ان کی شفاعت ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ محبوب علیہ السلام ناراض ہو جاویں تو ان کو کون راضی کرے گا، کیونکہ شفیع تو وہ ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑالیں محمدؐ　　محمدؐ جو پکڑیں چھڑا کوئی نہیں سکتا

یعنی اگر خدا کی پکڑ میں کوئی آجاوے، تو حضور کی شفاعت سے خدائے پاک معاف کر دیتا ہے مگر حضور علیہ السلام کی پکڑ میں آگیا اب کون چھڑاوے۔

در مختار باب المرتدین میں ہے کہ جو شخص شان الوہیت میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ مگر توبہ کرلے تو توبہ سے معافی ہو جاوے گی۔ لیکن جو شخص بارگاہ رسالت میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور اگر بعد میں توبہ بھی کرے تو بھی قتل کیا جاوے گا۔ کیوں کہ وہ حق اللہ تھا اور یہ حق نبی۔ اور توبہ سے حق اللہ معاف ہوتا ہے نہ کہ حق عبد۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی احکام میں حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والے کا سخت عذاب ہے۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ ایک شخص غالباً عبداللہ ابن ابی سرح کاتب وحی تھا بعد میں مرتد ہو گیا اور حضور علیہ السلام پر بہتان باندھا کہ وہ قرآن اپنی طرف سے بناتے ہیں، مجھے معلوم ہے کیونکہ میں خود قرآن کا لکھنے والا ہی تھا۔ جب وہ مرا اور دفن کیا گیا تو زمین نے بھی اس کی لاش نکال کر باہر ڈال دی بار بار قبر کو گہرا کر کے دفن کیا، مگر زمین نے قبول نہ کیا ہر بار باہر نکال پھینکا۔

معلوم ہوا کہ بارگاہ نبوت کا نکالا ہوا کہیں بھی امن نہیں پاتا اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن غَضَبِ الحَلِیمِ بردبار کے غضب سے خدا بچائے آمین۔

آیت ۳۹۔ خُذ مِن اَموَالِھِم صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُم وَ تُزَکِّیھِم بِھَا وَصَلِّ عَلَیھِم اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُم وَاللّٰہُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ (پارہ ۱۱، سورہ توبہ، رکوع ۱۳) اے محبوب ان کے مالوں

سے صدقہ وصول فرماؤ، جس سے تم ان کو ستھرا اور پاکیزہ کر دو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی ایسی ایسی شانیں بیان فرما رہی ہے کہ سبحان اللہ قربان جایئے، شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب غزوہ تبوک ہوا تو مدینہ منورہ کے مومنین کی ایک جماعت اس میں شامل نہ ہو سکی اپنے کاروبار میں مشغولیت کی وجہ سے جب رسول اللہ علیہ السلام مع مجاہدین کے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے جسموں کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ ہم کو حضور علیہ السلام اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولیں گے، جب حضور علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں اور انہوں نے اپنے کو کیوں باندھا ہے، تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ان سے یہ قصور ہوا کہ آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت نہ کی، اب شرمندہ ہیں اور توبہ کرتے ہیں فرمایا قسم رب کی اس وقت تک ان کو نہ کھولوں گا جب تک کہ رب کا حکم نہ آئے کہ کھول دو، پھر ان کی توبہ قبول کی گئی اور یہ حضرات کھولے گئے۔

تب ان صاحبوں نے اپنا مال پیش کیا کہ چونکہ اس مال میں مشغولیت کی وجہ سے ہم جہاد سے رک گئے لہٰذا یہ مال بطور کفارہ حاضر ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس مال کے لینے کا حکم نہیں فرمایا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خزائن العرفان) اور فرمایا گیا کہ اے محبوب آپ ان کا یہ مال، وصول فرمالو، اور ان کے لئے دعا بھی فرماؤ، کیونکہ تمہاری یاد سے ان کے دلوں کو چین ہوتا ہے آخر تمہارے ہیں اگر تم ہی ناراض ہو جاؤ، تو کس کے ہو کر رہیں اور ان کو پاک فرمادو۔

اس آیت سے چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت ثابت ہوتی۔ اولاً تو اس طرح کہ لاکھ عمل کئے جاویں۔ مگر ان کی مقبولیت توجہ محبوب سے ہوتی ہے۔ صدقہ کرنا خدا کی عبادت ہے۔ مگر قبول ہو بطفیل حضور علیہ السلام۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ گناہ کی معافی حضور علیہ السلام کے ذریعہ سے ہوتی ہے تب ہی تو مسجد نبوی میں آتے اور حضور علیہ

السلام سے اپنے آپ کو کھلوانے کے خواہش مند ہوتے تیسرے اس طرح کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کو ہر گندگی گناہ وغیرہ سے پاک فرمانے والے ہیں اعمال صالحہ تو ذریعہ پاکی ہیں، یہاں فرمایا گیا کہ تم ان کو اس صدقہ کے ذریعہ سے پاک فرمادو۔ اگر لاکھوں عبادات کی جاویں اور بارگاہ رسالت میں قبولیت نہ ہو تو سب بیکار ہیں اور کرنے والا ویسا ہی گندا ہے۔ چوتھے یہ کہ عبادت اللہ یہ جاری ہے کہ جب کوئی بھی رحمت بھیجنا ہوتی ہے تو رب تعالیٰ محبوب سے فرماتا ہے کہ پیارے تم یہ ہم سے ان کے لئے مانگو تب ہم بھیجیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تم ان کے حق میں دعا کرو۔

تیری رضا حلیف قضا و قدر کی ہے

وہ اس پر بھی قادر تھا کہ بغیر دعائے محبوب نازل فرماتا، مگر نہیں بلکہ فرماتا ہے کہ تم دعا کرو تو ہم رحمت کریں، حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ہر جمعہ اور دوشنبہ کو تمام نامہ اعمال ہماری بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور ہم سب کے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے ہیں اب بھی یہ اعمال کی پیشی کس لئے ہوتی ہے اسی لئے کہ قبول کی شرط دعائے محبوب ہے۔ پانچویں اس طرح کہ صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کی دعا سے چین آتا تھا۔

ان کا مبارک نام بھی بے چین دل کا چین ہے

جو مریض لادوا اس کی دوا یہ ہی تو ہیں

انسان تو پھر بھی عقل رکھتا ہے۔ آپ کی ذات سے آپ کے کلام سے تو اونٹ، ہرن، اور سوکھی لکڑیاں چین پاتی ہیں۔ حنانہ ستون فراق میں رویا، اونٹ نے مالک کی شکایت کی۔ ہرنی شکاری کے جال میں پھنس گئی اس نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ میرے بچے بھوکے ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لئے اجازت مل جاوے تو بچوں کو دودھ پلا کر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف اور ہرنی کا واقعہ دیکھو شرح دلائل الخیرات حزب دوم یوم سہ شنبہ۔ غرضکہ آپ کی ذات پاک تمام مخلوق کے دل کا چین ہے جس کو ان کے نام سے چین نہ آوے وہ اپنی فطرت سے گر گیا۔ جیسے کہ بخار والا میٹھی چیز کڑوی محسوس کرتا ہے۔

آیت ۴۰۔ لَقَد جَآءَکُم رَسُولٌ مِّن اَنفُسِکُم عَزِیزٌ عَلَیہِ مَا عَنِتُّم حَرِیصٌ عَلَیکُم بِالمُؤمِنِینَ رَءُوفٌ رَّحِیم (پارہ ۱۱، سورہ توبہ، رکوع ۱۶) بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں۔ مسلمانوں پر بہت کرم والے مہربان ہیں۔

یہ آیت کریمہ کیا ہے حضور علیہ السلام کی نعت گوئی کا گنجینہ ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کا میلاد پاک کا ارشاد ہوا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر کرنا ہی تو میلاد ہے۔ تمام لوگ حضور علیہ السلام کا دنیا میں آنا جانتے تھے۔ پھر جانی ہوئی چیز کو کیوں بیان فرمایا۔ اس لئے کہ ولادت کا ذکر ہوا، اور حضور علیہ السلام کی عزت کا اظہار اور پیغمبروں نے بھی اپنی اپنی امتوں کے سامنے حضور کے آنے کی بشارت دی تھی معلوم ہوا کہ میلاد پاک سنت الہیہ اور سنت انبیاء ہے۔

اس آیت میں حضور علیہ السلام کے چھ وصف بیان ہوئے، ۱رسول، ۲تم میں سے، ۳ان پر تمہاری تکلیف بھاری پڑتی ہے، تم پر ۴حریص ہیں، مسلمانوں پر ۵رؤف، ۶رحیم ہیں۔

رسول کی تشریف آوری ماننا اسی پر تو ایمان کا دارومدار ہے، بشریا اپنا مثل اور بھائی ماننے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا، ابولہب نے بھتیجا ہونے کی وجہ سے ولادت کی خوشی منائی، اور ابو طالب نے بھی اسی رشتہ کی وجہ سے خدمت کی۔ اگر رسول ہونے کی وجہ سے یہ کام کرتے تو مسلمان اور صحابی ہوتے۔ اس لئے یہاں رَسُولٌ فرمایا گیا۔

یہاں رَسُولٌ فرمایا اور آیت معراج میں بعبدہٖ فرمایا کیونکہ حضور رب کی بارگاہ میں شان بندگی سے حاضر ہوئے، ہمارے پاس پیغمبری کی شان سے تشریف لائے گئے بندے ہو کر آئے رسول نور برہان، نعمت اللہ ہو کر، موقع کے مطابق القاب بولے جاتے ہیں۔ جو شخص انہیں بندہ کہہ کر پکارے وہ ایسا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو بیٹا کہہ کر پکارے، یا تو رسول کے معنی ہیں بڑا رسول یا وہ رسول یعنی میثاق والا پیغمبر مِن اَنفُسِکُم میں دو قراء تیں ہیں ایک تو ف کا زبر اور دوسرے فُ کا پیش۔ اگر زبر پڑھا جاوے تو معنے ہوں گے تم میں سے نفیس ترین اور

بہترین جماعت میں آتے۔ اور واقعہ ہے کہ تمام دنیا میں عرب افضل، عرب میں قریش بہتر، اور قریش میں بنی ہاشم بہتر، حضور علیہ السلام بنی ہاشم میں پیدا ہوتے اسی طرح تمام زبانوں میں عربی زبان بہتر کیونکہ عربی میں قرآن آیا اور بعد موت تمام کی زبان عربی ہے جنت والوں کی زبان عربی اور حضور علیہ السلام کی زبان بھی عربی ہے۔

نیز تمام دنیا کے شہروں میں مکہ معظمہ اعلیٰ شہر، وہی حضور علیہ السلام کا ولادت گاہ، اسی طرح تمام نسبوں میں حضور علیہ السلام کا نسب پاک نہایت پاک اور ستھرا از آدم تا حضرت عبداللہ کوئی زانی نہ گزرا حضور علیہ السلام ہر زمانہ میں بہترین لوگوں کی پیشانیوں میں جلوہ گر رہے جیسا کہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین کی پہلی حدیث میں ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے آباؤ اجداد میں از آدم تا حضرت عبداللہ کوئی بھی مشرک اور بت پرست نہ گزرا، حضرت ابراہیم کے والد آذر نہیں بلکہ تارخ ہیں، اور قرآن میں ان کو حضرت ابراہیم کا والد فرمایا، بمعنی چچا، اسی طرح حدیث پاک میں جو آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّارِ یعنی تمہارا اور میرا باپ جہنم میں ہے، اس میں بھی ابی سے مراد چچا ابو طالب ہیں۔

مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی والدہ طاہرہ آمنہ خاتون کے مزار پاک پر گئے اور بہت روئے اور فرمایا کہ ہم نے والدہ کی قبر کی اجازت چاہی مل گئی۔ مگر اجازت چاہی کہ والدہ کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اس سے منع کر دیا گیا۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ وہ معاذ اللہ مومنہ نہ تھیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ رونا تو والدہ کے فراق میں ہے۔ اس سے ان کا کفر ثابت نہیں ہوتا، اور مغفرت کی دعا سے رب کا منع فرمانا وہ اس لئے ہے کہ دعائے مغفرت گنہگار کے لئے کی جاتی ہے اور وہ گنہگار نہیں ہیں اسی لئے بچہ کے جنازے کی نماز میں اس کو دعا نہیں کرتے، گنہگار تو وہ ہو جس کے پاس نبی کے احکام پہنچیں اور وہ ان کے خلاف کرے حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ خاتون نے حضور علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ نہ پایا، اور پہلے پیغمبروں کے دین

بدل چکے تھے، ان کی تعلیم غائب ہو چکی تھی، اب وہ کس پر عمل کرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ تھیں اور دعا گنہگار کے لئے ہوتی ہے۔ اگر معاذ اللہ وہ کافر ہوتیں تو حضور علیہ السلام کو ان کی قبر کی زیارت کی اجازت نہ ملتی۔ کیونکہ کفار کی قبروں کی زیارت کرنا بھی حرام ہے، قرآن فرماتا ہے لَا تَقُم عَلٰی قَبرِہٖ اِنَّھُم کَفَرُوا بِاللہِ وَرَسُولِہٖ اے محبوب ان کفار و منافقین کی قبروں پر آپ کھڑے بھی نہ ہوں انہوں نے اللہ و رسول کا کفر کیا ہے۔

بہرحال یہ ماننا ہو گا کہ حضرت آمنہ و عبداللہ مومن تھے کافر نہ تھے۔

ایک تحقیق یہ رہ گئی کہ آخر وہ کس دین پر تھیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان کی زندگی میں اسلام دنیا میں نہ آیا تھا اور دوسرے انبیاء کے دین مٹ چکے تھے، ان کو اصحاب فترۃ کہتے ہیں ان کے لئے صرف توحید کا عقیدہ یعنی بت پرستی نہ کرنا اور اللہ کو ایک ماننا کافی تھا۔

حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ بھی ان ہی میں سے تھے اور اسی پر ان کا انتقال ہوا پھر حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے ان دونوں صاحبوں کو زندہ فرما کر ان کو مشرف با سلام کیا لہٰذا اب وہ حضرات مسلمان ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان دونوں صاحبوں کو زندہ فرما کر ان کو مشرف باسلام کیا لہٰذا اب اس کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالے لکھے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ نے ایک کتاب لکھی، شمول الاسلام لاباءۃ الکرام۔

جس مچھلی کے شکم میں یونس علیہ السلام رہے، اس مچھلی کا شکم عرش سے افضل، کیونکہ اس میں ایک نبی کو معراج ہوتی مثنوی میں ہے۔

شان من بالا و شان او نشیب زانکہ قرب حق بروں ازصا حسیب

اسی طرح حضور علیہ السلام کے صحابہ تمام پیغمبروں کے صحابہ سے افضل ہیں، آپ کے اہل بیت تمام پیغمبروں کے گھر والوں سے بڑھ کر، آپ کا زمانہ پاک تمام زمانوں سے افضل، اور آپ کی ولادت پاک کا دن یعنی دو شنبہ بعض اماموں کے نزدیک تمام دنوں سے بہتر، آپ کی پیدائش پاک کا مہینہ ربیع الاول سال کے بہت سے مہینوں سے افضل، آپ کی قبر انور کی وہ

زمین جس سے جسم شریف ملا ہوا ہے، کعبہ معظمہ اور فرش و عرش و کرسی سے افضل دیکھو شامی باب الحج۔

غرضکہ جس چیز کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہو گئی وہ افضل، فقہا نے ایک بحث کی ہے کہ تمام پانیوں سے کونسا پانی افضل ہے، بعض نہ کہا ہے آب زمزم، مگر بعض فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر وہ پانی ہے جو کہ ایک جنگ کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ایک پیالے میں ہاتھ رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہو گیا، یہ پانی تمام پانیوں سے افضل ہے، کیونکہ زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم سے پیدا ہوا۔ اور یہ پانی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے۔ اسی طرح جس کھانے میں حضرت جابر کے یہاں حضور علیہ السلام نے اپنا منہ کا لعاب ڈال دیا وہ کھانا تمام کھانوں سے افضل ہے۔ دوسری قراءت میں ہے اَنْفَسِکُم یعنی فَ کا پیش تو اس کے معنی ہوتے، تمہاری نفسوں میں سے بمعنی تم میں سے نبی آتے یعنی یہ نبی فرشتوں یا جنات یا غیر عرب میں نہ آتے بلکہ انسانوں میں آتے جس سے قیامت تک نسل انسانی فخر کرے گی اور عرب میں تشریف لائے جس سے کہ عرب تمام میں ممتاز ہو گیا۔ یا یہ مطلب کہ ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسا روح کا آنا قالب میں کہ ہر وقت جسم میں رہتی ہے مگر نگاہ سے غائب۔ اسی طرح اے مسلمانو وہ تمہارے دل میں رہتے ہیں تمہارے خیال میں ہیں، مگر نگاہوں سے غائب ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اب جو آگے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری مشقت ان پر بھاری ہے یعنی تمہاری تکلیف سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے اس کا مطلب بالکل ظاہر ہو گیا کہ جب وہ تم میں ایسے آتے جیسے کہ قالب میں جان تو جسم کے ہر عضو کی تکلیف سے روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کی تکلیف سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کے ہر حال سے ہر وقت خبردار ہیں ورنہ ہماری تکلیف سے ان کو بے چینی کس طرح

ہو سکتی ہے۔

جَآءَکُم سے معلوم ہوا کہ تمام جگہ حضور علیہ السلام تشریف لاتے حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا اور یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ کہاں سے تشریف لاتے۔ معلوم ہوا کہ وہاں سے آتے جہاں کہ کہاں بھی نہیں یعنی لامکان سے آتے مکان میں آتے، قرب حق سے آتے اور قرب حق میں لاکھوں سال رہے۔

نکتہ:- رب خود چھپا رہا مگر محبوب کو بھیج دیا کیونکہ ظاہر پر مخالف و موافق کی نگاہ پڑتی ہے اور اغیار کو دکھانا منظور نہیں۔

معشوق عیاں لبے گزرد بر تو لیکن

اغیار ہمی بیند ازیں بستہ حجاب است

ذات مصطفےٰ عظمت الٰہی کے لئے ڈھال کی مثل ہے کہ کام تو رب کا کرتے ہیں مگر اس پر مصائب خود جھیلتے ہیں۔ رب نے پردہ سے یہ تو فرمادیا کہ جو میرے حبیب کو ایذا دے گا اس سے بدلہ لوں گا۔ مگر ظاہر نہ ہوا حَرِیصٌ عَلَیکُم کے معنے یہ ہیں کہ کوئی تو اپنی اولاد کے آرام کا حریص ہوتا ہے، کوئی اپنی عزت کا کوئی پیسہ کا، کوئی کسی اور چیز کا، مگر محبوب علیہ السلام نہ اولاد کے نہ اپنے آرام کے، تمہارے حریص ہیں اسی لئے ولادت پاک کے موقع پر ہم کو یاد کیا، معراج میں ہماری فکر رکھی، بر وقت وفات ہم کو یاد فرمایا، قبر میں جب رکھا گیا تو عبداللہ ابن عباس نے دیکھا کہ لب پاک ہل رہے ہیں غور سے سنا تو شفاعت ہو رہی ہے رات رات بھر جاگ کر امت کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں کہ خدایا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو عزیز اور حکیم ہے۔

قیامت میں سب کو اپنی اپنی جان کی فکر ہوگی، مگر محبوب علیہ السلام کو جہاں کی۔ سب نبی نفسی نفسی فرمائیں اور محبوب علیہ السلام امتی امتی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۴۱۔ قُل یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَد جَآءَکُمُ الحَقُّ مِن رَّبِّکُم (پارہ ۱۱، سورہ یونس، رکوع

۱۱) تم فرماؤ کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا۔
یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اس لئے کہ اس میں فرمایا ہے کہ تمہارے پاس حق آیا، حق سے مراد یا تو قرآن ہے یا دین اسلام اور یا خود حضور علیہ السلام کی ذات مبارک، معلوم ہوا کہ حضور کے اسماء میں سے ایک نام حق بھی ہے، دوسرے یہ کہ سب تو حق پر ہوتے ہیں اور حضور علیہ السلام خود سراپا حق ہیں جس نے ان کو دیکھا حق کو دیکھا اور تو مومن ہیں مگر حضور علیہ السلام ایمان ہیں اور تو عارف ہیں، مگر حضور علیہ السلام عرفان ہیں اور تو عالم ہیں مگر حضور علیہ السلام سراپا علم ہیں آپ ہی کے حالات جاننا علم ہے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلَّمْ

آیت ۴۲۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پارہ ۱۳، سورہ رعد ۴) خبردار اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔
یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اس میں مسلمانوں کو دل کی بے قراری اور بے چینی کا علاج بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ ذکر اللہ سے دل میں چین پاتے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یا تو اللہ کی ذات ہے یا ذکر اللہ سے مراد حضور علیہ السلام ہیں، کیوں کہ ذکر اللہ حضور علیہ السلام کا نام پاک بھی ہے۔ دیکھو دلائل الخیرات حزب اول۔ اگر پہلے معنے کئے جاویں تو معنے یہ ہوں گے کہ اللہ کی یاد سے دل کو چین آتا ہے اور اس لئے کہ اکثر اوقات دل کی بے چینی اور بے قراری گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید بر تو از ظلمات و غم　　ایں ز بے باکی و گستاخی ست ہم
ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ　　وز زنا افتد بلا اندر جہات

قرآن کریم فرماتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ جو تم کو مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے اور رب تو بہت کو معاف فرما دیتا

ہے اور اللہ کی یاد گناہوں کے لئے ایسی ہے جیسا کہ پلیدی کے لئے دریا کا پانی، کہ جہاں گندی چیز کو دھویا وہ پاک ہو گئی اسی طرح گناہوں کا میل اور گندگی اللہ کی یاد سے دور ہوتی ہے، گناہ معاف ہوتے اور غم دور ہوتے مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق پاکی ست چوں پاکی رسید رخت ے بندد بروں آید پلید

اسی لئے اسلام نے ہر مصیبت کے وقت اللہ کی یاد کا حکم دیا ہے، بارش نہ ہو تو نماز استسقا پڑھو سورج یا چاند کو گرہن لگ جاوے تو نماز کسوف و خسوف پڑھو، کوئی کام کرنا ہو، تو نماز استخارہ پڑھو بلکہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو، بچہ پیدا ہو تو کام میں اذان کہو، بچپن میں اس کو نماز سکھاؤ خود بھی سویرے اٹھتے ہی نماز پڑھو رات کے وقت نماز پڑھ کر سوؤ، مرتے وقت میت کو کلمہ سکھاؤ، کفن پر کلمہ لکھو، قبر میں اتارو تو بِسْمِ اللهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ کہہ کر اتارو، غرض ہر حال میں رب کو یاد کرو۔

پھر اللہ کا ذکر ہر عضو کا علیحدہ ہے، آنکھ کا ذکر خوف الٰہی سے رونا ہے، قرآن کو کعبہ کو، ماں باپ کو عالم دین کو دیکھنا ہے، کان کا ذکر اللہ کا نام و قرآن کریم سننا ہے، ہاتھ کا ذکر قرآن چھونا وغیرہ اور پاؤں کا ذکر مسجد یا مقامات متبرکہ کی طرف جانا ہے، اور ہر ذکر سے دل کو چین ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گر تو خواہی زیستن با آبرو ذکر اوکن ذکر اوکن ذکر او
ہر گدا را ذکر او سلطان کند ذکر او بس زیور ایماں بود

یعنی اگر تو دنیا میں آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہے تو ہر دم اس کی یاد کر، رب کا ذکر فقیر کو بادشاہ کر دیتا ہے، رب کا ذکر ایمان کا زیور ہے۔

مولیٰ نام کی جپنا کرے سارے جگ کو اپنا کرے

دوسرے اس وجہ سے بھی دل کو چین آتا ہے کہ انسان کے پاس دو چیزیں ہیں، جسم اور روح جسم تو اپنے دیس میں ہے اور روح پردیسی ہے کیونکہ وہ عالم ارواح کا پرندہ ہے، جو اس جسم کے قید خانہ میں قید ہے اور ذکر الٰہی روح کے وطن کا خط ہے، جب پردیس میں دیس کا

خط آتے تو اس کو دیکھ کر پردیسی کو چین آتا ہے ایسے ہی دنیا میں رب کا ذکر روح اور دل کا افرار ہے، مومن کی عزت اللہ کے ذکر سے ہے، قرآن شریف کا جزدان اور کعبہ کا غلاف اس لئے حرمت والے ہیں کہ انھیں قرآن اور کعبہ سے وصال حاصل رہا، اسی طرح اگر مومن کا دل اور زبان ذکر الٰہی کا گہوارہ بن جاوے تو یقیناً دنیا و آخرت، قبر و حشر میں اس کی عزت ہو، مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

اور اگر دوسرے معنے کئے جائیں تو آیت کی معنی یہ ہوں گے کہ ذکر اللہ یعنی رسول اللہ سے بے چین دل کو چین ہوتا ہے، حضور علیہ السلام کو ذکر اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر رب یاد آتا ہے قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّر اے محبوب آپ ہی اللہ کی یاد دلانے والے ہیں۔ ذکر اللہ یعنی اللہ کو یاد دلانے والے حضور علیہ السلام سے بیچین دل اس لئے چین پاتے ہیں کہ قاعدہ ہے۔ لِقَاءُ الْخَلِیْلِ شِفَاءُ الْعَلِیْلِ یعنی دوست کی ملاقات بیمار کی شفا ہے۔ اور حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے محبوب ہیں ضروری ہے کہ ان کا نام مسلمان کا چین ہو، مریض عشق کی دوا ذکر حبیب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ حضور علیہ السلام تمام دنیا کی اصل ہیں۔ اَنَا نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ کُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُوْرِی ہم اللہ کے نور سے ہیں اور تمام مخلوق ہمارے نور سے۔ بوستان میں سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

اور قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو اپنی اصل پر پہنچ کر قرار آتا ہے، پردیس میں آدمی بے قرار رہتا ہے مگر وطن میں پہنچکر قرار پاتا ہے، دریاؤں کا پانی بہتا ہے کیونکہ یہ بے وطن ہے، مگر سمندر کا پانی نہیں بہتا، کیونکہ یہ اپنے وطن میں ہے، حضور علیہ السلام کا ذکر اپنی اصل کا ذکر ہے۔ اس سے چین آنا ہی چاہیئے، یہ عمل مجرب ہے کہ کسی کو اختلاج قلب کا مرض ہو تو مریض اپنے دل کی جگہ پر یہ ہی آیت انگلی سے لکھ لے یا لکھوالے اور یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار تلاوت کرے انشاء اللہ آرام ہو گا۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیتے ہیں

انسان تو صاحب عقل ہے۔ حیوانات اور پتھروں اور لکڑیوں کو حضور علیہ السلام سے چین حاصل ہوتا ہے جب لکڑی فراق رسول میں روئی تو اس کو سینہ پاک سے لگایا تو اس کو چین آگیا۔

ایک بزرگ ایک بیمار کے لئے تعویذ لکھ رہے تھے۔ کسی بے دین نے کہا کہ یہ تعویذ وغیرہ سب کھانے کمانے کی تدبیریں ہیں۔ ان تعویذوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انھوں نے اس معترض سے کہا اُلو، گدھا، کتا اور تعویذ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ معترض صاحب تو یہ سن کر غصہ میں سرخ سفید ہو گئے، اور لگے بکواس بکنے۔ بزرگ نے کہا جناب آپ کو غصہ کیوں آگیا۔ میں نے تو خدا کی مخلوقات میں سے تین جانوروں کا نام لیا ہے معترض نے کہا کہ کیا کسی کے دل پر اس کا اثر نہ ہو گا۔ اور کسی کو برا نہ معلوم ہو گا۔ فرمایا کہ ان ادنٰی چیزوں کے نام میں تو تاثیر ہے کہ آپ کا حال بدل گیا۔ رب تعالیٰ اور اس کے حبیب علیہ السلام کے نام میں تاثیر نہیں کہ اس سے بیمار کا حال بدل جاوے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور کی یاد اسی شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا بہانہ ہے ان کی توجہ سے فقیروں کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نظر بن جاتی ہے
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں کونین ادھر ہو جاتی ہے

مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے۔

رحمت نہ کس طرح ہو گنہگار کی طرف
رحمٰن خود ہے میرے طرفدار کی طرف

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی حَبِیْبِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ

آیت ۴۳۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً (سورہ رعد

رکوع ۶) اور بے شک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے بیبیاں اور بچے کئے۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار کہا کرتے تھے کہ اگر حضور علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں تو ان کے بال بچے اور گھربار کیوں ہے۔ نبی کو دنیا سے کیا تعلق، وہ اللہ والے ہوتے ہیں ان کو اللہ ہی سے تعلق چاہیے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس میں چند طرح حضور علیہ السلام کی نعت ہے اولاً تو اس طرح کہ حضور پر تو اعتراض ہوا اور رب تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے، حضور علیہ السلام کو جواب دینے کی ضرورت نہیں دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے دنیاوی تعلق کو نبی کے لئے عیب قرار دیا۔ مگر آیت نے فرمایا کہ یہ تو عین کمال ہے۔ بہت سے انبیاء کرام دنیا سے تعلق رکھتے تھے بلکہ دنیا سے تعلق رکھنا ہی بڑا کام ہے کہ۔

ادھر اللہ سے وصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبرائے میں ہے حرف مُشَدَّد کا

اور جس جس شخص کو نبی علیہ السلام سے تعلق ہوگا وہ عزت و عظمت پا جاوے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے، تو ان کی ذات سے صرف ماں کے رشتہ داروں کو عظمت ملی اور حضور علیہ السلام کو تعلق والد اور والدہ سے ہے، تو حضور کی ذات شریف سے دو گروہوں کو عظمت حاصل ہوئی، اسی طرح جس قدر ازواج سے نکاح فرمایا، ان ازواج کو اور ان کے اہل قرابت کو قیامت تک کے لئے عظمت مل گئی آج سادات کرام کو دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور قیامت تک ان کی یہ عزت رہیگی انشاء اللہ اگر حضور علیہ السلام کے اولاد نہ ہوتی تو ایک خلق کو یہ عظمت کس طرح حاصل ہوتی! صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

آیت ۴۴۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِی سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (پارہ ۱۴، سورہ حجر، رکوع ۵) اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، کیوں کہ اس میں محبوب کی جان کی

قسم کھائی گئی ہے۔ رب تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں سوائے اپنے محبوب علیہ السلام کے کسی نبی کی قسم ارشاد نہیں فرمائی اور نبی علیہ السلام کی جان کی قسم، ان کے شہر مکہ کی قسم (جب تک کہ آپ وہاں رہیں) ان کے زمانہ کی قسم غرضکہ ہر چیز کی قسم ارشاد فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کو محبوب اور محبوب کی ہر چیز ہی پیاری ہے۔ اور عزت والی بھی کیوں کہ یا تو قسم کھائی جاتی ہے پیاری چیز کی، جیسے کہ انسان اپنی جان کی، اولاد کی، مال کی قسم کھاتا ہے اور یا عظمت والی چیز کی جیسے کہ خدا کی قسم یا اس کی صفات کی قسم۔

مسئلہ قسم دو طرح کی ہے قسم شرعی جس پر شرعی احکام جاری ہوں جیسے کہ کفارہ وغیرہ یہ تو خدا کی ذات کی کھائی جا سکتی، یا اس کے ان صفات کی جن کی قسم کھانے کا رواج ہو، جیسے کہ رحیم کی قسم، رحمٰن کی قسم یا قرآن کی قسم اور دوسری قسم عرفی کہ اس پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے صرف اپنی بات کی پختگی کے لئے اس کو بولا جاتا ہے، جیسے ماں، باپ، اولاد یا جان و مال وغیرہ کی قسم، قرآن میں جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اس سے مقصود ہے اس چیز کی عزت و عظمت کا اظہار یا تو دنیاوی لحاظ سے یا دینی لحاظ سے جیسے کہ انجیر اور زیتون وغیرہ کی قسمیں قرآن نے کھائی ہیں کہ یہ چیزیں دنیاوی نفع اپنے میں بہت رکھتی ہیں دنیا والے اور خاص کر اہل عرب ان کو بہت نافع جانتے ہیں۔ اور محبوب علیہ السلام اور ان کے شہر پاک وغیرہ کی قسمیں اس لئے کھائی گئیں کہ یہ چیزیں قیامت تک دینی عظمت والی ہیں۔

آیت ۴۵۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱) پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے، اس میں اس عظمت کا ذکر ہے جو حضور علیہ السلام کے سوا کسی پیغمبر کو عطا نہیں ہوئی یعنی معراج۔

واقعہ معراج کے متعلق تین باتیں لحاظ میں رکھنی چاہئیں۔ اولاً یہ کہ معراج کیوں ہوئی، دوسرے یہ کہ معراج کب ہوئی اور کس طرح ہوئی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں نکات کیا کیا ہیں۔

اول معراج میں اللہ تعالیٰ کی صدہا حکمتیں ہیں۔ بالکل ظاہر چار حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں، ایک تو یہ کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تمام معجزات اور درجات جو انبیاء کرام کو علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے گئے ہیں وہ تمام بلکہ ان سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے، اس کی بہت سی مثالیں بتائی جا چکی ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو یہ درجہ ملا کہ وہ کوہ طور پر جا کر رب سے کلام کرتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چوتھے آسمان پر بلائے گئے اور حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بلائے گئے۔ تو حضور علیہ السلام کو معراج دی گئی۔ جس میں اللہ سے کلام بھی ہوا، آسمان کی سیر بھی ہوئی، جنت و دوزخ کا معائنہ بھی ہوا، غرض کہ وہ سارے مراتب ایک معراج میں طے کرا دیئے گئے۔

بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

اور پھر بڑا فرق ہے کوہ طور اور عرش رسول علیہ السلام میں کہ حضرت کلیم جاتے ہیں اور محبوب علیہ السلام بلائے جاتے ہیں۔

فرق است میان آنکہ یارش دربر
با آنکہ دو چشم انتظارش بردر
طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

دوسرے حکمت یہ ہے کہ تمام پیغمبروں نے اللہ کی اور جنت و دوزخ کی گواہیاں دیں اور اپنی اپنی امتوں سے پڑھوایا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مگر ان حضرات میں سے کسی کی گواہی دیکھی ہوئی نہ تھی سنی ہوئی تھی اور گواہی کی انتہا دیکھنے پر ہوتی ہے۔ تو ضرورت تھی کہ اس جماعت پاک انبیاء میں کوئی ہستی وہ بھی ہو کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر گواہی دے، اس کی

گواہی پر شہادت کی تکمیل ہو جاوے یہ شہادت کی تکمیل حضور علیہ السلام کی ذات پر ہوئی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا گواہی سب پیغمبروں نے دی تھی، مگر وہ اسناد تھی اور حضور علیہ السلام کی ذات پر ہوئی۔ اسی لئے حضور خاتم النبیین ہیں کہ سمعی شہادتوں کی انتہاء عینی شہادت پر ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کی تشریف آوری پہلے سے ہی ہو جاتی تو دیگر انبیاء نبوت سے سرفراز نہ کئے جاتے۔ نیز حضور کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں کہ عینی گواہی کے بعد سنی ہوئی گواہی کیسی، تیسری حکمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یعنی اللہ نے مسلمانوں کی جان و مال خرید لئے جنت کے بدلے میں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا جان و مال کا خریدار مسلمان فروخت کرنے والے، اور یہ سودا ہوا حضور علیہ السلام کی معرفت سے، اور جس کی معرفت سے سودا ہوا وہ مال کو بھی دیکھے اور قیمت کو بھی، فرمایا گیا اے محبوب تم نے مسلمانوں کی جان و مال کو تو دیکھا، آؤ جنت کو بھی دیکھ جاؤ اور اپنے غلاموں کی عمارتیں اور باغات وغیرہ بھی ملاحظہ کرلو، بلکہ خریدار کو بھی دیکھ لو یعنی خود پروردگار عالم کی ذات کو بھی، اور امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے، امام کا دیکھنا سب کا دیکھنا ہے۔ چوتھی حکمت یہ تھی کہ حضور علیہ السلام تمام مملکت الٰہیہ کے بہ عطائے الٰہی مالک ہیں۔ اسی لئے جنت کے پتہ پتہ پر حوروں کی آنکھوں میں غرضکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی یہ کہ یہ چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور محمد رسول اللہ کو دی ہوئیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

مرضی الٰہی یہ تھی کہ مالک کو اس کی ملکیت دکھادی جاوے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) معراج کب ہوئی اور کس طرح ہوئی؟ نبوت کے گیارہ برس پانچ ماہ کے بعد ۲۷ رجب کی آخری شب سوموار کی رات کو حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے ہوئی خود حضور کے دولت خانہ سے نہ ہوئی تاکہ حضرت جبریل بغیر اجازت وہاں حاضر ہو سکیں۔ اگر حضور کے

دولت خانہ سے ہوتی تو جبریل یا تو دروازے سے پکار کر جاتے اور اجازت لے کر اندر حاضر ہوتے یا بلا اجازت ہی اندر آجاتے اور یہ دونوں فعل ناجائز تھے۔ رب فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ الآیہ نیز فرماتا ہے لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ نہ تو حضور کو باہر سے پکار لینا جائز اور نہ بلا اجازت گھر میں جانا خیال رہے کہ ملائکہ بھی مومن ہیں۔ حضور سب کے نبی ہیں۔ نبوت کی مدت کل ۲۳ سال ہے جس کے آدھے یعنی ساڑھے گیارہ برس کے بعد بالکل درمیان میں ہوتی۔ اسی طرح ماہ رجب جو کہ سال نبوت کا درمیانی مہینہ ہے اور دو شنبہ کا دن اس معراج کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ دن بھی درمیانی ہے اور امت بھی درمیانی وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا تو معراج بھی درمیانی ہی تاریخ و ماہ میں ہوتی۔

نکتہ:۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک، ہجرت، مدینہ منورہ میں داخلی، پہلی وحی، معراج اور وفات سب ہی دو شنبہ کو ہوتے۔ کیوں کہ اس دن کا نام ہے یوم الاثنین یعنی دوسرے درجہ والا دن اور حضور علیہ السلام بھی ع بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر۔ تو دوسرے مرتبہ والا دوسرے دن میں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا گیا (روح البیان یہ ہی آیت) اسی لئے اس دن کو فارسی میں کہتے ہیں دو شنبہ اردو میں کہتے ہیں پیر یعنی سارے دنوں کا یہ پیر ہے۔

معراج میں کیا ہوا؟ اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جو کہ بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث میں بیان ہوا کہ رجب کی ستائیسویں شب ہے، رات کا آخری حصہ ہے محبوب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ہمشیرہ امہانی بنت ابی طالب کے دولت خانہ میں آرام فرما رہے ہیں کہ حضرت جبریل امین براق اور برات لے کر حاضر ہوتے پیغام الٰہی لاتے۔ محبوب کو بیدار کیا۔ رب کا پیغام پہنچایا۔ سینہ پاک کو چاک فرما کر آب زمزم سے قلب مبارک دھویا اور اس سینہ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھر دیا۔ پھر کوثر کے پانی سے غسل کرایا، اور محبوب کو دولہا بنایا حلہ بہشتی پہنایا، براق حاضر کیا۔ براق کو براق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی رفتار مثل برق (بجلی) کے ہے اور یا اس لئے کہ بالکل سفید ہے (روح البیان) اس کا جسم گدھے سے بڑا، اور گھوڑے سے کسی قدر چھوٹا، جہاں تک کہ اس کی نگاہ کام کرلے وہاں تک کو ایک قدم میں

طے کرے۔

تھا براق نبی یا کہ نور نظر یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہو گیا

حضرت جبریل نے اس کی لگام پکڑی۔ حضرت اسرافیل پیچھے کھڑے ہوتے ملائکہ نے چار طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے فرشتوں کے جھرمٹ میں دولہا کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی آن کی آن میں بیت المقدس سامنے آیا، وہاں تمام انبیاء ورسل و ملائکہ کو موجود پایا کہ استقبال کے لئے حاضر ہیں اور نماز کی تیاری ہے، امام الانبیاء کا انتظار ہے۔ دولہا کا پہنچنا تھا کہ سب نے سلامی مجرا ادا کیا۔ تمام انبیاء ملائکہ مقتدی بن کر پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور حضور علیہ السلام نے امامت فرمائی، سبحان اللہ کیا نماز ہے کہ انبیاء مقتدی امام الانبیاء امام، پہلا قبلہ جائے نماز ملائکہ مقربین مؤذن حضرت جبریل نے اذان و تکبیر دی (شامی باب الاذان)۔

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر عیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

آج اول و آخر کے معنی کھلے کہ خاتم النبیین (آخری رسول) پہلے سلطانوں کی امامت فرما رہے ہیں، اس نماز سے فارغ ہونا تھا کہ سفر آسمان تیار تھا۔ وہی براق اور وہی اس کی رفتار، وہی برات اور وہی دولہا آن کی آن میں پہلے آسمان پر پہنچے، حضرت آدم علیہ السلام نے استقبال کیا اپنے فرزند کی بلائیں لیں، مدتوں بعد تمنا بر آئی، مرحبا کہا، پھر یکے بعد دیگرے آسمان آتے گئے گزرتے گئے۔ ہر آسمان پر مختلف انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ دوسرے آسمان پر یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام زیارت سرکار سے مشرف ہوتے۔ یہاں سے گزرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا، یہ سدرہ حضرت جبریل کے لئے سد راہ بن گیا۔

بفور صد اسما بندھا یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا
صفوف سما نے سجدہ کیا ہوئی جو اذاں تمہارے لئے

یہ سدرہ ایک بیر کا درخت ہے، جس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر اور اس کے پھل مٹکے کی طرح ہیں۔ یہ حضرت جبریل کی قیام گاہ ہے کہ اس کے آگے ان کی پہنچ نہیں سدرہ پر پہنچ کر حضرت جبریل نے آگے جانے سے معذرت کی فرمایا کہ جبریل یہ طریقہ تو نہیں ہے کہ ساتھ چھوڑ دو، جبریل نے عرض کیا۔

اگر یک سو موئے برتر پرم فروغ تجلی بسو زد پرم

آگے بڑھنا ہی حضور کی شان ہے اب میں اگر بال برابر بھی آگے جاؤں تجلیات کی تاب نہ لاسکوں آگے پروردگار جانے یا وہ جانے والے محبوب کہ کہاں گئے، وہاں گئے کہ جہاں، کہاں ہی ختم ہو چکا تھا کب اور کہاں تو مکان اور زمان کے لئے ہے، جہاں سرکار رونق افروز ہیں وہاں نہ زمانہ ہے نہ مکان کوئی بتاتے تو کیا بتاتے۔ رب نے کیا دیا۔ محبوب نے کیا لیا، رب نے کیا فرمایا۔ محبوب نے کیا سنا۔ یا رب و محبوب میں کیا راز و نیاز ہوتے۔ یہ تو دینے والا اور لینے والے ہی جانتے ہیں۔ قرآن نے بھی یہ بھید نہ کھولا، بلکہ یوں فرمایا کہ فَاَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہٖ مَا اَوحیٰ اس نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی وہ کی۔ موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے طور پر جو کچھ خلوت میں فرمایا، وہ تمام قرآن کریم کے ذریعہ دنیا میں شائع کر دیا گیا، دیکھو سورہ طٰہٰ، مگر جو اسرار محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج میں ظاہر کئے وہ صیغہ راز ہی میں رکھے گئے کہ فَاَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہٖ مَا اَوحیٰ اس نے اپنے بندے کو جو وحی کی وہ کی، کسی کو کیوں بتاتے ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہاں سے امت کے لئے تحفہ پچاس وقت کی نمازوں کا دن رات میں عطا ہوا واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ نمازیں تو بہت ہیں کم کرائی جاویں اب بارگاہ رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین سرکار کی بار بار حاضری ہوتی رہی، اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔

یہ پانچ نمازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر رہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ

تمنا تھی کہ طور پر جمال الٰہی دیکھنا چاہا تھا روک دیا گیا۔ آج مجھے موقع ملا ہے کہ محبوب بار بار جمال کبریا کا مشاہدہ کریں اور میں ان آنکھوں سے رخ مصطفٰے کے آئینہ میں جمال الٰہی کی خوب دل بھر کر زیارت کروں۔

تو بدیں جمال و خوبی سر عرش گر خرامی
اَرِنی بگو ید آں کس کہ بگفت لَن تَرَانِی
جنَ آنکھوں نے دلبر دیکھا وہ آنکھیں تک لیاںَ
توں ملیوں توں ساجن ملیا ہن آساں لگ پیاں

اس سفر معراج میں جنت کی سیر بھی فرمائی اپنے غلاموں کے باغات اور عمارتوں کا معائنہ فرمایا اور جہنم کا معائنہ فرمایا، گنہگاروں کے عذاب اور اپنے دشمنوں کے عقاب کو دیکھا، چنانچہ ایک جماعت کو ملاحظہ فرمایا کہ دوزخ میں گرم پتھر کھارہی ہے، حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ وہ مالدار ہیں جو کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ خون کے دریا میں کھڑا پتھر کھا رہا ہے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ سود خوار ہیں۔ ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا، جن کی زبان اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ عالم بے عمل ہیں اور ایک قوم کو دیکھا جن کے ناخن تانبے کے ہیں، وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے زخمی کر رہے ہیں۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ مسلمانوں کی غیبت کرنے والے ہیں، غرضکہ ہر قوم کا حال ملاحظہ فرمایا (روح البیان) مگر یہ ملاحظہ مثال کے تھا کہ انبیائے کرام کی آنکھیں گذشتہ اور آئندہ باتوں کو مثل حالت موجودہ کے مشاہدہ فرماتی ہیں۔ ورنہ یہ سب واقعات تو بعد قیامت نمودار ہوں گے، بغیر تشبیہ اس طرح سمجھو کہ ہم کبھی خواب میں آئندہ کے واقعات بطور مثال دیکھ لیتے ہیں۔ مگر ہماری خوابیں یقینی نہیں ہوتیں۔ ان حضرات کا مشاہدہ یقینی ہے، اسی طرح بعد موت قیامت سے پہلے میت کی روح جنت یا دوزخ کی سیر کرتی ہے۔ ارواح شہداء جنت میں جاتی ہیں، مگر یہ جانا صرف روحانی ہوتا ہے نہ کہ جسمانی اور بعد قیامت جانا جسمی ہوگا۔ برزخ کے مقابلہ میں دنیا مثل خواب ہے اور آخرت کے مقابلہ میں

برزخ مثل خواب (تفسیر روح البیان) زیر آیت وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُّقْتَلُ الآیہ پارہ ۲)۔

اس تمام سیر و سیاحت سے جب واپس تشریف لاتے تو ابھی بستر گرم تھا اور مبارک دروازے کی زنجیر حرکت کر رہی تھی یعنی تقریباً ۸۰ ہزار سال کا سفر ایک آن میں طے فرمایا، صبح کو جب اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت ابو بکر بلا تامل تصدیق فرما کر صدیق بنے۔ اور ابو جہل نے اس کی تردید کر کے زندیقی کا طوق گلے میں ڈالا۔

یہ تو مختصر واقعات معراج کا بیان ہوا۔ اب اس آیت میں کیا نکات ہیں اولاً تو اس کو سُبحٰن الَّذی سے شروع فرمایا گیا، جو کہ تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے، چونکہ واقعہ معراج بہت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے اور انسانی عقل سے بالا تر ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ سُبحٰن الَّذی یعنی یہ اس کے ارادے سے ہوا جو عجز سے پاک ہے، ہر طرح قادر ہے، حضور کے جسم اطہر کا اوپر کیطرف جانا، کرہ آگ و زمہریر سے سلامت گذر جانا آسمانوں میں داخل ہو جانا، جنت و دوزخ کی سیر فرمایا پھر اس قدر جلد واپس آ جانا اگرچہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے مگر رب کے نزدیک کچھ مشکل نہیں، ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں کی سیاحت کر کے فوراً واپس ہوتا ہے۔ اور آگ و زمہریر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے یہ تو ادنیٰ سے نور کا حال ہے۔ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا نور ہیں۔ ان کے کمالات تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ حضور علیہ السلام کو اس جگہ عبدہ فرمایا نہ کہ رسول یا نبی وغیرہ۔ کیوں کہ آج تو مخلوق سے خالق کی طرف جا رہے ہیں۔ آج شان رسالت کے اظہار کا وقت نہیں ہے۔ اظہار عبدیت کا وقت ہے، عبد فنافی المولیٰ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام فنافی اللہ کے درجہ پر فائز ہیں۔

عبد دیگر عبدہ، چیز دگر او سراپا انتظار و منتظر

عبد وہ جو رب کا انتظار کرے، جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام وادی سینا میں، عبدہ وہ جس کا رب انتظار فرماتے، عبد وہ جس کی عزت رب کی نسبت سے ہوا اور عبدہ، وہ اعلیٰ غلام کہ اس کی عبدیت سے مولیٰ کی عظمت ظاہر ہو، رب فرماتا ہے هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

عبدہ دہر است دہر از عبدہ ماہمہ رنگیم داو بے رنگ و بو
عبدہ، چند و چگون کائنات عبدہ راز درون کائنات
کس ز سر عبدہ آگاہ نیست عبدہ جز سر الا اللہ نیست
عبدہ صورت گر تقدیر ہا است تانہ بینی. از مقام ما رَمَیتَ

یعنی عبدہ وہ ہے جو سارے عباد کی اصل ہے، عبدہ وہ جس کا رنگ سارے عباد میں ہو اور خود بے رنگ ہو۔ عبدہ سارے عباد کا راز دروں ہے۔ عبدہ کے مقام تک اب تک کوئی نہ پہنچا، عبدہ سے سارے عباد کی تقدیریں وابستہ ہیں۔ میں ان چند شعروں میں عبد کے معانی بیان نہ کرسکا اگر تو عبدہ کا مرتبہ پہچاننا چاہے تو یہ آیت پڑھ مَارَمَیتَ اِذْ رَمَیتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رمیٰ

فرمایا گیا لَیلاً یعنی رات کے تھوڑے حصے میں معراج ہوئی نہ کہ دن میں، وہ بھی رجب کی ۲۷ تاریخ کا پچھلا حصہ جبکہ چاند بھی غائب اور سب نیند میں مشغول کیونکہ آج حقیقت محمدیہ بے حجاب جلوہ گر ہے کس آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کو نظر بھر کر دیکھ لے، ملائکہ مقربین بھی کچھ ساتھ دے کر آگے پیچھے رخصت ہو رہے ہیں آج حضور علیہ السلام کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ جوں جوں چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے۔

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب، سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرہ سے بڑھے جبریل رہے تنہا ہیں جو عرش خدا پایا
جبریل کی آنکھوں سے پوچھو اے چشم حقیقت بیں کہہ تو
انہیں فرش پہ تو نے کیا دیکھا سدرہ سے بڑے تو کیا پایا

اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی دور کی مسجد تک معراج کرائی۔ اللہ جانے دور کی مسجد کون سی ہے آیا مسجد بیت المقدس یا کہ بیت المعمور مسجد ملائکہ۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ رب سننے دیکھنے والا ہے دوسرے یہ کہ وہ محبوب علیہ السلام سمیع و بصیر ہیں (مدارج، وروح البیان یہ ہی آیت) یعنی حضور علیہ السلام کو اسی لئے معراج کرائی گئی کہ اس عالم کو دیکھنے اور بلاواسطہ ہم کو دیکھنے اور ہمارا کلام سننے پر قدرت رکھنے والے محبوب علیہ السلام ہی ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحٰبِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلِّم

آیت ۴۶۔ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، رکوع ۹) اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے، قریب ہے کہ تم کو تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کی دو خصوصیات بیان فرمائی گئیں، ایک تو دنیا میں دوسری آخرت میں۔

خصوصیت دنیاوی تو نماز تہجد ہے۔ اور خصوصیت اخروی مقام محمود پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری۔ نماز تہجد کا فرض ہونا حضور علیہ السلام ہی کی خصوصیت ہے۔ نہ تو آپ سے پہلے کسی نبی علیہ السلام کو یہ نماز عطا ہوئی، اور نہ آپ کے کسی امتی کو ملی۔ بلکہ امت کے لئے سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک آدمی نے بھی پڑھ لی تو سب بری الذمہ ہو گئے۔ اور اگر کسی نے نہ پڑھی، تو سب تارک سنت ہوتے۔

نماز تہجد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ رکعتیں ہیں۔ نماز عشاء پڑھ کر سونے کے بعد جب بھی رات میں آنکھ کھلے، تب ہی تہجد کا وقت ہے، اور صبح صادق ہوتے ہی اس کا وقت گیا۔ یہ نماز بڑی مبارک ہے۔ بہتر ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں پڑھے۔ اولاً تو اور امتوں کو نماز پنجگانہ ہی نہیں ملی۔ بلکہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ ہاں یہ نمازیں علیحدہ علیحدہ انبیائے کرام نے ادا کیں، نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے صبح ہونے کے شکریہ میں کیونکہ انہوں نے جنت میں رات نہ دیکھی تھی (شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ) نماز ظہر حضرت

ابراہیم نے پڑھی اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کی جان محفوظ رہنے اور دنبہ قربانی کے آنے کے شکریہ میں، اور نماز عصر حضرت عزیز علیہ السلام نے پڑھی، جبکہ سو برس کے بعد زندہ فرمائے گئے اور نماز مغرب حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا کی تو توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں کیوں کہ ان کی توبہ بوقت مغرب قبول ہوئی تھی، چار رکعت کی نیت کی تھی مگر درمیان میں تین ہی پر سلام پھیرا اور نماز عشاء حضور علیہ السلام نے ادا فرمائی (طحاوی شریف باب الصلوٰۃ الوسطیٰ ای صلوٰۃ) تو نماز عشاء حضور کی امت کی خصوصیت اور نماز پنجگانہ بھی، اور نماز تہجد کی فرضیت حضور علیہ السلام کا خاصہ مبارک۔

قیامت میں حضور علیہ السلام کا مقام محمود پر تشریف فرما ہونا حضور علیہ السلام کا اخروی خصوصیت ہے، یہ وہ جگہ ہے جس جگہ جلوہ گر ہو کر حضور علیہ السلام سب کی شفاعت کبریٰ فرمائیں گے تمام اولین و آخرین تلاش شفیع میں مارے مارے پھریں گے، ہر دروازہ پر یہ ہی آوازیں سنیں گے کہ اِذْهَبُوا اِلٰی غَیرِی آخر کار حضور علیہ السلام کو اس جگہ پائیں گے، اور حضور علیہ السلام کی اس عزت و عظمت کو دیکھ کر سب دشمن و دوست آپ کی تعریف کریں گے اسی لئے اس کو مقام محمود کہتے ہیں یعنی حمد کیا ہوا مقام۔ اذان کے مؤذن کو اور اذان سننے والوں کو حکم ہے کہ حضور کے لئے مقام محمود ملنے کی دعا کریں کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے لئے یہ دعا کرے گا، ہم اس کی شفاعت فرمائیں گے اسی طرح اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ سن کر سننے والے اپنے انگوٹھوں کے ناخن چوم کر آنکھوں سے لگائیں اس کے بہت سے فضائل آتے ہیں دیکھو شامی جلد اول باب الاذان اور تفسیر روح البیان زیر آیت وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا پارہ ۶۔

اگرچہ یہ احادیث حسن یا ضعیف ہیں مگر فضائل میں معتبر۔ انگوٹھے چومنے کا دنیاوی فائدہ تو یہ ہے کہ اس کا عامل انشاء اللہ کبھی نابینا نہ ہوگا، اور نہ اس کی آنکھوں کی روشنی کم ہوگی۔ اخروی فائدہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمادیں گے، اور کرم کریمانہ سے خود اس کو اہل جنت کی صفوں میں داخل فرمائیں گے، طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلی

بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنے تو کہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اور دوسری بار سنے تو کہے قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگائے (چوم کر) پھر کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ (شامی جلد اول باب الاذان)۔

شامی نے اس مسئلہ کا انکار نہ کیا، بلکہ اس کے فضائل میں جو احادیث مرفوعہ نقل فرمائیں ان کے بارے میں فرمایا کہ کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موقوف احادیث اس بارے میں صحیح ہیں۔ نیز یہ نہ کہا کہ مرفوع احادیث ضعیف ہیں بلکہ فرمایا کہ صحیح نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ صحیح نہ ہونے سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں بلکہ حسن وغیرہ بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا رسالہ مبارک "منیر العینین فی تقبیل الابہامین" دیکھو جس میں روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان میں انگوٹھے چومنا سنت صدیقی بلکہ سنت حضرت آدم علیہ السلام ہے۔

آیت ۷۴۔ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (پارہ ۱۶، سورۃ الکہف، رکوع ۱۲) تم فرمادو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہوں، تو ضرور سمندر ختم ہو جاوے اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اس کی مدد کو لے آویں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے ایک بار یہود نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں حکمت ہے، اور ہم کو حکمت دی گئی، اور قرآن فرماتا ہے کہ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا جس کو حکمت کی دی گئی اس کو بہت ہی خوبی مل گئی۔ پھر آپ کیسے فرماتے ہیں کہ تم کو نہیں دیا گیا مگر تھوڑا علم (یعنی آپ کی دو باتوں میں مقابلہ ہے، ہمارے علم کو تھوڑا بھی کہا گیا اور بہت بھی) اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر خزائن العرفان) اس میں فرمایا گیا کہ قرآن میں بے شک ہر چیز کا علم ہے اور یہ علم واقعی بہت ہے۔ مگر علم الٰہی کے مقابلہ میں اس کو وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے

کیونکہ یہ انتہا رکھتا ہے، اور خدا کے علوم بے انتہا ہیں۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو سمندروں کا پانی روشنائی اور ان سے رب کے کلمات لکھے جاویں، تو بھی سمندر کا پانی ختم ہو جاوے گا۔ مگر رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ اس میں مفسرین کے چند قول ہیں کہ رب کے کلمات سے کیا مراد ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ رب کے معلومات، بعض نے کہا رب کے مقدرات بعض نے فرمایا کہ خدا کی حکمتیں (روح البیان) غرض کہ خدا کا علم اس کی قدرت اور اس کی حکمت اور اس کے صفات کی انتہا نہیں۔ لیکن حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت جلد اول باب سوم میں فرمایا کہ اہل تحقیق کے نزدیک رب کے کلمات سے مراد حضور علیہ السلام کے فضائل اور کمالات اور حضور کے علوم ہیں تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر دنیا بھر کے نعت خواں اور نعت گو اور واعظین اور کاتبین دو سمندروں کے پانی کی روشنائی لے کر صفات و کمالات مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام لکھیں تو یہ روشنائی ختم ہو جاوے گی۔ مگر حضور کے اوصاف ختم نہ ہوں گے۔ اس آیت میں دو سمندروں کا ذکر ہے مگر دوسری میں اس سے بھی زیادہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ یعنی اگر تمام زمین کے درخت قلم ہو جاویں اور سمند کے ساتھ سمندر اور مل جاویں، پھر بھی رب کے کلمات یعنی صفات حضور علیہ السلام تمام نہ ہوں۔

قربان اس کمالات دینے والے کے اور لینے والے کے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔ شیخ کی اس تفسیر کی دوسری آیات بھی تائید فرماتی ہیں۔ دیکھو دنیا کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم ان کو شمار نہیں کر سکتے۔ اور واقعہ بھی یہ ہی ہے، کیونکہ ہم کو اپنے جسم کے بال اور رگیں اور تمام اعضاء کی شمار نہیں معلوم اور ایک ایک بال میں لاکھوں نعمتیں، تو ان نعمتوں کی شمار کس طرح ممکن ہے۔ یہ جسم کی داخلی نعمتوں کا ذکر ہے خارجی نعمتیں اس کے علاوہ ہیں۔ چاند، سورج، زمین آسمان، وغیرہ وغیرہ مگر ان نعمتوں کو قرآن نے فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ فرمادو کہ دنیاوی متاع تھوڑی ہے، لیکن حضور علیہ السلام کے ہر وصف و کمال کو

قرآن نے عظیم فرمایا۔ رب نے اپنی صفات کو عظیم فرمایا۔ اور اپنے محبوب علیہ السلام کے صفات کو بھی عظیم فرمایا۔ اپنے لئے فرمایا وَھُوَ العَلِیُّ العَظِیْم اور محبوب علیہ السلام کے لئے فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم حضور علیہ السلام کے اخلاق کو عظیم فرمایا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کَانَ فَضْلُ اللہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا اے محبوب آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ اس فضل عظیم میں تو تمامی صفات مصطفےٰ شامل ہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ہر صفت عظیم ہے۔

حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، سبحان اللہ، سکھانے والا رحمٰن، سیکھنے والے حبیب الرحمٰن کتاب قرآن پھر علم مصطفےٰ کا کیا پوچھنا غرضکہ حضور علیہ السلام کی ہر صفت وہر کمال عظیم، تو اب کس انسان اور کس فرشتے یا جن میں طاقت ہے کہ حضور علیہ السلام کی نعت کا احاطہ کر سکے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خدا و مصطفےٰ کی رمز سے ادراک عاجز ہے　　خدا کو مصطفےٰ جانے محمد کو خدا جانے

اسی لئے قصیدہ بردہ میں فرمایا گیا۔

مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّھِمْ　　وَ احْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا وَّ احْتَکِمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللہِ لَیْسَ لَہٗ　　حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمِ

یعنی حضور کو وہ نہ کہو جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے لئے کہا (خدا کا بیٹا) اس کے سوا جو بھی عزت و عظمت کے کلمات ممکن ہوں بلا جھجک کہدو، کیونکہ حضور علیہ السلام کے فضائل کی کوئی حد نہیں، جس کو بولنے والا اپنے منہ سے بیان کرے۔ جس قدر حضور علیہ السلام کی نعتیں لکھی اور پڑھی جا چکیں، ان کی بھی حد ہم کو نہیں دنیا میں جس زبان میں دیکھو حضور علیہ السلام کی نعت موجود ہے، اور بے شمار نعتیں ہیں پھر جنات نے جو نعتیں کہیں اس کی ہم کو خبر نہیں۔

پھر مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے روضہ پاک محبوب علیہ السلام پر حاضری دے کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں، جو صبح کو آتے ہیں وہ شام کو چلے جاتے ہیں اور جو شام کو آتے ہیں صبح کو چلے جاتے ہیں (اور جو ایک بار آ گئے ان کو دوبارہ آنا نصیب

نہیں ہوتا) یہ ملائکہ کی نعت ان سب کے علاوہ ہے۔ اب حساب لگاؤ کہ بھلا کس قدر نعت پاک بیان ہو چکی، مگر رب گواہ ہے کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے دفتر کا ایک نقطہ بھی بیان نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ گذشتہ انبیائے کرام نے جو حضور علیہ السلام کی نعتیں بیان فرمائیں وہ علاوہ ہیں۔ • قیامت میں جو مقام محمود پر آپ کی تعریفیں ہوں گی کہ دوست اور دشمن سب ہی مدح خوانی کریں گے وہ اس کے سوا ہیں۔

نیز پروردگار عالم نے جو ان کی نعت ارشاد فرمائی ہے وہ بے حد و بے شمار ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی نعت احاطہ میں آسکتی ہے۔ بس خدا کی حمد حضور علیہ السلام ہی کر سکتے ہیں، اور حضور علیہ السلام کی نعت خدا ہی فرماتا ہے۔

ہم لوگ جو کچھ نعت شہ لولاک علیہ الصلوٰۃ لکھتے یا پڑھتے ہیں اس خیال سے نہیں کہ بس ہم نے حق نعت ادا کر دیا بلکہ فقط اپنا نام نعت خوانوں کی فہرست میں لکھانے کی یہ ترکیب ہے مثل حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے بازار مصر میں ایک بڑھیا سوت کی اٹی لے کر گئی۔ لوگوں نے کہا بیوقوف تیرا منہ اور خریداری حسن یوسف۔ آج تو لوگوں نے ان کے خریدنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے۔ خزانہ کے منہ کھول دیئے ہیں، وہ بولی یہ میں بھی جانتی ہوں، مگر خریداروں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا منظور ہے۔ یہ ہی معاملہ یہاں ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم۔

آیت ۴۸۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (پارہ ۱۶، سورہ کہف رکوع ۱۲) تم فرماؤ کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت سے ظاہر بین لوگ اس پر دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے انسان ہیں کھانے پینے، موت و زیست میں ہم جیسے ہیں، مگر نظر ایمانی سے دیکھا جاوے تو یہ آیت حضور علیہ السلام کی نعت کا گلدستہ ہے، اس جگہ چار طرح بحث کرنا ہے، اولاً یہ کہ اس آیت

سے مقصد کیا ہے۔ دوم یہ کہ آپ کو بشر وغیرہ خطاب عامہ سے پکارنا شرعاً جائز ہے یا حرام، تیسرے یہ کہ آیا شرعاً یا عقلاً حضور واقعی ہم جیسے بشر ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو آیت میں مِثلکم سے کیا مراد ہے؟ چوتھے یہ کہ یُوحیٰ اِلیّ نے کیا فائدہ دیا۔

(۱) تمام مومن اور کافر جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام گروہ انسانی میں جلوہ گر ہوئے، کفار تو کہا ہی کرتے تھے۔ مَا اَنتُم اِلَّا بَشَرٌ مِثلُنَا نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر، اور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نبی ہیں اور نبی وہ انسان ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے احکام شرعیہ کی تبلیغ فرمانے کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ غرض کہ تمام دنیا اس مسئلہ کو جانتی اور مانتی ہے۔ پھر اس قدر کھلی ہوئی، جانی ہوئی، مانی ہوئی بات کو جو قرآن کریم نے اس قدر اہتمام سے بیان فرمایا، اس سے کیا مقصد ہے؟۔

وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف دو معجزے دیکھے! بغیر باپ کے پیدا ہونا اور مردوں کو زندہ فرمانا، بیماروں کو شفا بخشنا ان دو معجزوں کو دیکھ کر ان کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہدیا۔ یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام میں صرف ایک معجزہ یعنی سو برس کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہدیا، مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں مان لیا۔ کسی نے جنات اور رب العالمین میں رشتہ جوڑ دیا۔ غرضکہ ان بے وقوفوں نے معجزات یا قوت و طاقت دیکھ کر ان حضرات کی شان میں افراط کی بعض بے دین لوگوں نے انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی شان میں تفریط کی اور کمی کی۔ اسلام کا یہ منشا ہے کہ مسلمان اس افراط و تفریط سے محفوظ رہیں، ان قوموں نے تو چند معجزات دیکھ کر انبیاء کو خدا کا بیٹا وغیرہ کہدیا۔ مگر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر معجزات دیکھے، دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اشارے سے ڈوبا ہوا سورج لوٹ آیا حکم سے بادل آکر برسا اور اشارہ پاکر پھٹ گیا۔ ارشاد سرکار سے دو درخت جو دور دور تھے آپس میں جڑ گئے۔ کنکروں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ فراق میں لکڑیاں روئیں تھوڑے سے کھانے سے لشکر کا پیٹ بھرا۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے، اشارے پر مردے زندہ ہوئے، غرضکہ بے شمار

معجزات کا ظہور ہوا تو خدشہ تھا کہ کوئی حضور علیہ السلام کو بھی خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہنے لگیں اس لئے حضور علیہ السلام نے اپنی ہر ایک ادا سے اپنی بندگی کو ظاہر فرمایا، اور کلمہ میں پڑھوایا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قرآن نے یہ اعلان فرمایا اَنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

(۲) ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام اللہ کے بندے ہیں، اور اس کے محبوب ان کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی۔ مگر ان کو بشر یا بھائی یا باوا یا انسان کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ اور اگر یہ نیت توہین کہا تو کہنے والا کافر ہے (عالمگیری وغیرہ)۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ جن خطابات سے ایک دوسرے کو معمولی طریقہ سے پکارتے ہو حضور کو نہ پکارو ورنہ تمہارے اعمال حبط ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی اور اعمال کا حبط ہونا کفر سے ہوتا ہے۔ اسی لئے اس آیت کو کلمہ قل سے شروع فرمایا یعنی اے محبوب علیہ السلام آپ بطریق انکسار و تواضع فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں نہ تو ہم آپ کو بشر کے خطاب سے پکاریں گے اور نہ کسی فرد بشر کو اجازت ہے کہ آپ کو اس خطاب سے پکارے، اسی لئے قرآن نے کسی جگہ حضور علیہ السلام کو بشر یا آدمی یا مومنوں کا بھائی وغیرہ کہہ کر نہ پکارا، بلکہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ اے چادر کے اوڑھنے والے، اے کپڑوں کے پہننے والے، اے بڑے درجہ والے، اے ہمارا پیغام لوگوں کو سنانے والے وغیرہ خطابوں سے پکارا۔ جب رب تعالیٰ ان کو بشر وغیرہ کے خطاب سے نہ پکارے، تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ اس طرح ان کو یاد کریں۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ کسی دنیوی عظمت والے کو معمولی خطاب سے پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی عظمت کا انکار کرے، کسی خان بہادر یا نواب یا کلکٹر صاحب کو او آدمی او بھائی، او انسان، کہہ کر پکارنے والا مجرم ہے، مستحق سزا ہے، تو جو حضرات انبیاء بارگاہ الٰہی سے خطاب یافتہ ہوں ان کو عام القاب سے پکارنے والا بے دین ہے۔ اگر اپنی ماں کو کہے او باپ کی بیوی۔ اے میری بہن یا باپ سے کہے او بھائی، او انسان، او مرد، تو گستاخ کہا جاتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام

کو ان القاب سے پکارنے والا کیوں کر گستاخ نہ ہوگا اور کیوں بے ادب نہ کہا جاوے گا۔

اسی لئے بعض محققین علماء کے نزدیک قرآن میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں چند وجہ سے۔ایک یہ کہ حضور کو عام خطابوں سے نہ پکارا جائے اور یہ عام خطاب ہے دوسرے یہ کہ دیگر مومن حضور سے ایمان لینے والے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان دینے والے اور اٰمَنُوْا میں ایمان لینے والے مراد ہیں، تیسرے اس لئے کہ اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں آکر مومن بنے اور حضور مومن بن کر دنیا میں تشریف لائے، بلکہ نبی بن کر آئے، چوتھے اس لئے کہ دیگر مومنوں پر احکام آیتیں نازل ہونے کے بعد احکام فرض ہوئے۔اور حضور نزول قرآن سے پہلے عابد زاہد نمازی اور احکام پر عامل تھے یہ آیات حضور کے عمل کے لئے نہیں اتریں بلکہ تبلیغ احکام کے لئے آئیں۔ حضور نے معراج میں نماز پڑھائی اور ظہور نبوت سے پہلے غار حرا میں نمازیں پڑھیں۔ حالانکہ اس وقت احکام نہ آئے تھے۔ پانچویں اس لئے کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بعد ایسے احکام بھی آتے ہیں جو حضور پر جاری نہیں ہوسکتے، جیسے اے ایمان والو! اپنی آوازیں حضور کی آواز پر اونچی نہ کرو، یا اے ایمان والو! اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔اور جو اعمال حضور نے کئے وہ ہمارے تعلیم کے لئے ہیں مسافر جہاز میں پار لگنے کو سوار ہوتے ہیں مگر کپتان پار لگانے کو، اسی لئے مسافر کرایہ دے کر بیٹھتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔

(۳) حضور علیہ السلام نہ شرعاً ہماری مثل ہیں اور نہ عقلاً، شرعاً تو اس لئے نہیں کہ ایمان اور اعمال اور احکام اور معاملات کسی میں بھی ہم کو ان سے مماثلت اور مشابہت نہیں۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے۔ اَشْهَدُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ یعنی میں اللہ کا رسول ہوں۔اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں، یہ تو کلمہ میں فرق ہوا۔

نمازیں ہم پر پانچ اور حضور پر چھ فرض ہیں، تہجد بھی حضور پر فرض (قرآن) ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ، حضور علیہ السلام کے لئے صرف چار (زکوۃ فرض نہیں) شامی کتاب الزکوۃ۔ ہم کو چار نکاح حلال آپ کو جس قدر چاہیں۔ ہماری بیوی موت کے بعد جس سے چاہے نکاح

کرے حضور کی بیویاں کسی سے نکاح نہ کر سکیں (قرآن کریم) ہماری میراث تقسیم ہو، حضور کی میراث تقسیم نہیں ہوتی (حدیث) ہم تو قانون کے پابند مگر قانون الٰہی جنبش لب مصطفٰے کا منتظر جو جس کو چاہیں حلال فرمادیں اور جس کو چاہیں حرام اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

ایک حضرت ابو خزیمہ کی گواہی دو گواہی کے برابر فرمادی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاتون جنت کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح سے روک دیا۔ ایک صاحب کا کفارہ ان ہی کو کھلا دیا وغیرہ وغیرہ۔

خود فرماتے ہیں۔ صوم وصال کے موقعہ پر اَیُّکُم مِثلِی یُطعِمُنی رَبِّی وَیَسقِینِی تم میں مجھ جیسا کون ہے، مجھے تو رب کھلاتا پلاتا ہے۔ بیٹھ کر نفل پڑھنے کے لئے فرماتے ہیں۔ لکنی لستُ کَاَحد مِنکُم لیکن ہم تم جیسے نہیں۔ غرضکہ ان تمام امور سے معلوم ہوا کہ شرعاً حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں۔ اسی طرح عقلاً بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم جیسے نہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھا ہوا۔ خدا کو دیکھا جنت و دوزخ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ آپ کو معراج ہوئی۔ ہم کو معراج نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

این خورد گردد پلیدی ازیں جدا آں خورد گردد ہمہ نور خدا

ہم جو کھاتے ہیں اس سے پیشاب پاخانہ وغیرہ نجس چیزیں بنتی ہیں حضور علیہ السلام جو کھاتے ہیں اس سے نور الٰہی ہوتا ہے، جیسے شہد کی مکھی جو کھاتی ہے اس سے شہد بنتا ہے، اور جو زنبور کھاتی ہے اس سے زہر بنتا ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہم نہیں، حضور ایمان ہیں، ہم مومن، حضور علیہ السلام کے جسم پاک کا سایہ نہیں، ہمارا سایہ ہے، حضور علیہ السلام پر ابر سایہ کرتا تھا دھوپ سے، ہم کو یہ بات حاصل نہیں غرضکہ کہ عقلی طور پر بھی ہم حضور کی مثل نہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ عبدالحی میں ایک حدیث نقل کی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہم اپنے والدہ ماجدہ کے شکم پاک میں تھے۔ تب قلم الٰہی چلنے کی آواز سنا کرتے تھے کہیئے کون ایسا ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام عارف باللہ پیدا ہوئے۔ ہم لوگ پیدا ہو کر علم سیکھ کر بھی اس درجہ پر نہیں پہنچتے۔ پھر مماثلت اور مشابہت کیسی؟ اب

آیت کریمہ کا مطلب کیا؟ مطلب یہ کہ اے محبوب فرمادو کہ ظاہری بشرہ میں صرف ظاہری طور پر ہم تم ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں، ورنہ اس میں بھی بڑا فرق ہے، اسی طرح بعض انسانی ظاہری حالات میں ہم تم جیسے بشر ہیں مثلاً ظاہری طور پر کھانا پینا، بیٹھنا ظاہری طور پر امراض وغیرہ کا آنا، ورنہ حقیقتاً ان حالات میں بھی حضور علیہ السلام کا حال شریف ہم سے بالکل علیحدہ ہے۔ مِثلُکم سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تم خالص بندے ہو نہ تم اللہ ہو نہ الوہیت کی صفات سے موصوف، اسی طرح ہم بھی محض عبداللہ ہیں۔ الوہیت ہم میں نہیں۔ نہ ہم اللہ ہیں، نہ اللہ کے بیٹے، بلکہ اللہ کے بندے اور بندوں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم مثل صرف اس امر میں ہیں نہ کہ ہر چیز میں۔

(۴) یُوحیٰ اِلَیَّ سے اس شبہ کو رد کردیا جو مِثلُکم سے پیدا ہوتا تھا شاید کوئی کہدیتا کہ حضور علیہ السلام ہر وصف میں ہم جیسے ہیں، فرمایا گیا، نہیں ہم صاحب وحی ہیں۔ اور تم ہمارے امتی وحی والا امتی کس طرح ہوسکتا ہے؟ یوحیٰ کی صفت نے نبی اور امتی میں ایسا فرق کردیا جیسا ناطق کی قید نے انسان اور غیر انسان میں۔ زید حیوان ہے دوسرے جانوروں کی طرح مگر ناطق ہے ناطق سے زید کی حقیقت ہی کچھ اور ہوگئی اور دوسرے جانوروں کی حقیقت ہی اور۔

حضرت قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ جوہر اور انسان میں تو پانچ درجہ کا فرق ہے کہ انسان کے اوپر حیوان اس پر جسم نامی اس پر جسم مطلق اور پر جوہر مگر بشر اور حضور علیہ السلام میں ستائیس درجہ فرق ہے یعنی بشریت سے مصطفویت ۲۷ درجہ بلند و بالا ہے جس کے بعد صرف الوہیت ہی کا درجہ ہے، یہاں عبدیت کے سارے درجے ختم ہوچکے ہیں، یعنی بشر پر مومن، اس پر صالح، اس پر شہید، اس پر متقی، اس پر مجتہد، اس پر اوتار، اس پر ابدال، اس پر قطب، اس پر قطب الاقطاب، اس پر غوث، اس پر غوث اعظم، وغیرہ پھر اس پر تابعی، پھر اس پر صحابی، پھر اس پر انصاری، پھر ان پر مہاجر، پھر ان پر صدیق، پھر ان پر نبی، پھر ان پر رسول، پھر ان پر اولوالعزم، پھر ان پر خلیل پھر ان پر خاتم النبیین، پھر اس وصف پر رحمۃ اللعالمین، پھر ان پر حبیب پھر اس پر درجہ مصطفٰے علیہ الصلوۃ و

السلام۔ یہ اجمالی ذکر ہے۔ تو جب ہم عام بشر عالم انوار اور ملائکہ کی مثل نہیں حالانکہ وہ بھی جوہر ہیں اور ہم بھی جوہر۔ مگر پانچ درجہ فرق نے فرق عظیم پیدا فرمادیا تو عام بشر اور مصطفےٰ علیہ السلام برابر کس طرح ہوں گے حالانکہ یہاں ۷۲ درجہ کا فرق ہے۔

لطیفہ:۔ کسی نعت خواں نے ڈاکٹر اقبال کے سامنے یہ نعت پڑھی جس کا نام ہے محمد اس سے دو جگ ہے اجیالا ڈاکٹر صاحب نے سنایا دو شعر میرے بھی لکھ لو، فرماتے ہیں۔

جن کا نام ہے محمدؐ ان کا ہر مومن متوالا

قدرت کی تحریر بن جائے امی اور تقریر بن جائے
بخشش کی تدبیر بن جائے پھر ہے بھولا بھالا

جن کا نام ہے محمدؐ ان کا ہر مومن متوالا

آن کی آن میں عرش پہ جاوے آنکھ کھلے تو فرش پہ آوے
مکہ کا سورج کہلاوے دنیا کا اُجیالا

جن کا نام ہے محمدؐ ان کا ہر مومن متوالا

تفسیر روح البیان میں پارہ ۱۶ شروع سورہ مریم کٓھٰیٰعٓصٓ کے ماتحت فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ ایک بشری جس کا ذکر ہے اس آیت میں۔ دوسرے حقی جس کے متعلق حضورؐ فرماتے ہیں مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا، تیسرے ملکی کہ فرماتے ہیں لِی مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ یعنی بعض اوقات ہم کو رب تعالیٰ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ اس جگہ نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی مرسل نبی کی۔ بہرحال یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی بہت سے نعتوں پر مشتمل ہے اگر نگاہ تحقیق سے دیکھا جاوے۔

حضرت شیخ عبدالحق مدارج النبوت باب سوم میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات جس میں حضور علیہ السلام کی برابری اور مساوات معلوم ہوتی ہو وہ مثل متشابہات کے ہیں، جیسے پروردگار عالم نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی کَمِشْکٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ تو اب کوئی نہیں کہہ

سکتا کہ نور الٰہی چراغ جیسا نور ہے۔ اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مصطفےٰ علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں، مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت　　نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

یعنی حضور علیہ السلام نور ہیں اور نور محض کو دیکھنے کی انسان میں طاقت نہیں، جیسے سورج کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی، مگر جب آفتاب پر ہلکا سا بادل آجاوے تب اس بادل کے حجاب سے لوگ کچھ اس کو دیکھ لیتے ہیں، اسی طرح نور کو دکھانے کے لئے بشری حجاب و لباس پہنایا گیا۔ پھر آپ جیسے ہیں ویسا کسی نے نہ دیکھا بجز رب تعالیٰ کے۔

صوفیا کی اصطلاح میں بشر حضور کی نعت ہے۔ کیونکہ بشر کے معنی ہیں خاص رب کے دست قدرت کا بنایا ہوا، مباشرت بالید سے یہ لفظ بنا سارا عالم فرشتوں کے ذریعہ بنا، مگر آدم علیہ السلام کو رب نے خود اپنے دست قدرت سے بنایا۔ لہٰذا البشریت انسان کی بڑی اعلیٰ صنعت ہے۔ رب نے شیطان سے خطاب فرمایا مَالَکَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ اسی لئے قلب مومن کو اپنا تجلی گاہ بنایا۔

کعبہ تعمیر خلیل اطہر است　　دل گذر گاہ جلیل اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

لیکن چونکہ ہم نے اپنی بشریت کو گناہوں سے گندہ کر لیا اس لئے یہ لفظ گویا بدنام سا ہو گیا اور انبیاء کرام کو اس لفظ سے یاد کرنے سے ہمیں روک دیا گیا۔

طوطی کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے قد آدم شیشہ رکھ کر آئینہ کے پیچھے سے خود بولتے ہیں۔ طوطی اس آواز کو اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ کر خود بھی بولنے لگتی ہے۔ حضور علیہ السلام آئینہ پروردگار ہیں اگر یہ آئینہ درمیان میں نہ ہوتا تو بندے رب سے فیض نہ لے سکتے۔ اس آئینہ کے دو رخ ہیں ایک بندوں کی طرف دوسرا خالق کی طرف۔ اس رخ کی یہ صدا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ تم مجھ سے نہ بدکو میں تمہارا ہم جنس ہوں۔ دوسرے رخ کی یہ صدا ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی مولانا فرماتے ہیں۔

گفت من آئینہ ام مصقول دوست
ترک وھندی در من آں بیند کہ اوست

اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

آپ پردے میں رہے آئینہ حسن خاص کا
بھیجکر انجانوں سے راہ داری واہ وا

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

آیت ۴۹۔ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا (پارہ ۱۶، سورہ مریم رکوع ۶) تو ہم نے تمہاری زبان میں یہ قرآن ہی آسان فرمایا کہ تم اس سے ڈرنے والوں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو آپ کی زبان پر یا آپ کی زبان میں آسان فرمایا۔ تاکہ اس سے آپ بشارت اور ڈر لوگوں کو سنائیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم بہت مشکل اور دشوار ہے، کہاں رب کا کلام اور کہاں انسان ضعیف البیان مگر اس قرآن کو زبان مصطفےٰ علیہ السلام پر آسان فرمایا جو پہاڑ سے بھی زیادہ ہمت والی ہے کہ اس کو برداشت فرمایا۔

روح البیان نے اس آیت میں فرمایا کہ قرآن کریم صفت الٰہی قدیم اور غیر متناہی ہے۔ اس کو ہمارے الفاظ گھیر نہیں سکتے، کیونکہ یہ الفاظ حادث اور متناہی ہیں لیکن قلب پاک اور زبان مبارک مصطفےٰ علیہ السلام کو قدرت الٰہی نے یہ قوت عطا فرمائی کہ اس کو کماحقہ جان لیا۔

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن بالکل آسان اور مکمل کتاب ہے اب اس کے ہوتے ہوئے حدیث کی کیا ضرورت ہے محض دھوکے میں ہیں، بے شک قرآن آسان ہے مگر ہر زبان کے لئے نہیں بلکہ زبان محبوب علیہ السلام کے لئے یا ان کے لئے جو اس بارگاہ سے فیض حاصل کریں اور بے شک قرآن مکمل کتاب ہے۔ مگر اس مکمل میں سے کچھ حاصل کرنے کے لئے اور موتی نکالنے کے لئے کسی مکمل ہی ذات کی

ضرورت ہے۔ دریا سے موتی نکالنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ دوسرے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا وہی مطلب اور وہی پڑھنا درست سمجھا جاوے گا جو حضور علیہ السلام سے منقول ہو جو کوئی کسی آیت کی ایسی تفسیر کرے جو تفسیر مصطفےٰ علیہ السلام کے خلاف ہے یا ایسی قرات اختیار کرے جو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں وہ باطل و مردود ہے مثلاً خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ کے معنیٰ حضور علیہ السلام نے فرماتے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہم سب سے آخری نبی ہیں۔ اب جو شخص اس معنیٰ کو خیال عوام بتاتے اور اس کے معنیٰ کرے نبی بالذات یا اصلی نبی، اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نئے نبی کا آنا جائز یا کہ ممکن مانے وہ مرتد ہے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ اسی طرح قرآنی حروف کا ادا کرنا ان کے مخارج طریقہ تلاوت وہی ہونا لازم ہے جو صاحب قرآن سے ثابت ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اے پیارے محبوب ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان کی برکت سے آسان کردیا یعنی بِلِسَانِکَ میں ب سبب کے لئے ہے۔ یعنی اگر یہ قرآن آپ کی زبان مبارک سے ادا نہ ہوتا، تو کسی کی کیا مجال تھی کہ اس تک پہنچ جاتا، کیونکہ یہ قرآن اسی لوح محفوظ میں تھا، جہاں کسی انسان کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کی پاک زبان نے اس چھپے خزانہ اور در مکنون کو خلق تک پہنچایا اگر آپ کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا، تو مخلوق کا تعلق خالق سے قائم ہی نہ ہوتا، بلکہ حضور کی زبان نے قرآن کو قرآن بنا دیا۔ لاؤڈ سپیکر کے دو رخ ہوتے ہیں ایک بولنے والے کی طرف یعنی مائیکروفون اور دوسرا رخ سامعین کی طرف یعنی یونٹ۔ اس طرح وہ بولنے والے کا کام سامعین تک پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ کا رخ مخلوق کی طرف ہے۔ اس طرح رب کا کلام ہم تک پہنچاتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآنی الفاظ کا نزول کان شریف پر ہوا اس کے مضامین کا نزول دماغ شریف پر اور اسرار کا نزول قلب مبارک پر، جسے جو ملا حضور سے ملا۔

آیت ۵۰۔ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی (پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، رکوع ۱) اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے اور اس میں پروردگار عالم کے اپنے محبوب علیہ السلام پر انتہائی کرم کا اظہار ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین کے دو قول ہیں، اولاً تو یہ کہ حضور علیہ السلام عبادت الٰہی میں بہت ہی مشقت برداشت فرماتے تھے، یہاں تک کہ رات کے قیام کی وجہ سے مبارک پاؤں پر ورم آجاتا، اور ان سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ رب تبارک و تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کا اس قدر مشقت فرمانا منظور نہ ہوا اور فرمایا گیا۔ اے محبوب یہ قرآن آپ پر اس لئے نہ اتارا گیا کہ آپ مشقت میں پڑ جاویں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی دلی خواہش مبارک یہ تھی کہ کوئی بھی اللہ کا بندہ اللہ کی راہ سے گمراہ نہ رہے۔ تو کفار کے کفر پر اڑنے سے آپ کے دل مبارک کو صدمہ پہنچتا تھا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ احکام ہے، وہ آپ نے پوری فرمادی، اگر یہ بدنصیب اس سے فائدہ نہ اٹھائیں، تو محبوب تم کیوں رنج کی مشقت میں پڑتے ہو۔

اس آیت میں دو طرح سے نعت شریف ظاہر ہو رہی ہے۔ ایک تو کلمہ طٰہٰ سے اور ایک باقی آیت سے طٰہٰ بعض کے نزدیک متشابہات میں سے ہے (روح البیان) اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ لقب پاک مصطفےٰ علیہ السلام ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سورۃ کا نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قرآن کا نام ہے (روح البیان و مدارج) بعض نے کہا کہ یہ رب تعالیٰ کا نام ہے مگر ترجیح اس کو ہے کہ یا تو متشابہات میں سے ہے یا حضور علیہ السلام کا لقب ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ترا عز لولاک و تمکیں بس است ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

اس سے مراد کیا ہے؟ اور اگر حضور علیہ السلام کا لقب ہے، تو اس میں کون کون سے اوصاف کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں بہت سے قول ہیں۔ ایک یہ کہ ط سے مراد ہے طالب شفاعت، اور ہ سے مراد ہے ہادی بشر، یعنی اے شفیع اور ہادی گمراہاں۔ دوسرے اے طاہر

اور ہادی یعنی گناہوں سے پاک اور رب کی طرف سے لوگوں کے ہادی، یا کہ اے طوبیٰ اور ہاویہ کے مختار، طوبیٰ، جنت ہاویہ جہنم، یا اے طیبہ اور مکہ مکرمہ کو اپنے قدم سے شرف بخشنے والے یعنی امام الحرمین، یا اے وہ ذات جس پر بساط نبوت لپیٹا گیا یعنی خاتم النبیین۔ یا اے چودھویں رات کے چاند۔ اس لئے کہ ط کے عدد ۹ ہیں۔ اور ہ کے ۵، ۹ اور ۵=۱۴، یعنی اے مکمل چاند سی شکل والے، اور یہ تشبیہ بھی فقط سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ چاند کو نعلین پاک سے بھی کیا نسبت، چاند گھٹنے بڑھنے والا حضور ہمیشہ ترقی میں، چاند کو گرہن لگتا ہے۔ چاند اپنی روشنی میں سورج کا محتاج، چاند رات میں نورانی، مگر دن میں آفتاب کے سامنے بے نور، یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہدوں انکے چہرے کو
میں ان کی کفش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

آگے کی آیت سے اس کرم خداوندی کا پتہ لگتا ہے، جو محبوب علیہ السلام پر ہے دنیا میں ہر شخص کو عبادت کرنے کی تاکید ہے، نہ کرنے پر دھمکی، لیکن حضور علیہ السلام ہی کی وہ ذات گرامی ہے کہ حکم ہو رہا ہے کہ تم کو اتنی عبادت اور اتنی مشقت نہیں چاہیے۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ ایک استاد تمام طلبا سے محنت کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر ایک شاگرد کو بار بار فرماتا ہے کہ محنت نہ کرو اس سے جہاں استاد کی مہربانی کا پتہ چلتا ہے اس شاگرد پر وہاں شاگرد کی محنت اور سعادت مندی بھی معلوم ہوتی ہے کہ استاد کا اتنا مطیع اور فرماں بردار ہے کہ استاد بجائے فرماں برداری کا حکم دینے کے اور محنت کم کرنے کو فرماتا ہے حضور علیہ السلام رب کی اطاعت میں اس قدر مشغول کہ رب تعالیٰ محنت کم کرنے کا حکم فرماتا ہے صلی اللہ علیہ وعلیٰ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۱۵۔ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ (پارہ ۱۷، سورہ انبیاء، رکوع ۷) اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

اس آیت کریمہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت کے وہ پھول کھلائے جس سے

دماغ ایمان معطر ہو گیا، حضور علیہ السلام کو رب نے بیشمار صفات عطا فرماتے ہیں۔ ان میں سے ایک صفت ہے رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ ہے اس خاص صفت کا اس آیت میں ذکر ہے۔ لیکن یہ آیت کے طریقہ بیان اور طرز ادا کو غور کرو کہ کس طرح حضور علیہ السلام کی رحمت کی وسعت کو ظاہر کیا۔ یہاں چار طرح بحث ہے اولاً یہ کہ کون رحمت ہے کس پر رحمت ہے کب سے رحمت ہے اور کب تک رحمت ہے۔

(۱) کون رحمت ہے؟ اس کو بیان فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی صفت ہے۔ کسی کو یہ درجہ عنایت نہ ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا وَرَحْمَۃً مِّنَّا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری طرف سے رحمت ہیں، مگر کب تک اور کس کے لئے رحمت ہیں اس کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ اور انبیائے کرام کے لئے فرمایا گیا وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً یعنی ہم اس وقت تک کسی ملک و قوم پر عذاب نہیں بھیجتے جب تک اس کی طرف کسی خبر دینے والے رسول علیہ السلام کو نہ بھیج دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء کرام مومنین کے لئے رحمت ہوتے تھے اور ان کی نافرمانی غضب الٰہی کا باعث ہوتی تھے۔ دیکھ لو قوم فرعون، قوم حضرت لوط وغیرہ کا کیا حشر ہوا اور قوم حضرت نوح کس طرح غرق ہوئی۔ مگر محبوب علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَاَنْتَ فِیْہِمْ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیگا، حالانکہ آپ ان میں ہیں، غرضکہ اس قدر وسیع رحمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔

(۲) کس قدر رحمت، اس کو لِلْعٰلَمِیْنَ نے بیان فرمایا، رب کی صفت ہے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ اور حضور علیہ الصلوٰۃ کی صفت ہے رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ یعنی جس کا خدا پاک رب ہے اس کیلئے حضور علیہ السلام رحمت ہیں بلکہ یوں کہو کہ ربوبیت الٰہی کا جس کسی کو فیض پہنچا وہ رحمت مصطفٰے کے صدقے سے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

عالم کہتے ہیں اللہ کے ماسویٰ کو۔ اب اس میں بہت سے قسمیں ہیں عالم امکان، عالم امر، عالم انوار، عالم اجسام، عالم ملائکہ وغیرہ پھر عالم اجسام میں عالم انسان، عالم حیوانات، عالم نباتات،

عالم جمادات۔ اس العالمین کے کلمے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر عالم کے لئے رحمت ہیں، ملائکہ کے لئے بھی جنات کیلئے بھی انسانوں کے لئے بھی اور جانوروں کے لئے بھی، کافروں کے لئے بھی، مسلمانوں کے لئے بھی۔

روح البیان نے اسی آیت کے ماتحت ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل ہم تو رَحمَۃً لِلعَالَمِینَ ہیں۔ اور تم بھی عالم میں ہو بتاؤ تم کو ہم سے کیا رحمت ملی؟ عرض کیا یا حبیب اللہ! اب تک مجھے اپنے انجام کار کی خبر نہ تھی۔ خراب ہو یا اچھا (آخر ہاروت ماروت اور ابلیس کا انجام جبریل دیکھ ہی چکے تھے) لیکن آپ کی وجہ سے مجھ کو امن مل گیا، اور مجھے اطمینان ہوگیا۔ کیونکہ رب نے میرے بارے میں قرآن میں فرمادیا ذِی قُوَّۃٍ عِندَ ذِی العَرشِ مَکِینٍ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِینٍ پھر انبیاء، مرسلین، ملائکہ مقربین کو بھی حضور سے رحمت ملی۔ کفار کو بھی ہر طرح سے رحمت ملی۔ حضور علیہ السلام سے پہلے دنیا میں عذاب الٰہی آتے تھے اب وہ بند ہوئے۔ دنیا میں گناہوں پر رسوائی ہوتی تھی موقوف ہوئی، قیامت میں بھی مقام محشر سے نجات دلانا اور حساب شروع کرانا حضور ہی کے دم سے ہو گا۔ ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب میں کمی ہوتی۔ حضور کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے ابو طالب پر عذاب میں کمی ہوتی حضور علیہ السلام کی برکت سے، شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سات طرح ہوگی۔ تین سے کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے اور چار قسم کی شفاعت صرف مسلمانوں کے لئے ہے بعض گنہگاروں کے لئے اور بعض نیک کاروں کے لئے۔

(۳) کب سے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ اس کو بھی اَلعَالَمِینَ نے بیان کردیا۔ یعنی جب سے عالم ہے تب سے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ جب سے رب کی ربوبیت کا ظہور ہے حضور علیہ السلام کی رحمت کی جلوہ گری ہوتی۔ اولاً تو عالم کا ظہور میں آنا حضور علیہ السلام کے طفیل، پھر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اعزاز و اکرام ملنا حضور علیہ السلام کے طفیل، پھر ان کی خطا کا معاف ہونا حضور علیہ السلام کی برکت سے پھر حضرت نوح کی کشتی کنارے پر

لگنا حضور علیہ السلام کی برکت سے۔ دیکھو ہماری بحث فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار کا گل زار ہونا اور حضرت اسمٰعیل کا فدیہ دُنبہ آنا حضور علیہ السلام کے طفیل۔

اگر نام محمد را نیاورد ے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

(۴) حضور علیہ السلام کب تک رحمت ہیں؟ اس کو بھی اَلْعٰلَمِیْن نے ہی بیان فرمادیا کہ جب تک عالم ہے، تب تک رحمت مصطفٰے ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی اس جہان میں حضور کی رحمت قیامت میں، میزان پر، حوض کوثر پر، جنت میں اور گنہگار مسلمانوں پر جہنم میں غرضکہ ہر جگہ ان ہی کی رحمت ہے اس کی تحقیق ہم حدیث شفاعت میں کر چکے ہیں۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہماری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور ہماری وفات بھی، صحابہ کرام نے عرض کیا یا حبیب اللہ زندگی پاک تو ظاہر ہے کہ بہتر ہے، وفات شریف کس طرح بہتر ہے؟ فرمایا کہ ہماری قبر انور میں ہر جمعہ اور دو شنبہ کو تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے نیک اعمال کو دیکھ کر تو ہم رب کا شکر کریں گے اور برے اعمال دیکھ کر تمہارے لئے دعاء مغفرت کریں گے۔

لطیفہ:- اس آیت میں تو فرمایا گیا کہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور دوسری جگہ ارشاد ہوا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی مسلمانوں پر رؤف و رحیم ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیسی ہو؟ وجہ یہ ہے کہ رحمت عامہ یعنی رزق کا حضور کے طفیل سے ملنا یا زمین و ہوا اور دھوپ کا ملنا دنیاوی عیش و آرام حاصل ہونا، قیامت میں میدان محشر سے نجات ملنا وغیرہ یہ تو عام مخلوق کو حاصل ہے لیکن رحمت خاصہ دنیا میں اور آخرت میں مثلاً ایمان کا ملنا، گناہ کا معاف ہونا درجات کی ترقی، بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کا حاصل ہونا، معراج میں بھی بوقت خاص مسلمانوں کا تذکرہ ہونا، راتوں کو جاگ جاگ کر مغفرت کی دعائیں فرمانا، قیامت میں درجات کی بلندی کرانا، یہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ جیسے بلا تشبیہ رب تعالیٰ کی صفت ہے رحمان یعنی دنیا میں سب پر رحم

فرمانے والا۔ اور دوسری صفت ہے رحیم، یعنی آخرت میں اہل ایمان پر رحم فرمانے والا، رب کی صفت رحیم کا ظہور صرف مسلمانوں کے لئے ہے اور رحمت سب کے لئے۔

تنبیہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام سب کے لئے دنیا میں رحمت ہیں تو کفار سے جہاد کیوں فرمایا؟ ان کو قتل کیوں کرایا؟ جواب یہ ہے کہ رحمت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ سب کو دودھ ہی پلایا جاتے۔ سانپ کو مار ڈالنا اور جسم کے خراب اور گلے ہوتے عضو کو کاٹ ڈالنا، فصد کھول کو خون فاسد نکال دینا بھی عین رحمت ہے۔ اسی طرح حکومت کا چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دینا، ملک کو ان سے محفوظ رکھنا عین حکمت اور رحمت ہے۔ اسی طرح کفار کے غلبہ کو توڑ دینا اور کلمہ الٰہی کا بلند کرنا بندگان خدا پر رحمت ہے۔ بلا تشبیہ پروردگار عالم رحمٰن ورحیم ہے، مگر پھر کسی کو غریب رکھتا ہے کسی کو مالدار کسی کو عالم، کسی کو بے علم، تو یہ تمام انتظام حکمت ومصلحت سے ہیں خلاف رحمت نہیں۔

آیت ۵۳۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ (پارہ ۱۸، سورہ نور، رکوع ۵) اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے اولاً ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے نور خدائے پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنے ہیں روشن فرمانے والا، تو معنے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن فرمانے والا ہے۔ اب روشن فرمانے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، کیونکہ عدم تاریکی ہے اور وجود نور یعنی ان سب کا خالق ہے یا یہ کہ ان سب کو تاروں اور چاند اور سورج سے روشن فرمانے والا ہے، یا یہ کہ ان سب میں نور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی پھیلانے والا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو نور فرمایا گیا (روح البیان یہ ہی آیت) جس طرح کہ آسمان میں اس نے چاند ستارے اور سورج وغیرہ پیدا فرماتے۔ اسی طرح زمین میں انبیاء ومرسلین ملکر

علماء و مشائخ کا نور پھیلایا، تو آسمان کو اور چیزوں سے منور کرنے والا اور زمین کو اور چیزوں سے اس معنی پر یہ جزو آیت بھی نعت رسول علیہ السلام ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ میں جو کلمہ نور آیا اس میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ نُوْرِہٖ اللہ کا نور اس سے مراد اہل ایمان کا ایمان ہے اور مشکوٰۃ سے مراد مومنین کا سینہ اور مصباح سے مراد اہل ایمان کا دل وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ نُوْرِہٖ سے مراد حضور علیہ السلام ہیں (روح البیان میں اور مدارج النبوۃ باب سوم) اب یہ ساری آیت حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے، ایمان محبوب نور، اور مشکوٰۃ یعنی طاق وہ سینہ بے کینہ محبوب علیہ السلام اور مصباح یعنی چراغ قلب پاک محبوب علیہ السلام ہے۔ روح البیان میں فرمایا کہ نور تو حضور علیہ السلام اور مشکوٰۃ یعنی طاق حضرت آدم علیہ السلام اور زجاجہ یعنی فانوس حضرت نوح اور زیتون یعنی روغن ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ نہ وہ شرقی ہیں نہ غربی یعنی نہ وہ یہودی ہیں اور نہ نصرانی اور بھی اس آیت کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں۔ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اگر نور الٰہی حاصل کرنا ہے تو قلب پاک مصطفےٰ علیہ السلام میں ڈھونڈو اور قلب مصطفےٰ علیہ السلام کا نور نہ ملے گا۔ مگر بواسطہ علمائے امت اور اولیائے ملت کے، تو نور الٰہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس نور کا چراغ اور طاق سینہ اور اولیاء و علماء ہیں جو ان وسیلوں سے محروم ہے وہ نور الٰہی سے محروم۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی نور مصطفےٰ علیہ السلام کو بجھا نہیں سکتا کہ اس نور کی چند طرح حفاظت فرمائی گئی ہے۔ وہ تو فانوس میں اور فانوس طاق میں محفوظ ہے، جیسے دنیاوی چمنی نور شمع کو ہوا سے محفوظ رکھتی ہے۔ کارخانہ الٰہی کا زجاجہ بھی اس نور کی پوری حفاظت فرمائے گا اس کو دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ۔

آیت ۵۳۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پارہ ۱۸، سورہ نور رکوع ۸) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھیرالو، جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں صحابہ کرام کو بلکہ قیامت تک

کے مسلمانوں کو بارگاہ مصطفٰے علیہ السلام کا ادب سکھایا گیا ہے۔ اس سے چند طرح نعت پاک ثابت ہوتی ہے۔ اولاً تو یہ کہ پروردگار عالم نے خدام بارگاہ کو اپنے محبوب علیہ السلام کے سامنے بات چیت اور عرض معروض کرنے کا بھی ادب سکھایا۔ دوسرے اس طرح کہ فرمایا کہ ان کی شان تمہارے عام مسلمانوں کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح چاہو پکار لو، بلکہ یہ بارگاہ اور ہے اور یہاں کے اداب بھی اور۔

اس آیت کے دو معنے ہیں دُعَاءَ الرَّسُوْلِ یعنی رسول کو پکارنا یا رسول علیہ السلام کا پکارنا (روح البیان) پہلے توجیہہ پر تو یہ معنی ہوتے کہ رسول علیہ السلام کو اس طرح نہ پکارو۔ جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو اس سے ثابت ہوا کہ یا محمد یا احمد یا ابن عبداللہ، یا کہ اے بھائی، اے باپ وغیرہ خطابات سے پکارنا حرام ہے، بلکہ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا شفیع المذنبین وغیرہ القاب سے پکارو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو ہر جگہ سے ہر وقت پکارنا جائز ہے۔ مگر ضروری ہے کہ اچھے القاب سے پکارا جاوے۔ شاعر لوگ ضرورت شعری کی وجہ سے یا محمد لکھ دیتے ہیں مگر پڑھنے والے کو چاہیئے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیا کرے۔

دوسرے معنی یہ ہوئی کہ رسول علیہ السلام کا پکارنا ایسا نہ سمجھو جیسا ایک دوسرے کا پکارنا ہوتا ہے کہ چاہے تو اس کا پکارنا سنا اور چاہے تو نہ سنا بلکہ ان کے پکارنے پر فوراً حاضر ہو جاؤ اس کی تحقیق ہم اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ میں کر چکے ہیں۔

تیسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کو جو کہ وہ بارگاہ الٰہی میں کرتے ہیں۔ ایسا نہ سمجھو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے استعداد کرتے ہو کہ خواہ قبول ہو یا نہ ہو بلکہ ان کی دعا ہماری بارگاہ میں قبول ہوتی ہے ان کی جنبش لب کن کی کنجی ہے اسی لئے اگر انبیائے کرام کوئی دعا ایسی کرنا چاہیں جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے تو ان کو دعا سے روک دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ دعا کریں اور نامنظور ہو اور دعا سے روکنے میں ان کی انتہائی عظمت کا اظہار ہوتا ہے یہ مطلب ہوتا ہے کہ چونکہ آپ کی بات خالی جاوے یہ ہم کو منظور نہیں اور ہمارے ارادے کے خلاف ہو یہ ممکن نہیں لہٰذا آپ اس بارے میں دعا نہ کریں۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے بارے میں سفارش کرنا چاہی تو فرمادیا گیا یا اِبراھیم اَعرِض عَن ھٰذا اے ابراہیم! اس دعا سے اعراض فرمایئے۔ احادیث کے مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو جس وقت جو دعا دے دی وہی قبول ہوئی۔

اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں مگر بطور اختصار ایک دو عرض کرتا ہوں، مدارج باب المعجزات میں ایک فصل باندھی کہ حضور علیہ السلام کی دعا سے کتنے مردے زندہ ہوئے ان میں حضرت جابر کے لڑکوں کا بھی ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عمر احمد خرپوتی شارح قصیدہ بردہ نے۔

لَو نَاسبت قدرہ اٰیاتُہ عظما اَحی اَسمہ حین یُدعیٰ دارسَ الرِّمم

کی بحث میں بھی یہ واقعہ نقل کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی کھانے کی تیاری ان کی بیوی کر رہی تھیں کہ ان کے ایک لڑکے نے دوسرے کو ذبح کردیا۔ کیونکہ والد کو جانور ذبح کرتے دیکھا تھا، لڑکپن کا زمانہ تھا، اس ذبح کی نقل کی اور اپنے بھائی کو ذبح کردیا۔ پھر والدہ کے خوف سے اوپر چھت پر بھاگ گیا، مگر وہاں سے جو پاؤں پھسلا نیچے گر کر انتقال کر گیا۔ صابرہ ماں نے دعوت کی وجہ سے دونوں لاشوں کو چھپا دیا اور کھانا تیار کر لیا۔ حضور علیہ السلام کھانا ملاحظہ فرمانے کے لئے دسترخوان پر تشریف فرما ہوئے، حضرت جابر سے فرمایا، بچوں کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ تب اس پاک بی بی نے سارا ماجرا عرض کیا، ان بچوں کی لاشوں کو چھپا کر لائی، بچے زندہ ہوئے اور کھانے میں شریک ہوئے۔

ایک بار قحط سالی واقع ہو گئی۔ جمعہ کا خطبہ حضور علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں، کہ ایک صحابی نے عرض کیا۔ حضور بارش نہیں ہوتی، اسی حال میں دعا کے لئے محبوب کے ہاتھ اٹھ گئے اللہ جانے وہ ہاتھ تھے یا کہ ید اللہ کا مظہر اتم، ادھر ہاتھ اٹھے، ادھر۔ آن کی آن میں بادل بھی آگیا۔ اور بارش بھی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ خطبہ کی حالت میں مسجد کی چھت ٹپکی اور چہرہ انور پر بارش کا پانی بہنے لگا جب نماز سے فارغ ہوئے تو مدینہ پاک کی ہر گلی کوچہ میں پانی ہی

پانی تھا۔ لوگ گھر جانے کے لئے دشواری محسوس کرتے تھے۔ دوسرے جمعہ تک بارش مسلسل ہوتی رہی جب دوسرے جمعہ کے خطبہ کے لئے محبوب علیہ السلام نے منبر پر قیام فرمایا تو ان ہی صحابی نے یا کسی دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ راستے بند ہو گئے، مکانات گر رہے ہیں، بارش بہت زیادہ ہو چکی، تب عرض فرمایا اَللّٰھُمَّ حَوَالَینَا لَا عَلَینَا اے اللہ اب ہمارے آس پاس بارش ہو، ہم پر نہ ہو یہ فرما کر جو انگلی کا اشارہ بادل کی طرف کیا تو مکہ معظمہ میں اس اشارہ انگشت سے چاند چرا تھا، یہاں بادل پھاڑ دیا، جس طرف انگلی گھمائی ادھر ہی بادل پھٹ گیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّم

فقط اشارے میں سب کی نجات ہو کے رہی
تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
کہا جو شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہدیا شب ہے تو رات ہو کہ رہی

جس کو عمر کی دعا دی اس کی عمر میں برکت ہوئی، کسی کو مال کی کسی کو اولاد کی کسی کو علم کی دعا۔ کی، کسی کو حاکم ہونے کی، جس کو جو بنا دیا، وہی بن گیا۔

مشکوٰۃ کتاب الامارت باب العمل فی القضا میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابھی میں نو عمر ہوں اور مجھے قضا کا علم بھی نہیں ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمہارے دل و زبان کو ہدایت دے جاؤ۔ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے میں کسی فیصلہ میں رکا ہی نہیں۔

اگر ہم کو اپنی اس کتاب کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو کچھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے نہایت دلچسپ نقل کرتے اور آج تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم اور قضا کتب فقہ میں نقل ہوتا آرہا ہے آخر یہ علم کس مدرسہ میں سیکھا۔ اور کون کون سی کتاب پڑھی۔ یہ سب اس دعا کی برکت تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۵۴۔ تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُونَ لِلْعَالَمِینَ نَذِیرًا (پارہ ۱۸،

سورہ فرقان رکوع ۱) بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہانوں کو ڈر سنانے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کی رسالت عامہ کا ذکر ہے پہلے تو گذر چکا کہ حضور علیہ السلام رحمتہ للعالمین ہیں اس میں فرمایا گیا کہ آپ نَذِیۡرًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ہیں۔ یعنی تمام مخلوق الٰہی کی رسول ہیں، اس عٰلَمِیۡنَ میں ملائکہ، جن، انسان، حیوانات، اور نباتات غرضکہ عرش، فرشی سب ہی داخل ہیں۔ کوئی بھی حضور علیہ السلام کے امتی ہونے سے خارج نہیں۔ حضرت نوح اپنے زمانہ میں سارے انسانوں کے نبی تھے، مگر وہ عموم نبوت باقی نہ رہا۔ بعد میں منسوخ ہوگیا (روح البیان یہ ہی آیت) نبوت اور سلطنت میں لزوم نہیں۔ اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے جس کو مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں بروایت مسلم نقل فرمایا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں وَ اُرۡسِلۡتُ اِلَی الۡخَلۡقِ کَآفَّۃً اس حدیث کی شرح ملا علی قاری مرقاۃ فرماتے ہیں یعنی تمام موجودات کی طرف ہم نبی بنا کر بھیجے گئے۔ جن ہوں یا انسان فرشتے ہوں یا حیوانات یا جمادات اور اسکی خوب تحقیق امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں فرمائی۔

اس آیت نے بتایا کہ جس کو ربوبیت الٰہی سے حصہ ملا اس کو نبوت مصطفائی میں پناہ ملی، اللہ ہر مخلوق کا خالق اور رسول علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی۔ تفسیر جلالین و کبیر و روح البیان نے اس عموم سے فرشتوں وغیرہ کو علیحدہ کیا ہے وہ بے دلیل ہے اور حدیث مذکورہ کے خلاف اور اکابر امت نے اس تخصیص کو بھی رد کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اُبُوَّت (باپ ہونا) اور حضور علیہ السلام کی نبوت سب کو عام ہے بلکہ ابوت حضرت آدم سے نبوت مصطفٰے علیہ السلام زیادہ عام ہے کہ وہ صرف انسانوں کے لئے ہے، اور حضور کی نبوت سب کے ہے۔

لطیفہ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی تو اس کی طرف بھیجے جاتے ہیں جن پر احکام تکلیفی آتے ہیں اور جانور اور اینٹ پتھر وغیرہ پر تکلیف کہاں۔ اسی طرح ملائکہ پر احکام نماز روزہ

وغیرہ ہیں ہی کہاں، تاکہ حضور علیہ السلام ان کے نبی ہوں، اور ڈرانا عذاب سے ہوتا ہے، اور عذاب جمادات اور ملائکہ کو ہے ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ احکام الٰہی سب مخلوق کے لئے ہیں۔ مگر ہر ایک جنس کے لئے علیحدہ سب کے لئے یکساں نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بروز قیامت بے سینگ والے جانور کا بدلہ سینگ والے جانور سے دلوایا جاویگا، پھر ان کو مٹی بنا دیا جاوے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ظلم کرنا جانوروں پر بھی حرام ہے، ورنہ بدلہ کیسا مگر ان کے احکام اور سزا کی نوعیت اور ہے ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں اسی طرح ان کے آپس کے مقدمہ قاضی کے یہاں پیش نہ ہوں گے۔ جن احکام کے لائق ہیں وہ ادا کریں گے۔

اسی طرح گھاس درخت وغیرہ عبادات الٰہی کرتے ہیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْئٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ معلوم ہوا کہ ہر گھاس و درخت تسبیح الٰہی کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کی برکت سے میت کا عذاب قبر میں کم ہوتا ہے۔ اسی طرح پتھر اور پہاڑ میں بھی احساس ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احد ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم احد سے، حنانہ ستون حضور علیہ السلام کے فراق میں رویا، احد پہاڑ حضور علیہ السلام کے فراق میں رویا، احد پہاڑ پر حضور علیہ السلام مع صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لے گئے تو وہ ہلنے لگا۔ غرض سب کو احساس ہے، اور حضور علیہ السلام کو پہچانتے ہیں اسی طرح جہنم میں بعض پتھر بھی جائیں گے۔ خواہ وہ پتھر پرست لوگوں کو دکھانے کے لئے جائیں یا سزا کے لئے غرضکہ حضور علیہ السلام سب کے لئے نبی ہیں۔ اور ہر ایک قوم حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے متعلق احکام الٰہیہ حاصل کرتی ہے۔ جنات نے حضور علیہ السلام کی بیعت کی اور عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ اپنی امت کو منع فرمادیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کریں۔ کیوں کہ اس میں ہمارا رزق ہے۔ (مشکوٰۃ باب آداب الخلاء)

اسی طرح ملائکہ کو بھی حضور علیہ السلام سے فیوض پہنچے ہم کچھ تذکرہ اس کا رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ میں کرچکے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کے نبی ہیں اور ہر مخلوق پر اس کی

حیثیت کے مطابق احکام اور سزائیں ہیں۔

نکتہ:- آیت میں فقط نَذِیْرًا فرمایا گیا یعنی ڈرانے والا بشیرا نہ فرمایا گیا یعنی خوشی سنانے والا، کیونکہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے، نیک کار جن، ملائکہ یا جانور یا جمادات جنت میں نہ جائیں گے بلکہ بدکار جن سزا پائیں گے اور نیک کار جن فنا کر دیئے جائیں گے یعنی سزا سے بچ جائیں گے (روح البیان یہ ہی آیت) تو چوں کہ اس جگہ عالمین تھا لہٰذا بشیرا نہ فرمایا۔ فرشتے بھی جنت میں ہوں گے، وہ انتظام یا خدمت اہل جنت کے لئے ہوں گے۔ نہ کہ ثواب کے لئے جیسے کہ جہنم میں فرشتے ہیں انتظام کے لئے، نہ کہ عذاب کے لئے، جیسے کہ جیل خانہ میں پولیس کے آدمی بھی انتظام کے لئے رہتے ہیں۔

آیت ۵۵- وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (پارہ ۱۹، سورہ شعرا، رکوع ۱۱) اور اس پر بھروسہ کرو جو کہ عزت و مہر والا ہے، جو تم کو دیکھتا ہے۔ جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی زبردست نعت ہے اور اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اوصاف حمیدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اول تو یہ کہ آپ صرف اپنے رب پر بھروسہ فرمادیں۔ کیوں کہ رب تعالیٰ آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھتا ہے اگرچہ پروردگار عالم سب کو دیکھتا ہے۔ مگر اپنے محبوب علیہ السلام کو فرماتا ہے کہ آپ کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے اور دورہ فرمانے کو نظر میں رکھتا ہے معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی ہر ادا پیاری ہے اور بہ نظر رحمت رب العالمین اس کو دیکھتا ہے۔

حِينَ تَقُومُ میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب آپ نماز تہجد کے لئے اپنی خوابگاہ ناز سے اٹھتے ہیں تو ہم آپ کو دیکھتے ہیں یا جس جگہ بھی اور جس کام کے لئے آپ قیام فرماتے ہیں تو ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔

اسی طرح وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ میں چند قول ہیں۔ دورہ کرنے سے کیا مراد ہے، اور ساجدین سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے کہا حضور علیہ السلام بوقت تہجد اپنے صحابہ

کرام کے احوال دریافت فرمانے کے لئے مدینہ کے کوچوں میں دورہ فرماتے تھے کہ دیکھیں ہمارے جاں نثار اس وقت کو کس طرح گذار رہے ہیں تو ان کے گھروں سے تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی ایسی آوازیں آتی تھیں جس طرح شہد کی مکھیوں کی آوازیں نہایت عمدہ اور دلکش (روح البیان)۔

تو اس میں اس دورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب تمہارا صحابہ کرام کے حالات کی تلاش میں دورہ فرمانا ہم خوب دیکھتے ہیں یعنی آپ تو ہمارے ذاکرین کو دیکھتے ہو اور ہم آپ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں بعض نے کہا کہ تم جو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے اور رکوع سجدہ کرنے میں دور کرتے ہو، وہ ہم دیکھتے ہیں، بعض نے کہا کہ رب تمہاری گردش چشم کو دیکھتا ہے کہ آپ بحالت نماز آگے پیچھے ملاحظہ فرماتے ہیں کہ ہم پر مقتدیوں کے احوال چھپے نہیں رہتے یعنی حضور علیہ السلام کی مبارک آنکھ پیچھے بھی اسی طرح ملاحظہ فرماتی ہے جس طرح کہ آگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں سٰجِدِین سے مراد مومن ہیں اور تقلّب سے مراد ہے نسلاً بعد نسلٍ، حضور علیہ السلام کا پاک پیٹھ اور پاک پیٹ میں منتقل ہو کر آنا (روح البیان) جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد از حضرت آدم تا حضرت عبداللہ و آمنہ خاتون تمام کے تمام مومن ہیں کوئی بھی مشرک نہیں اس کی پوری تحقیق لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ میں ہو چکی۔ ملاحظہ کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ ہیں نہ کہ آذر۔ دیکھو وہی مقام۔

آیت ۵۶۔ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰٓاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا الآیۃ (پارہ ۱۹، سورہ النمل، رکوع ۲) یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تم کو کچل نہ ڈالیں۔ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو (حضرت سلیمان) اس بات کو سن کر مسکرا کر ہنسے۔

یہ آیت کریمہ مع اپنی اگلی پچھلی آیات کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک سفر کا واقعہ بیان فرمارہی ہے اولاً وہ واقعہ مختصر طریقہ سے عرض کرتا ہوں، پھر اس سے اس کے فائدے اور انبیاء کرام کی عظمت پھر اس سے حضور علیہ السلام کی نعت پاک بیان کی جاوے گی انشاء اللہ۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام شام سے یمن کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب سفر فرماتے تو تمام جن وانس وحوش وطیور کے لشکروں کو اپنے ہمراہ لیتے۔ اس سفر میں بھی تمام مخلوق الٰہی کا لشکر آپ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ روح البیان میں لکھا ہے کہ یہ لشکر ساڑھے بارہ ہزار میل مربع زمین میں تھا، اس میں انسان جن اور وحشی جانور وغیرہ سب تھے۔ اسی سفر کے اثناء میں شام کے ایک جنگل میں گزر ہوا جہاں کہ چیونٹیاں بہت تھیں، یہ چیونٹیاں جنگل میں پھیلی ہوتی تھیں، اس لشکر کو دیکھ کر ان چیونٹیوں کے سردار ایک چیونٹی نے جس کا نام منذرہ یا طاخیہ تھا، تمام چیونٹیوں سے کہا کہ اے چیونٹیو! فوراً اپنے اپنے گھروں (سوراخوں) میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم سب کی سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے کچل جاؤ اور ان کو خبر بھی نہ ہو جس وقت یہ بات اس چیونٹی نے کہی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر تین میل کے فاصلہ پر تھے اس کی اس معمولی سی آواز کو سن لیا، اور اس کی بات بھی سمجھ کر اس کی دانائی پر تعجب فرماتے ہوئے مسکراتے اور خدا کا شکر ادا کیا، مسکرانا تو اس کی دانائی پر تھا اور شکر الٰہی بجالانا اپنے اس ملک اور علم پر تھا۔

اس آیت کے فوائد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت عامہ کہ انسان تو درکنار دیگر مخلوقات پر بھی تھی۔

۲۔ آپ کا علم کہ انسانی علوم سے بڑھ کر دیگر حیوانات کی بات بھی سمجھ لیتے تھے۔

۳۔ آپ کی دور سے سننے کی طاقت کہ چیونٹی کی معمولی آواز تین میل کے فاصلہ سے سنی۔

۴۔ آپ کا ظلم سے معصوم ہونا کہ چیونٹی کو بھی یقین تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عظمت کی وجہ سے اور ان کا لشکر ایک پیغمبر کے فیض صحبت کی وجہ سے عمداً ہم کو نہ کچلیں گے۔ اسی لئے اس نے کہا وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ

۵۔ چیونٹی کا حضرت پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو پہچان لینا کیونکہ چیونٹی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت واجب تھی۔ اس لئے کہ حضرت سلیمان اس کے سلطان تھے، اور رعایا پر اپنے سلطان الٰہی کو جاننا ضروری ہے۔

یہ سلطنت حضرت سلیمان کا ذکر تھا، اب میرے محبوب سلطانوں کے سلطان، شاہوں کے شہنشاہ امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کا بھی ذکر سن لو۔ یہ تو ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ تمام کمالات انبیاء حضور علیہ السلام میں جمع ہیں، مع زیادتی کے، قرآن فرماتا ہے۔ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ اور مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک کمال ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو عطا ہو نیز تمام انبیائے کرام کے معجزات حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت قرار پایا اس کا ظہور حضور علیہ السلام سے اور طریقہ سے ہوا، مثلاً بغیر باپ کے حضرت مسیح پیدا ہوئے تو حضور علیہ السلام سے اور طریقہ ہوا، مثلاً بغیر مادہ نور الٰہی سے مستفیض ہوئے اَنَا نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰہِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہوئے طور پر، تو حضور علیہ السلام معراج میں کلیم اللہ ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی نکالا، حضور علیہ السلام نے اپنی انگلیوں سے پانی کے فوارے جاری فرمائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو جان بخشی تو حضور علیہ السلام نے بھی مردوں کو جان بخشی اور بے جان کنکروں اور پتھروں اور لکڑیوں سے بھی اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔ اسی طرح اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساری زمین کی جاندار چیزیں رعایا تھیں، تو حضور علیہ السلام کی ساری زمین کی، آسمانی کی فرش کی اور عرش کی جاندار اور بے جان چیزیں، غرضکہ ساری مخلوق

الیٰ امت قرار پائی لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا میں اس کی بحث گزر چکی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ سب پر حضور کی سلطنت ہے مگر اس کو ظاہر نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات شیطان ہمارے پاس بحالت نماز آیا ہم نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر باندھ دیں، اگر باندھ دیتے، تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔ مگر پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی کہ انھوں نے عرض کیا تھا، خدایا تو مجھے ایسا ملک دے جو کسی کے لائق نہ ہو، تو چھوڑ دیا۔ صاف معلوم ہوا کہ آپ کا شیطان پر قبضہ ہے، مگر اس کو ظاہر نہیں فرماتے۔ بلکہ اسی مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زکوٰۃ کے مال کے محافظ تھے۔ شیطان چوری کرنے آیا تو انہوں نے اس کو قید کر دیا۔ نہ چھوٹ سکا، مگر ان کی خوشامد کر کے آفتاب ڈوبا ہوا لوٹا، چاند پھٹ گیا، درختوں نے اطاعت کی، تو اگر سب پر سلطنت نہیں ہے تو یہ اطاعت کیوں کر رہے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

حضرت سلیمان علیہ السلام جانوروں کی بولی جانتے ہیں، مگر محبوب علیہ السلام جانور تو درکنار پتھروں اور لکڑیوں کی بولی جانتے ہیں۔ ہرنی نے آپ سے شکایت کی کہ میں قید ہو گئی ہوں (دیکھو دلائل الخیرات) اونٹ نے مالک کی شکایت کی کہ مجھے کھانا کم دیتا ہے اور کام زیادہ لیتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ و ابو داؤد) حضور نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو مجھ کو قبل نبوت سلام کرتا تھا (دیکھو مشکوٰۃ) ستون حنانہ نے آپ کے فراق میں گریہ فرمایا، جب اس کو سینہ سے لگایا تو عرض کیا۔

مسندت من بودم از من تاختی بر سر منبر تو مسند ساختی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل چیونٹی کی آواز سن لی، مگر اس کان کے قربان جس نے اپنی والدہ کے پیٹ میں سے قلم کے لوح محفوظ پر چلنے کی آواز سنی، یہ تمام بحث ہماری کتاب جآء الحق و زھق الباطل میں دیکھو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے پکارا، اور نہاوند سے حضرت ساریہ نے یہ آواز سن لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے ظلم وستم سے معصوم جانا، لیکن آقائے دو جہان علیہ السلام کو ہر مخلوق معصوم جانتی ہے اور ظالموں کی فریادیں لے کر حاضر بارگاہ ہوتی ہے۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ جنگل کے ہرن اونٹ اور لکڑیاں آپ سے فریادی ہوئیں۔ اور جانی دشمن۔ یہود وغیرہ بھی اپنے اپنے قضیئے لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آتے تھے کیوں کہ جانتے تھے کہ یہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی دکھایا جاتا ہے اور یہ ہی وہ بارگاہ ہے کہ جہاں کوئی ستایا نہیں جاتا۔ بلکہ ستانے والوں سے بچایا جاتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں بیان کی جاچکیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے پہچانا۔ ہمارے رسول مکرم صلی الہ علیہ وسلم کو چاند وسورج اور تاروں نے پہچانا۔ اس کے متعلق ایک دو واقعہ عرض کئے جاتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کتاب الحج باب الہدیٰ میں ہے کہ حجۃ الوداع میں کچھ اونٹ آپ کے سامنے قربانی کے لئے پیش کئے گئے۔ جانوروں کا قاعدہ ہے کہ بوقت ذبح گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔ مگر اونٹوں کا یہ حال تھا کہ ہر ایک چاہتا تھا کہ حضور علیہ السلام میری قربانی پہلے فرمادیں۔ آپس میں لڑتے تھے اور ایک دوسرے سے پہلے بڑھتے تھے اسی طرف اشارہ اس شعر میں ہے۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

بلکہ حضور علیہ السلام کے غلاموں کو بھی جانور پہچانتے تھے۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الکرامات میں ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم میں گرفتار ہوگئے یہ حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ زمانہ فاروقی میں جب لشکر اسلام روم کی زمین میں پہنچا، ان کو جیل خانہ میں خبر لگ گئی کہ اس میں میں لشکر اسلام آیا ہے، یہ موقع پاکر راتوں رات قید سے بھاگ نکلے مگر راستہ سے واقف نہ تھے۔ نہ یہ جانتے تھے کہ لشکر کہاں ہے۔ راستہ میں بھاگے جارہے تھے کہ جنگل میں شیر نکلا، تو حضرت سفینہ نے فرمایا کہ اے شیر تو

جانتا ہے میں رسول اللہ کا آزاد کردہ غلام ہوں راستہ بھول گیا ہوں۔ شیر یہ سن کر دم ہلاتا ہوا سامنے آگیا۔ اور آگے آگے چل دیا، یہاں تک کہ لشکر اسلام تک پہنچا دیا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضرت سفینہ کو شیر نے پہچان لیا۔ دوسرے یہ کہ لشکر اسلام کی ایمانی خوشبو شیر کو دور سے معلوم ہو رہی تھی، جس خوشبو کے ذریعہ سے شیر نے لشکر کا ٹھکانا معلوم کر لیا جیسے کوئی شخص باہر سے مکانات کے اندر کے کھانا وغیرہ پکنے کی خوشبو معلوم کرتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جانور حضور علیہ السلام کو بلکہ ان کے غلاموں کو پہچان لیتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّم

آیت ۵۷۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (پارہ ۲۱، سورہ عنکبوت، رکوع ۵) اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام اہل عرب آپ کی پرورش اور نبوت کے پہلے کے حالات سے بخوبی واقف ہیں کہ نہ آپ نے نبوت سے پہلے کبھی کچھ لکھا اور نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، بلکہ علماء کی صحبت بھی اس سے پہلے اختیار نہ فرمائی، پھر اس زبان پاک سے ایسے بے مثل کلام الٰہی کا بیان ہونا، اور ایسی حکمت کی باتیں ادا ہونا کہ جس کی عالم میں مثال نہیں ملتی یہ اس بات کو ماننے کے لئے کافی ہے کہ آپ سچے نبی ہیں۔ اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اگر اس سے پہلے آپ نے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار فرمایا ہوتا تو دو طرح سے آپ کے متعلق شک کیا جاسکتا تھا ایک تو یہ کہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ ہماری کتب میں نبی آخر الزماں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ امی ہونگے اور یہ تو لکھتے پڑھتے ہیں یہ کس طرح نبی آخر الزماں ہو سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مشرکین عرب یہ کہتے کہ چونکہ بچپن شریف سے آپ کو علم کا شغل رہا، علما کی کتابیں دیکھیں، تواریخ کا مطالعہ کیا، اہل علم کی صحبت حاصل ہوئی، اس لئے ان تاریخی واقعات اور حکمت کی باتوں کو جو ان کی کتابوں میں دیکھی تھیں یا اہل علم سے سنی تھیں بیان کر

رہے ہیں اور اسی کا نام قرآن فرمارہے ہیں۔

اب جب کہ آپ نے لکھنا پڑھنا اختیار ہی نہ فرمایا، تو اب کسی قسم کے شک وشبہ کی ان کو گنجائش ہی نہیں یعنی آپ کا امی ہو کر قرآن کریم کو پڑھنا اور لوگوں کو پہنچانا آپ کی صداقت اور نبوت کی دلیل ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ساری کتب الہیہ کے عارف اور ان کے اصلی و نقلی عبارتوں سے واقف ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اہل کتاب کے تمام تبدیل کردہ احکام و آیات کو جانتے ہیں۔ مگر بعض کی پردہ پوشی فرماتے ہیں کہ ارادہ الٰہی یہ ہی ہے۔

نکتہ:۔ اس جگہ تفسیر روح البیان میں دو باتیں نہایت ہی پر لطف بیان فرمائی گئیں ہیں ایک تو یہ کہ لکھنا انسان کا کمال ہے۔ قرآن نے فرمایا عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۵ اللہ نے قلم سے علم سکھایا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال کیوں نہ عطا ہوا، بلکہ نہ لکھنے کو ان کا کمال فرمایا گیا۔

اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا۔ اولاً تو یہ کہ لکھنا انسان کا کمال اس لئے بنا کہ انسان بھول جاتا ہے اور خطا کرتا ہے، قلم کی وجہ سے بھول و خطا سے بچے گا، مثل مشہور ہے کہ قلم علم کی قید ہے نبی کریم اور علیہ السلام کا یہ کمال ہے کہ لکھتے نہیں مگر علم کو آپ بھولتے نہیں، تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں اور اس بڑے علم کو سینہ میں محفوظ رکھانہ کہ سفینہ میں چنانچہ فرمایا گیا اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ اے محبوب جو آیات کہ آپ پر اتریں ان کے بھول جانے کا خیال نہ کریں، اس کو آپ کے سینہ پاک میں جمع کردینا اور آپ کی زبان پاک سے ادا کرادینا ہمارے ذمہ کرم پر ہے، نیز آپ لکھتے پڑھتے ہوتے تو کوئی کہتا کہ قرآن کے مضامین پرانی کتابوں سے یاد کر کے سناتے ہیں۔

دوسرے اس طرح کہ لکھنے والے قلم کا سایہ حروف پر پڑتا ہے اور محبوب علیہ السلام کی خواہش نہ ہوئی ہوگی کہ میرے قلم کا سایہ رب کے ذکر پر ہو یعنی میرا قلم تو اوپر ہو اور رب کا نام اس کے نیچے، اس پر رب کی طرف سے حبیب علیہ السلام کو یہ انعام ملا کہ آپ تو نہیں

چاہتے کہ آپ کا قلم ہمارے نام پر ہو اور ہم نہیں چاہتے کہ کسی کا قدم آپ کے سایہ پر ہو، لہٰذا آپ کا سایہ ہی نہ رکھا، کہ کسی کے پاؤں کے نیچے آوے، اور ہم نہیں چاہتے کہ کسی کی آواز آپ کی آواز پر بلند ہو اس لئے حرام فرمادیا، کہ کوئی انسان کہ فرشتہ یا جن، غرض کوئی بھی اپنی آواز نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچی کرے۔

لطیفہ:- اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ حضور علیہ السلام نوری بشکل بشری تھے اسی لئے سایہ نہ تھا، حضرت جبریل علیہ السلام جب کبھی شکل انسانی میں آتے، تو ان کا جسم بے سایہ ہوتا تھا، کیونکہ وہ بھی بشری شکل اور ملکی صفت میں ہوتے تھے، کسی نے خوب کہا ہے۔

بشر صورت ملک سیرت میں ظل نور یزدانی

تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو رب نے اپنی قدرت سے لکھنے کا علم بھی عطا فرمایا اور آپ لکھنا جانتے تھے جس کے متعلق روایات ملتی ہیں۔ ایک تو روح البیان میں اسی آیت میں یہ لکھا۔ دوسرے، شارح قصیدہ بردہ خرپوتی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دوات رکھنے قلم پکڑنے اور حروف لکھنے کے طریقہ کی تعلیم فرمائی کہ اس طرح رحمٰن کی میم لکھو، اور اس طرح فلاں فلاں حرف لکھو، تیسرے بخاری جلد اول کتاب الصلح میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن جب صلح نامہ لکھا گیا، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور علیہ السلام کی طرف سے کاتب تھے۔ لکھا گیا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ کفار نے کہا آپ رسول اللہ نہ لکھیں بلکہ لکھیں محمد ابن عبداللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو حکم دیا گیا، کہ اچھا اتنے لفظ رسول اللہ پر قلم کھینچ دو۔ حضرت علی نے اس سے انکار کیا کہ میرا قلم اس پر نہ چلے گا، حضور علیہ السلام نے خود اس پر خط کھینچا۔

نیز اسی بخاری میں حدیث قرطاس میں ہے، کہ مرض وفات شریف میں جمعرات کے دن فرمایا:- اِئْتُونِی بِكِتْبٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتٰبًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا یعنی ہمارے پاس کاغذ لاؤ ہم کچھ لکھ دیں کہ اس کے بعد کبھی بے راہ نہ ہو۔

اب قرآن کریم کا علم خط کی نفی فرمانا زمانہ نبوت سے پہلے کے متعلق ہے یعنی آپ ظہور نبوت سے پہلے خط نہ جانتے تھے، بعد نبوت جہاں اور علوم دیئے وہاں علم خط و قلم بھی دیا، ہاں لکھنے کی عادت اختیار نہ فرماتی، اور کیوں لکھتے، ان کی لوح لوح محفوظ، ان کا قلم قلم اعلیٰ، ان کو کیا ضرورت تھی کہ آپ اس دنیاوی قلموں سے ان کاغذوں پر لکھتے (روح البیان یہ ہی آیت)۔

ضروری ہدایت۔ سب سے اول لکھنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ آپ نے عربی، فارسی، عبرانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی اور چینی زبانیں مٹی پر لکھیں، پھر ان سے یہ زبانیں ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوئیں، چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے خط عربی میں لکھا، کیوں کہ عرب آپ کی نسل سے ہیں، وہ جو روایت میں آتا ہے اَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِالْقَلَمِ اِدْرِیْس علیہ السلام یعنی قلم سے سب سے پہلے لکھنے والے ادریس علیہ السلام ہیں یہاں خط سے مراد علم جفر کے نقوش ہیں نہ کہ زبانوں کی تحریر، واللہ اعلم (روح البیان)۔

غرضکہ یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی نعت ہے، نہ کہ علم خط کی نفی کرنے والی

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّم

آیت ۵۸۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (پارہ ۲۱، سورہ احزاب رکوع ۱) نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں اور انکی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے، اس کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک بار صحابہ کرام کو غزوہ تبوک کے لئے چلنے کا حکم دیا، تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کرلیں، ان کا یہ جواب دینا اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں باپ کے مشورہ پر موقوف رکھنا بارگاہ الٰہی میں پسند نہ آیا۔ اس پر یہ آیہ۔ کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) اس میں فرمایا یہ گیا، کہ جس قدر قرب و ملکیت تمہاری جانوں سے تم کو ہے۔ اس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے

ہے۔ تو ان کے حکم کے ہوتے ہوئے کسی کے مشورہ کا انتظار کرنا ناپسند ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے حکم دے دیا تو چاہے ماں کہے یا نہ کہے، تمہارا دل قبول کرے یا نہ کرے۔ بہرحال تم پر ان کی اطاعت واجب ہے اَولیٰ کے چند معنی ہیں ایک تو بمعنی زیادہ مالک، تو اب مطلب یہ ہوا، کہ نبی علیہ السلام کو تم پر اتنا اختیار اور ملکیت ہے کہ اتنی ملکیت تمہاری جان کو، تمہارے جسموں اور اعضاء پر نہیں ہے، دیکھو جان جسم کے اعضاء کی ایسی مالک ہے کہ عضو کی کوئی بھی حرکت بغیر جان کے ارادے کے نہیں ہوتی، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، کان وغیرہ بالکل بے بس ہیں۔ اور جان کے قبضہ میں ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ملکیت اور قبضہ اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے کہ جو بھی حرکت ہو وہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے ماتحت ہو، حضرت سہل نے فرمایا کہ سنت رسول علیہ السلام کی لذت وہ کبھی نہیں پاسکتا، جو اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد، اپنی ہر چیز کو حضور علیہ السلام کی بالکل ملکیت نہ سمجھے (روح البیان)۔

دوسرے معنی ہیں زیادہ لائق، تو معنے یہ ہوئے کہ حضور علیہ السلام جان سے بھی زیادہ اطاعت کے لائق ہیں۔

اگر سردی کا موسم ہے۔ جان و دل چاہتے ہیں کہ پانی کو ہاتھ نہ لگاؤ، مگر رات میں غسل واجب ہوگیا حکم سرور عالم علیہ السلام ہے کہ فجر کی نماز سے پہلے غسل کرلو، اب جان و دل کی بات نہ مانو بلکہ رسول علیہ السلام کی ااعت کرو اور بات بھی یہ ہے کہ جس قدر احسانات حضور علیہ السلام کے ہم پر ہیں وہ کسی کے بھی نہیں موت کے بعد ہاتھ پاؤں بیکار، قیامت میں یہ ہی ہاتھ پاؤں خلاف گواہی دیں مگر محبوب علیہ السلام کا کرم زندگی، موت، قبر، حشر ہر جگہ شامل حال ہے۔ اسی طرح ماں، باپ، قرابت دار کی محبتیں فنا ہونے والی ہیں، کہ قیامت میں کوئی پہچانے بھی نہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کسی جگہ فراموش نہیں فرماتے اور جس قدر احسان زیادہ اسی قدر استحقاق زیادہ۔

تیسرے معنی ہیں زیادہ قریب، جیساکہ مدارج النبوت جلد اول باب سوم میں ہے کہ نزدیک تر نیز یہ ہی معنے کئے مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں۔ تو اب معنی ہوئے کہ

نبی مسلمانوں سے زیادہ قریب بمقابلہ ان کی جان کے۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ قریب ہماری جان ہے۔ اسی لئے اگر جسم کو ذرا بھی تکلیف پہنچ جاوے تو روح کو خبر ہو جاتی ہے اور جان سے بھی زیادہ قریب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس سے مسئلہ حاضر و ناظر بھی حل ہو گیا، کہ جان جسم کے ہر ہر عضو میں حاضر و ناظر ہوتی ہے تو حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس حاضر ہیں اور ناظر اور مسلمان تو زمین و آسمان کے ہر گوشہ میں رہتے ہیں، کیوں کہ فرشتہ اور جن و انسان سب ہی میں مسلمان ہیں، تو حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

نکتہ:- رب نے اپنے لئے فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور حبیب علیہ السلام کے لئے فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ کہ نبی علیہ السلام مسلمانوں سے بمقابلہ ان کی جانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ اگر شہ رگ کٹ جاوے تو بھی موت آ گئی، اگر جان نکل گئی تو بھی موت آ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اللہ سے کوئی شخص اپنے کو قریب نہ جانے تو ایمان ختم ہو گیا اور اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کو قریب نہ جانے تو بھی بے دین ہوا۔ اسی لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہوتے اور ان میں بہت سے اختلافات بھی ہیں مگر اس پر سب متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اسی لئے التحیات میں ہر شخص ہی کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی آپ پر سلام، قبر میں ہر شخص کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرایا جاتا ہے چاہے وہ کہیں بھی مرے، جب تنہا گھر میں جاتے تو کہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

غرضکہ بہت سی آیات و احادیث اور اقوال فقہاء سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور بہت سے مسائل اس پر مبنی ہیں، اس کی پوری تحقیق مع تمام سوال و جواب ہماری کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ میں دیکھو، اس میں ایسی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جس سے زیادہ آسانی مشکل ہے۔

اب جو فرمایا گیا وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ نبی علیہ السلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ یہ بھی اَولیٰ سے بخوبی چسپاں ہے کہ باپ کے خون سے ہم پیدا ہوئے، تو اس خونی رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ باپ ہمارا اور ہمارے مال کا مالک قرار دیا گیا، باپ کی اطاعت واجب ہوئی اور جس عورت سے بھی باپ نکاح کرے وہ بیٹے کے لئے حرام۔ اور وہ اس کی ماں ہے، تو نبی کریم علیہ السلام کے نمود سے ہم سب وجود میں آئے اور حضور علیہ السلام سب کی اصل، تو جس بی بی سے حضور علیہ السلام نکاح فرمائیں اور وہ بیوی حضور علیہ السلام کے نکاح میں رہیں۔ وہ مسلمانوں کی مثل ماں کے بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیئے مگر یہ ماں ہونا چند احکام میں ہے نہ کہ کل میں ان سے نکاح کرنا حرام ہے، اور ان کا ادب واحترام ماں کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے لیکن ان کو بے حجاب دیکھنا ان کے ساتھ تنہا سفر کرنا ناجائز ہے۔

اس طرح بعد موت کسی مسلمان کی میراث ان کو نہ ملے گی اور ان کے ساتھ خلوت کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں، ان کے اہل قرابت یعنی بہن بھائی مسلمانوں کے ماموں یا خالہ قرار نہ پائیں گے بلکہ ان سے نکاح جائز ہوگا۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی والدہ ماجدہ ہیں۔ مگر ان کے بھائی ع[illegible] الرحمٰن مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے ماموں نہیں۔ اور ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی خالہ نہیں، ان کے ساتھ نکاح اہل اسلام کا ہوا جس طرح حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ادب واحترام ضروری ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے اہل قرابت مسلمین کا احترام ضروری ہے بلکہ ان کی اولاد امجاد حضرات سید صاحبان واجب التعظیم ہیں کہ ان کی عزت و حرمت مسلمانوں پر لازم ہے اور ان کی عیب جوئی یا دل آزاری سخت حرام اور حضور علیہ السلام کے غضب کا باعث ہے۔ دیکھو تمام سید صاحبان پر زکوٰۃ کھانا حرام ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے۔ تو ان کو مال کا میل دینا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے میں نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے شان میں عرض کیا ہے۔

ہے صدقہ میل پھر اس پاک و ستھرے کو روا کیوں ہو
کہ دنیا کھا رہی ہے جن کے آل پاک کا صدقہ
وہ ہے خاموش قرآں اور یہ قرآن ناطق ہے
نہ ہوں جن دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رشتہ

اسی طرح سادات کرام کو معمولی نوکر رکھنا ان سے ذلت کے کام لینا ان کو برے الفاظ سے پکارنا بھی سخت جرم ہے ان کو عزت کی جگہ دو ان میں علم کی تبلیغ کرو ان کے گھر سے تم کو کلمہ ملا ایمان ملا قرآن ملا رحمن ملا اسلام ملا پھر تم پر بھی ضروری ہے کہ ان کو اپنا پڑھا ہوا علم دو اور اپنا پیسہ خرچ کر کے ان میں علم و ہنر کی اشاعت کرو۔ اس آیت کو غور سے پڑھو قُل لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی فرمادو اے محبوب کہ میں تم سے اس تبلیغ پر اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت ایک معنی یہ بھی اس آیت کے ہیں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو اللہ توفیق دے۔

لطیفہ۔ اس آیت کے ماتحت صاحب روح البیان نے فرمایا کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے پیر و مرشد کی بیوی سے بعد طلاق نہ کرے اسی طرح شاگرد کو لائق ہے کہ اپنے استاد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے، کہ اگرچہ یہ بروئے فتویٰ جائز ہے، مگر تقویٰ کے خلاف، اور تقویٰ فتویٰ سے اوپر ہے۔ اگر مرید یا شاگرد نے اپنے مرشد یا استاد کی بیوی سے نکاح کیا تو دنیا و آخرت میں بھلائی نہ دیکھے گا۔

آیت ۵۹۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (پارہ ۲۱، سورہ احزاب، رکوع ۳) بے شک رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کیلئے کہ جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اور اس میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ اگر تم اللہ سے کچھ انعام کی امید رکھتے ہو، اور قیامت کی بہتری چاہتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنالو، اور ان کی پیروی

کرو۔ اس میں دو طرح سے حضور علیہ السلام کے صفات حمیدہ کا ذکر ہے۔

ایک تو یہ کہ ان کی زندگی پاک کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے، اور یہ ہی معنی ہیں وسیلہ کے، اللہ کے محبوب علیہ السلام مسلمانوں کے لئے وسیلہ عظمیٰ ہیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

دوسرے اس طرح کہ یہ حکم ہر مسلمان کو دیا گیا ہے خواہ کسی ملک کا ہو یا کسی وقت ہو، مطلب یہ ہوا کہ قیامت تک کہ تمام مسلمان اپنی زندگی حضور علیہ السلام کے تابع کر دیں، اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں بعض تو بادشاہ ہوں گے اور بعض وزیر، بعض حاکم، بعض مالدار، بعض غریب، بعض گھر والے، اور بعض تارک الدنیا اب ہر شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی حضور علیہ السلام کی زندگی کے ماتحت ہو، تو اس قدر فرق زندگی کے ہوتے ہوتے سب لوگ کس طرح حضور علیہ السلام کی پیروی کریں۔

تو اب اس آیت سے یہ نتیجہ نکلا، کہ ہمارے محبوب کی زندگی پاک ایسی بے مثال اور انوکھی ہے کہ دنیا میں ہر شخص اپنے لئے اس کو مثال بنا سکتا ہے۔ ایسی زندگی عالم میں کسی کی نہیں گذری۔ بطور مثال سمجھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی ترک دنیا میں گذاری کہ مکان تک نہ بنایا، ان کی پیروی تارک الدنیا تو بطور نمونہ کر سکتا ہے۔ مگر ایک قاضی بادشاہ اپنے لئے ان کی زندگی کو مثال نہیں بنا سکتا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی پاک سلطنت و حکومت کے ساتھ گذری تو سلطان و بادشاہ تو ان کی زندگی کو مثال بنا سکتا ہے۔ مگر فقیر بے نوا کے لئے ان کی زندگی نمونہ نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس مگر یہ تو شان میرے محبوب علیہ السلام ہی کی ہے کہ حاکم ہو، چاہے محکوم، رعایا ہو، چاہے بادشاہ، مالدار ہو یا فقیر بے نوا، سب کے لئے دعوت عامہ ہے کہ آؤ میرے محبوب کی زندگی کو دیکھو اور ان کے نقش قدم پر چلے آؤ۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر انسان کے ہر درجہ و مراتب کے لئے نمونہ ہے آپ متوکل ایسے کہ دو دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی، صرف کھجوروں اور پانی پر گذارہ ہے۔

اور کبھی تھوڑی کھجوریں کھانا، پانی پی کر پھر رہ جانا
دو دو مہینہ یوں ہی گذارا صَلی اللهُ عَلَیہِ وَسَلَّم
قبضہ میں جس کے ساری خدائی، اس کا بچھونا چٹائی
نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صَلی اللهُ عَلَیہِ وَسَلَّم
کھانا جو دیکھو جو کی روٹی، بے چھنا آٹا روٹی موٹی
وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صَلی اللهُ عَلَیہِ وَسَلَّم

امت کے مساکین ان حالات مبارک کو دیکھیں اور صبر سے کام لیں۔ اگر سلطنت اور بادشاہت کی زندگی گذارنی ہے تو ان حالات کو ملاحظہ کرو، کہ فتح مکہ ہو گئی، تمام وہ کفار مکہ سامنے حاضر ہیں جنہوں نے بے انتہا تکلیفیں پہنچائی تھیں آج موقعہ تھا کہ ان تمام گستاخوں سے بدلہ لیا جاوے مگر ہوا یہ کہ فتح فرماتے ہی عام معافی کا اعلان فرما دیا کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جاوے اس کو امن ہے جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کو امن ہے جو ہتھیار ڈال دے اس کو امن ہے غرض کہ یوسف علیہ السلام پر دس بھائیوں نے چند گھنٹہ ظلم وستم کیا اور جب سلطنت حضرت یوسف میں غلبہ لینے کو حاضر ہوتے تو فرمایا لَاتَثرِیبَ عَلَیکُم اَلیومَ یَغفِرُ اللهُ لَکُم آج تم پر کوئی سختی نہ ہوگی، اللہ تمہاری مغفرت فرمادے۔

مگر حضور علیہ الصلوۃ نے ۱۳ سال تک اپنے پر اہل مکہ کی طرف سے سختیاں برداشت کیں صحابہ کرام اہل بیت عظام ان کے گھر والے اور ان حضرات کی جان و مال، عزت و آبرو سب ہی خطرے میں رہے آخر کار دیس چھوڑ پردیسی ہونا پڑا، مگر جب اپنا موقع آیا تو سب کو معاف فرمادیا۔ قیامت تک کہ سلاطین اس کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ اگر مالداری اور تونگری کی زندگی کوئی گذارنا چاہتا ہے تو ان حالات کو ملاحظہ کرے۔

کہ ایک شخص کے کھیت میں لمبی لکڑی پیدا ہوئی، تحفہ کے طور پر حاضر بارگاہ کی، اس کے عوض میں ایک لپ بھر سونا عنایت فرمایا۔ ایک بار بکریوں سے بھرا ہوا جنگل حضور علیہ السلام کی ملکیت میں آیا۔ کسی نے عرض کیا یا حبیب اللہ! اب اللہ نے حضور کو بہت ہی

مالدار اور تونگر بنا دیا، فرمایا کہ تو نے میری تونگری کیا دیکھی؟ عرض کیا کہ اس قدر بکریاں ملکیت میں ہیں، فرمایا جا تجھ کو سب عطا فرمادیں۔ وہ اپنی قوم میں یہ مال لے کر پہنچے اور قوم والوں سے کہا کہ اے لوگو! ایمان لے آؤ قسم رب کی محمد رسول اللہ اتنا دیتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں فرماتے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار اتنا دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ یہ سب واقعات احادیث میں موجود ہیں اور خرپوتی نے ان کو ایک جگہ بیان کیا ہے، مالدار یہ واقعات مبارکہ خیال میں رکھیں اور زندگی گذاریں۔

اگر کسی کی زندگی اہل و عیال کی زندی ہے، تو خیال کرے کہ میرے تو ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ چار بیویاں ہیں، اور کچھ اولاد، مگر محبوب علیہ السلام کی ۹ بیویاں ہیں۔ اولاد اور اولاد کی اولاد، داماد غلام لونڈیاں متوسلین اور مہمانوں کا ہجوم ہے پھر کس طرح ان سے برتاؤ فرمایا، اور اسی کے ساتھ ساتھ کس طرح رب کی یاد فرمائی۔

اگر کوئی تارک الدنیا اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے، تو غار حرا کی عبادت وہاں کی ریاضت دنیا کی بے رغبتی کو دیکھے اور کتاب الرقاق کی احادیث کا مطالعہ کرے، غرض کہ ساری قومیں اپنے لئے نمونہ بنا کر بے دھڑک دنیا میں آرام اور ہدایت سے رہ سکتی ہیں۔

قوت و طاقت کا یہ حال ہے کہ جنگ حنین میں حضور علیہ السلام خچر پر تنہا رہ گئے، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کفار نے خچر کو گھیر لیا، حضرت عباس اور ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما باگ پکڑے ہوتے تھے جب ملاحظہ فرمایا کہ کفار نے یلغار کی ہے تو خچر سے اترے اور فرمایا کہ ہم جھوٹے نبی نہیں۔ ہم عبدالمطلب کے پوتے ہیں، کسی کی ہمت اور جرات نہ ہوئی کہ سامنے ٹھیر جاتا۔

ابو رکانہ عرب کا مشہور پہلوان تھا جو کبھی کسی سے مغلوب نہ ہوتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اس کو زمین پر دے مارا، وہ اسی پر حضور کا مداح بن گیا۔ مگر اس کے ساتھ رحم وکرم کا یہ حال نہ تو کبھی کسی کو برا فرمایا، نہ کسی خادم یا اہل خانہ کو اپنے ہاتھ سے مارا۔

غرض کہ زندگی کیا ہے، ایک قدرت الہیہ کا نمونہ ہے۔ اسی لئے آیت کریمہ میں سب کو عام اعلان ہے کہ سب لوگ اپنے لئے اس مبارک زندگی کو نمونہ بنالیں۔

اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضور کی ذات تمہارے لئے قدرت رب کا نمونہ یا سمپل ہے جیسے کہ کاریگر نمونہ پر اپنا سارا زور ہنر لگا دیتا ہے۔ اسی طرح دست قدرت نے اس ذات پر اپنے سارے کمالات کا اظہار فرمایا، اور جیسے کہ دکان کا نمونہ ایک ہی ہوتا ہے، اور بازار میں نمائش گاہ خلائق ہوتا ہے، ایسے ہی یہ ذات کریم بھی کارخانہ قدرت کا ایک ہی نمونہ ہے، جو اس کے کمالات کا انکار کرے وہ درپردہ رب کے کمال کا منکر ہے۔

صاحب روح البیان نے اس جگہ ایک نئی بات کہی کہ یہ تو تفصیل جب تھی، جبکہ اس آیت کے معنی کئے جاویں کہ تمہارے لئے حضور کی پیروی. بہتر ہے، یعنی اپنی آئندہ زندگی میں۔ مگر دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ تمہارے لئے حضور کی پیروی. بہتر تھی یعنی عالم ارواح میں ہر جگہ حضور علیہ السلام مقتدا رہے ہیں اور تم سب ان کے مقتدی ہو وہ اس طرح کہ سب سے پہلے نور رسول اللہ علیہ وسلم پیدا ہوا، پھر تم سب میں سب سے اول ربانی فیض روح مصطفٰے علیہ السلام نے حاصل کیا بعد میں تم نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کے جواب میں سب سے پہلے روح رسول علیہ السلام نے بلیٰ کہا، بعد میں اوروں نے، صلب حضرت آدم سے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کی روح عہد و پیمان کے لئے باہر تشریف لائی، بعد میں تم سب کی ارواح وغیرہ وغیرہ تو اب لازم ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی تم ان کے پیروکار ہو کر رہو صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۶۰۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ الآیۃ (پارہ ۲۲، سورہ احزاب رکوع ۵) اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اس آیت میں پہلے اور بعد والی آیات کے ساتھ بظاہر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کو ہدایات فرمائی جارہی ہیں اور ان کے فضائل کا ذکر ہے۔ مگر در حقیقت یہ حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے، اس میں فرمایا کہ اے ہمارے پیغمبر کی بیویو! تم دوسری

عورتوں کی طرح نہیں، تمہارے درجات اور تمہارے احکام بہت سے جداگانہ ہیں۔ مگر یہ درجات و فضائل کس لئے ہوئے اس لئے کہ تم نبی کی بیوی ہو۔ جس ذات کریم کی نسبت میں یہ عظمت ہو، تو وہ ذات پاک کیسی عزت و عظمت والی ہے اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوتے۔

ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی بیویاں تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں کیوں کہ یہاں نِسَآء میں کوئی قید نہیں۔ حضرت مریم اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے اپنے وقت کی عورتوں سے افضل تھیں، لیکن حضور علیہ السلام کی ازواج پاک ہر زمانہ کی بیویوں سے افضل اور بہتر ہیں جیسے کہ نبی اسرائیل کے لئے فرمایا گیا۔ اِنِّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ہم نے تم تمام عالم والوں پر بزرگی دی تو اس زمانہ کے لوگوں پر واقعی وہ افضل تھے، اور اب غلامان مصطفےٰ علیہ السلام سب امتوں سے افضل۔

دوسرے یہ کہ اس میں گفتگو ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا افضل ہیں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ افضل ہیں اس آیت کی وجہ سے، بلکہ تمام صاحبزادیوں سے تمام ازواج پاک افضل ہیں۔ کیونکہ اس آیت نے کسی کی قید نہ لگائی، دوسرے یہ کہ یہ صاحبزادیاں اولاد ہیں اور ازواج پاک والدات اور والدہ مخدومہ ہوتی ہیں۔

تیسرے یہ کہ جنت میں حضرت عائشہ صدیقہ و دیگر ازواج پاک حضور علیہ السلام کے ساتھ مقام فرمائیں گی، اور حضرت زہرا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ، ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادیوں سے ازواج پاک افضل ہیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں، کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ازواج پاک سے افضل ہیں چند وجہوں سے۔

ایک تو یہ کہ ان کا خمیر خون خیر الرسل سے ہے، یعنی ان کی طہارت ذاتی ہے، کیوں کہ جزء مصطفےٰ ہیں علیہ السلام، اور ازواج کی خارجی۔

دوسرے یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ تمام جنتی بیویوں کی سردار ہیں۔ اسی لئے ان کا لقب سیدۃ النساء۔ اور جنتی بیویوں میں حضرات امہات المومنین بھی داخل ہیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا ہمشکل محبوب ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام، چوتھے یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا حیض و نفاس سے پاک ہیں (دیکھو مدارج النبوت) اسی لئے ان کو زہرا یا کہ بتول یا کہ فاطمہ کہتے ہیں زہرا کے معنی جنت کی کلی، فاطمہ اور بتول کے معنی ہیں دنیا میں ہوتے ہوتے دنیا سے بے تعلق، ہم نے عرض کیا ہے۔

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا
کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

مبسوط سرخسی کتاب الکراہیۃ باب اللمس میں ہے کہ حضور علیہ اللہ علیہ وسلم حضرت خاتون جنت کے جسم کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے (دیکھو ہمارا دیوان، دیوان سالک) اس میں بہت سے مناقب ازواج و اولاد جمع ہیں مع شرح کے۔

مگر فیصلہ یہ ہے کہ اولاً تو ان امور میں بحث نہ کی جائے۔ جیسا کہ شامی باب الکفو میں نقل فرمایا، بلکہ دونوں حضرات ہمارے آقا ہیں، ایک تو محبوب کی محبوبہ ہیں، دوسری محبوب کی لخت جگر رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اگر قیامت میں کسی کی نعلین پاک ہاتھ آجائیں، ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔ اگر فیصلہ ہی منظور ہے تو یوں کہو کہ بعض لحاظ سے حضرت خاتون افضل اور بعض سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ تیسرا فائدہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ احکام شرعیہ میں بھی حضور علیہ السلام کی ازواج پاک دیگر بیویوں کی طرح نہیں مثلاً دیگر عورتیں بعد طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد دوسرے نکاح کر سکیں، مگر یہ حضرات سب مسلمانوں کی والدہ، دوسری بیویاں شوہر کی میراث پادیں مگر یہ حضرات نہیں، دیگر عورتوں کو احتلام ہو، مگر امہات المومنین اس سے محفوظ، کیوں کہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، اور محبوب کی ازواج تک شیطان کس طرح پہنچ سکتا ہے، دیکھو مشکوٰۃ باب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورت کے احتلام کو سن کر تعجب فرمایا، امہات المومنین نے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے سروں کے بال کترواد یئے تھے (دیکھو مسلم مقدار پانی کی غسل کی بحث) کیوں کہ اب ان کو زینت کی

ضرورت ہی نہ رہی۔ دوسری عورتوں کو بال کتروانے حرام ہیں۔ ان کے دولت خانہ میں حضور علیہ السلام دفن ہوئے۔ دوسری عورتوں کے گھروں میں ان کے شوہر دفن نہ ہوں، غرضکہ بہت سے احکام میں فرق ہے۔

فائدہ ۱۰- تمام ازواج مطہرات جہان بھر کی عورتوں سے افضل ہیں۔ مگر پھر ان میں آپس میں درجات ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باقی ازواج سے افضل ہیں، عائشہ صدیقہ تو حضور کو کنواری ملیں، اور حضور علیہ السلام خدیجۃ الکبریٰ کو بے شادی شدہ، اور نسل رسول علیہ السلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے پھیلی۔ حضرت خدیجہ کی زندگی میں اور نکاح نہ فرمایا۔ ہمیشہ حضرت خدیجہ کی طرف سے قربانی فرمائی وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ علم و فضل میں تمام عورتوں میں بے مثل کہ صحابہ کرام کے علمی اختلافات آپ طے فرماتی تھیں۔ محبوبہ محبوب رب العالمین آپ کا لقب ہوا۔ آپ کے بستر میں حضور علیہ السلام کو وحی آئی۔ حضرت جبریل نے سلام عرض کیا، حضور علیہ السلام کا وصال شریف آپ کے سینہ پاک اور گود شریف میں ہوا، آپ کا حجرہ قیامت تک فرشتوں اور انسانوں اور جنات کی زیارت گاہ بنا، کیوں کہ حضور علیہ السلام کا یہ حجرہ آخری آرام گاہ بنا، خود صدیقہ صدیق کی بیٹی سید الانبیاء کی دنیا و آخرت میں زوجہ۔

جن کا پہلو ہو نبی کی آخری آرام گاہ
جن کی حجرے میں قیامت تک نبی ہوں جاگزیں

جب آپ پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی، تو سورہ نور نے ان کی نورانیت اور بریت کو بیان فرمایا اب بھی جو مسلمان قیامت تک قرآن پڑھے گا وہ ان کی عصمت کی گواہی دے گا۔

وہ جو ہے سورہ نور جن کی گواہ ان کی نورانی صورت پہ لاکھوں سلام

آیت ۶۰- وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پارہ ۲۲، سورہ احزاب رکوع ۵) اور کسی مرد، نہ کسی مسلمان عورت کا حق ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں اور انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کے خداداد اختیارات کا بیان ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ جن کو حضور علیہ السلام نے آزاد فرمایا تھا اور وہ حضور ہی کی خدمت میں رہتے تھے، حضور علیہ السلام نے ان کے نکاح کا پیام حضرت زینب بنت جحش کے لئے دیا۔ حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی دختر تھیں یعنی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں، اس پیغام کو حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی عبداللہ ابن جحش نے منظور نہ کیا، کیوں کہ حضرت زینب قریش میں عالی خاندان کی لڑکی تھیں، اور حضرت زید اس درجہ کے خاندانی نہ تھے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور اس میں فرمایا گیا، کہ اے مسلمانو اللہ اور اس کے رسول کسی چیز کا حکم کردیں، تمہاری جانوں یا مال یا کسی کے متعلق تو تم کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں رہتا اس پر سر جھکا دینا تمہارا فرض ہے۔

اس آیت کو سن کر حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بھی اس نکاح پر تیار ہو گئے اور بخیرو خوبی نکاح ہو گیا۔ اور اس نکاح کا مہر دس دینار، ساٹھ درم، ایک جوڑا، پچاس مد کھانا، تین صاع کھجوریں حضور علیہ السلام نے حضرت زینب کو دیا، اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

اولاً یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم یکساں طور پر واجب العمل ہے۔ قرآن کے احکام اور احادیث کے احکام ایک ہی حکم میں ہیں کیوں کہ فرمایا گیا اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ جب اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام فیصلہ فرمادیں اور ہونا بھی یہ ہی چاہیے۔ کیوں کہ فرمان خدا حضور علیہ السلام نبی ہی کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں۔ حدیث و قرآن میں فرق اس قدر ہے کہ قرآن کا مضمون اور عبارت یعنی کلمات وحی سے آئے اور حدیث کا مضمون تو وحی سے آیا، مگر کلمات حضور علیہ السلام کے ہیں اسی لئے حدیث کی تلاوت نماز میں نہیں ہوتی۔ ہاں اب اگر یقینی طور پر ثابت ہو جاوے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس پر سارے احکام قرآن کے جاری ہوں گے، اور اس کا انکار کفر اس سے قرآن کا نسخ جائز ہو گا اور اگر اس کے حدیث

ہونے میں شک ہے تو اس شک کی وجہ سے انکار کفر نہ ہو گا۔ اور نہ اس سے نسخ قرآن ہو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ قرآن سے ثابت ہیں، اگر نماز کے اوقات ان کی تعداد کہ پانچ ہیں، ان کی رکعتیں، اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب، ادا کا طریقہ، روزے کے فرائض طریقہ حج اس کے ارکان غرضکہ سب چیزیں احادیث سے ہی ثابت ہیں بلکہ یہ امر کہ قرآن کے تیس پارے ہیں، اتنی سورتیں ہیں، یہ مکی ہے یہ مدنی ہے۔ اس میں فلاں جگہ آیت وغیرہ ہے یہ سب احادیث ہی سے ثابت ہیں۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ احادیث دین میں ضروری ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کی جانوں اور مالوں اور اولاد سب کے مالک ہیں جس طرح کہ مولیٰ کے حکم کے ہوتے ہوئے غلام کو کوئی حق ہی نہیں ہوتا کہ انکار کرے اسی طرح حضور علیہ السلام کے حکم پر کسی کو انکار کا حق نہیں۔ لڑکیوں کے پیغام و سلام تو جگہ جگہ سے آیا ہی کرتے ہیں۔ کسی کو منع اور کسی سے اقرار لڑکی والے کیا ہی کرتے ہیں، مگر یہ حضرت زید کا کیا پیغام تھا کہ اس کے انکار کا، نہ حضرت عبداللہ کو حق رہا نہ حضرت زینب کو یہ پیغام نہ تھا بلکہ حکم مصطفیٰ تھا، علیہ السلام، اسی طرح پیغام کے بعد خاص نکاح کے وقت لڑکی سے اذن لیتے ہیں کہ تیرا نکاح فلاں سے کردیں۔ لڑکی کو ہاں یا ناں کا اختیار رہتا ہے مگر حضرت زینب کو اس کا بھی اختیار نہ رہا یہ ہے سلطنت مصطفےٰ صلی اللہ و علی و صحابہ و بارک وسلم۔

فائدہ۔ حضور علیہ السلام کا جو فرمان بطور شاہی حکم کے ہو گا اس کے نہ ماننے کا حق کسی کو نہ ہو گا اور جو فرمان کہ بطور مشورہ ہو گا، اس کا قبول کرنا بہتر ہو گا، مگر قبول نہ کرنے کا بھی حق ہو گا۔ اسی لئے آیت میں فرمایا گیا قضیٰ یعنی فیصلہ فرمادیں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں، ان کا نکاح حضرت مغیث سے ہو چکا تھا۔ آزادی سے پہلے جس وقت ان کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ملا، انہوں نے چاہا نکاح فسخ کردوں، حضور علیہ السلام نے مغیث کی سفارش فرمائی کہ تم نکاح فسخ نہ کرو، عرض کرنے لگیں کہ یا حبیب اللہ یہ حکم ہے یا مشورہ فرمایا مشورہ ہے تو عرض کیا اگر مشورہ ہے تو میں مغیث

سے راضی نہیں ہوں اور نکاح فسخ کر دیا۔

تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اگر کوئی بھی سرکاری حکم اپنی طبیعت کے مطابق ہو تو اس پر حمد الٰہی ادا کرے اور اگر اپنی طبیعت یا اپنی رائے یا اپنی عقل کے خلاف ہو تو قصور اپنی طبیعت اور عقل کا جانے اور اپنے کو اطاعت کرنے پر مجبور کرے، انشاء اللہ اسی میں بہتری دیکھے گا اس حکم پر اعتراض کرنا بدبختی کی نشانی ہے۔ دیکھو نکاح میں کفو کا لحاظ ہوتا ہے۔ بظاہر حضرت زید حضرت زینب کے کفو کے نہ تھے، مگر جب حکم رسالت مل گیا، پھر یہ امور کیسے؟ حکم سب پر مقدم ہے۔

صاحب روح البیان نے اس آیت کے ماتحت فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے مرشد کامل کے حکم کو بے چون و چرا تسلیم کرے اور بے دھڑک اس پر اعتراض نہ کرے مولانا روم فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر　　ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو　　ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو

یعنی سفر راہ طریقت کے لئے پیر کو اختیار کرو، ورنہ خطرہ ہے، اور جب پیر پکڑ لیا تو سراپا تسلیم و رضا سے کام لو، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم میری کسی بات پر اعتراض نہ کرنا پھر فرماتے ہیں۔

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن　　گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

یعنی اگر وہ کشتی توڑے تو دم نہ مارو، اگر وہ بچہ کو قتل کرے تو سوال نہ کرو، مگر یہ احکام مرشد کامل کے ہیں ناقص مرشد تو تباہی کا باعث ہے، گمراہ پیر یا فاسق پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سخت ظلم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

مرشد کامل کون ہوتا ہے اس کی بحث ہم کریں گے انشاء اللہ زیر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ

آیت ۶۲۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (پارہ ۲۲، سورہ احزاب، رکوع ۵) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں سے پچھلے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے، اس کے متعلق چند امور قابل غور ہیں۔ اولاً تو شان نزول، دوم اس کے فائدے، تیسرے، خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنی اس آیت کا گذری ہوئی آیات سے تعلق وہ اس طرح کہ جب حضرت زینت کا نکاح حضرت زید سے کر دیا گیا، تو قضاء الٰہی کہ شوہر و بیوی میں نا اتفاقی رہی، اور حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت زینب کا نکاح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا جس کا ذکر اس آیت سے پہلے کی آیت میں ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید کی غرض ان سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی، حضرت زینب فخر فرمایا کرتی تھیں کہ سب بیویوں کا نکاح تو ان کے اہل قرابت کرتے ہیں اور میرا نکاح میرے رب نے عرش پر کیا، چونکہ حضرت زید ابن حارثہ کو حضور علیہ السلام نے اپنا فرزند فرمایا تھا اور منہ بولا بیٹا بنایا تھا، اس لئے بعض کفار نے اعتراض کیا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے فرزند کی بیوی سے نکاح کر لیا، اس اعتراض کا رب نے جواب دیا کہ یہ حرمت کے احکام تو نسبی فرزند کے لئے ہوتے ہیں ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں پھر ان کا کوئی فرزند کیونکر ہوگا اور جب فرزند ہی نہیں تو اس کی بیوی حضور علیہ السلام کو کیونکر حرام ہوگی۔

اس آیت میں چند طرح سے نعت ثابت ہو رہی ہے۔ اولاً تو یہ کہ اعتراض ہو محبوب علیہ السلام پر اور جواب دے پروردگار، پھر یہ بھی نہیں کہ ان سے فرمایا جاتا کہ محبوب آپ کہدو۔ نہیں بلکہ خود جواب دیا جس کے معنی ہوتے کہ حبیب پر اعتراض کرنا یقیناً پروردگار پر اعتراض کرنا ہے۔ اسی لئے پہلے فرمایا گیا زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے آپ کا نکاح کر دیا، کہو اب کون اعتراض کرتا ہے؟۔

دوسرے یہ کہ سارے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو نام پاک سے کہیں یاد نہ فرمایا گیا، بلکہ صرف چار جگہ ایک تو یہاں۔ دوسرے سورہ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تیسرے سورہ محمد میں بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ چوتھے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اس نام پاک کے آنے میں بہت سے مصلحتیں ہیں چار جگہ نام پاک آیا کہ لفظ محمد میں حرف بھی چار ہی ہیں، اللہ جانے چار میں کیا خصوصیت ہیں، میں نے ایک نعت میں دو شعر اسی مطلب کے عرض کیے ہیں اپنے دیوان سالک میں۔

چار رسل، فرشتے چار، چار کتب، دین چار
سلسلے دونوں چار چار، لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے اثبات
چار کا سارا ماجرا، ختم ہے چار یار میں

کلمہ محمد حضور علیہ السلام کا اسم ذاتی ہے، اور باقی اسمائے طیبہ اسمائے صفاتیہ جیسے کہ کلمہ اللہ خدا کا اسم ذاتی، باقی اسماء صفاتیہ ہیں، مگر اس کلمہ محمد کو اللہ کے ساتھ بہت ہی مناسبت ہے۔ محمد میں حرف چار ہیں۔ اللہ میں بھی چار، محمد میں تشدید ایک، اللہ میں بھی ایک، مگر لفظ اللہ کی تشدید پر الف ہے اور یہاں نہیں جس سے معلوم ہوا کہ رب سلطان اور محمد رسول اللہ وزیر اعظم، پھر اللہ بولو تو دونوں لب علیحدہ علیحدہ ہو جاویں، اور محمد بولو تو نیچے کا ہونٹ اوپر سے مل جاوے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات بلند و بالا کہ ہم بندوں کی وہاں تک رسائی ناممکن مگر محمد رسول اللہ ان نیچوں کو اس بلند و بالا تک پہنچانے والے ہیں۔

ایک نکتہ ہے محمد کے نام میں جس کو ہم نے اپنے دیوان میں اس شعر میں ادا کیا۔

تری ذات میں جو فنا ہوا، وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹاتے وہ خود مٹے، وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

لفظ محمد کے عدد بانوے اور بانوے میں دہائی نو کی ہے، اور نو کے عدد میں عجب تماشہ ہے کہ نو کو سارے پہاڑے میں گن جاؤ مگر نو ہی رہتا ہے۔ ۹، ۱۸، ۲۷، ۳۶، ۴۵، ۵۴، ۶۳، ۷۲،

۸۱، ۹۰۔ ان کے مکتوبی عددوں کو ملاؤ، تو نو ہی بن رہے ہیں، اسی طرح ایک سے لے کر نو تک کہ اکائیاں لو، جن کناروں کی اکائیاں ملاؤ گے تو نو ہی بنے گا جیسے کہ ۱، اور ۸، ۲ اور ۷، ۳ اور ۶، ۴ اور ۵۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں بارہ حرف ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں بھی بارہ حرف ہیں، اسی طرح ابو بکر صدیق اور عمر ابن الخطاب ابن عفان اور علی بن ابو طالب کہ ان سب میں بارہ بارہ حرف ہیں۔ اس لفظ محمد میں بہت سے تاثیرات ہیں، اگر کسی کے فقط لڑکیاں ہوتی ہوں تو اپنی حاملہ بیوی کے شکم پر انگلی سے لکھ دیا کرے مَنْ کَانَ فِیْ هٰذَا الْبَطْنِ فَاسْمُهٗ مُحَمَّدٌ چالیس روز تک یہ عمل کیا جاوے، مگر شروع حمل ہو، تو انشاء اللہ لڑکا ہی پیدا ہوگا، اور جس بچہ کا نام محمد ہو اس کا ادب و احترام کیا جاوے، مگر شروع بگاڑ کو نہ لیا جاوے، غرضکہ اس کے بہت سے آداب ہیں (روح البیان)۔

لفظ محمد کے کچھ خصوصیات ہم قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ محمد کے معنے ہیں ہر طرح تعریف کے لائق کہ اس میں نقص اور عیب کی گنجائش نہ ہو، جو ان کو محمد کہہ کر ان میں عیب نکالے وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے، اسی لئے کفار آپ کو مذمم کہہ کر بکواس کیا کرتے تھے، سرکار نے فرمایا کہ رب نے مجھے ان کی گالیوں سے بچا لیا، کہ وہ مذمم برا کہتے ہیں اور ہم محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، یا اس کے معنی ہیں سراپا ہوا، یعنی خالق بھی آپ کی تعریف فرماتا ہے اور ساری مخلوق بھی اور ہمیشہ آپ تعریف کئے ہوتے کہ دنیا کی آفرینش سے پہلے آپ کی تعریف شروع ہوئی اور قیامت تک بلکہ ہمیشہ آپ کی تعریف ہوتی رہے گی۔ اور ہر جگہ تعریف کیا ہوا عرش و فرش، بحر و بر دشت و جبل ہر جگہ حضور کی تعریف ہے۔ محمد میں دو میم، ایک ح اور ایک دال ہے، دو میم سے مراد ملک دنیا و آخرت ہے، ح سے مراد رحمت اور دال سے مراد دائمی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہان کی دائمی رحمت (دیکھو دلائل الخیرات شریف) اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں فرمایا گیا کہ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں یعنی حضرت فاطمہ زہرا، رقیہ، و کلثوم و زینب رضی اللہ عنہن کے والد ہیں، مرد کے باپ

نہیں، رہے حضرت ابراہیم اور طیب و طاہر و قاسم رضی اللہ عنہم وہ بچپن شریف ہی میں وفات پا گئے ان کو مرد نہ کہا جائے گا۔ ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام کو باپ کہہ کر پکارے تو بھائی کہہ کر پکارنا بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں فرمایا گیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں سب سے پچھلے نبی خاتم ختم سے مشتق اور ختم کے معنی مہر کے بھی ہیں اور آخری کے بھی، بلکہ مہر کو بھی خاتم اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ مضمون کے آخر میں لگائی جاتی ہے یا یہ کہ جب کسی تھیلے پر مہر لگ گئی، تو اب کوئی چیز باہر کی اندر اور اندر کی باہر نہیں جا سکتی، اسی طرح یہ آخری مہر لگ چکی، باغ نبوت کا آخری پھول کھل چکا۔ خود حضور علیہ السلام نے خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنی فرمائے ہیں کہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اب جو شخص کسی طرح کا ظلی، بروزی، اصلی عارضی، مراقی، مذاقی، شرابی، افیونی، نبی حضور علیہ السلام کے بعد مانے وہ بیدین اور مرتد ہے۔

اسی طرح جو خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنی کرے بالذات نبی اور کسی نبی کا آنا ممکن جانے وہ مرتد ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک تشریف لائیں گے، مگر وہ پہلے کے نبی ہوں گے نہ کہ بعد کے، اور اب امتی کی حیثیت سے تشریف فرما ہوں گے، آخری فرزند کے معنی ہوتے ہیں، کہ اس کے بعد کوئی فرزند پیدا نہ ہوا نہ کہ پہلے والے بھی وفات پا گئے، تو اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر، حضرت ادریس، حضرت الیاس علیہم السلام کے زمانہ میں زندہ رہے اور اب بھی زندہ ہیں اور حضور علیہ السلام کی آمد پر سب کے احکام منسوخ ہو گئے۔ اب بعد میں نبوت نہ ملی، جیسے کہ آفتاب کے نکلنے پر جو تارا جس جگہ پر ہوتا ہے، وہاں ہی چھپ جاتا ہے، تو خضر و الیاس زمین پر زندہ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام آسمانوں پر، مگر جہاں بھی جو تھے ان کے احکام وہاں ہی ختم ہو گئے۔

سب جگمگاتے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

اگر ایک مجسٹریٹ دوسرے مجسٹریٹ کی کچہری میں گواہی دینے جاوے، تو اگرچہ وہ اپنے حلقہ کا جج ہے مگر یہاں گواہ کی حیثیت سے حاضر ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اپنے زمانہ کے نبی ہیں مگر اب جو آئیں گے سلطنت مصطفٰی میں آئیں گے، نبوت کا ظہور نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ نبوت کا تعلق ایک رب سے ہے، رفع درجات تقرب وغیرہ کا، اور ایک مخلوق سے تبلیغ احکام کا، تو جو قرب الٰہی ان کو حاصل ہو چکا ہے، وہ تو کبھی بھی زائل نہیں ہو سکتا، ہاں مخلوق کو تبلیغ فرمانا، وہ ختم ہو گیا اپنے احکام کی تبلیغ نہیں فرما سکتے، آخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے گئے تو فرمایا کہ اے موسیٰ آپ بنی اسرائیل کے نبی ہیں میرے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا یعنی میں آپ کے حلقے میں نہیں ہوں، فرمایا بہت اچھا۔ اب جو کچھ کام خضر سے واقع ہوتے، وہ دین موسیٰ کے سراسر خلاف تھے کہ بچہ کو گناہ سے پہلے ہی ختم کر دیا وغیرہ وغیرہ، مگر موسیٰ علیہ السلام ان پر اپنے احکام جاری نہ فرما سکے، آخر یہ کیوں؟ کیا نبی نہ رہے تھے، نبی تو تھے مگر یہاں تبلیغ نہ فرما سکتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زمانہ محمدی کا حال ہے، یہ مختصر سی تقریر انشاء اللہ بہت ہی نفع دے گی۔ اگر غور کیا جاوے۔

آیت ۶۳۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (پارہ ۲۲، سورہ احزاب، رکوع ۶) اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا چراغ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کی بہت سی خاص صفتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس آیت میں آٹھ امور قابل غور ہیں۔ یا سے بحث، اَلنَّبِیُّ، اَرْسَلْنٰكَ، شٰهِدًا، مُبَشِّرًا، نَذِیْرًا، دَاعِیًا، سِرَاجًا، مُنِیْرًا۔ اگر ان آٹھ کی پوری تفصیل کی جاوے، تو آٹھ دفتر درکار ہیں کچھ خاص چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) یا پکارنے کا کلمہ ہے، اور پکارنا چند مصلحتوں سے ہوتا ہے، غافل کو متوجہ کرنا عتاب کا اظہار جیسے او خبیث! بزرگی کا اظہار جیسے یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، تکوین، تاثیر (شی کو بتانا) اظہار

محبت، جیسے کہ اے پیارے وغیرہ۔ یہاں یا اظہار محبت کے لئے ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام ایک آن کے لئے بھی رب سے غافل نہیں، اسی لئے اچھے القاب سے خطاب کیا جاتا ہے۔

(۲) نبی کے معنی دو ہیں، خبریں دینے والا، یا بڑے درجہ والا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے تو ہیں مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کیوں کہ آگے آرہا ہے شاھِدًا گواہ وغیرہ اور یہ خبریں ہی ہیں، حضور علیہ السلام نبی بھی ہیں، رسول بھی، مزمل بھی، مدثر بھی، مگر یہاں نبی سے اس لئے خطاب فرمایا کہ آگے اَرسلنا میں رسالت کا ذکر آتا ہے، تو اب نبوت اور رسالت دونوں ذکر ہوگئیں۔

نیز نبی سے مراد تو لی جاوے ہماری خبریں بندوں کو پہنچانے والے اور شاہد یعنی گواہ سے مراد ہو کہ بندوں کی خبریں ہم کو دینے والے بروز قیامت، یا نبی ہماری خبریں دینے والے اور شاہد جنت و دوزخ کی گواہی دینے والے تو بہت پر لطف بات ہوگی۔ اَرسلنٰکَ سے ادھر اشارہ ہے کہ چونکہ ہم نے آپ کو بھیجا اس لئے آپ کی تعظیم و توہین ہماری تعظیم و توہین ہے اور آپ پر اعتراض ہے اسی لئے رب نے حضور علیہ السلام کی طرف سے جوابات دیئے۔

(۳) شاہد کے تین معنی ہیں، گواہ، موجود، حاضر، محبوب اور حقیقتاً شاہد تو حاضر ہی کو کہتے ہیں۔ عَالِمُ الغَیبِ وَالشَّھَادَۃِ، گواہ اور محبوب کو بھی اسی لئے شاہد کہتے ہیں کہ گواہ تو واقعہ واردات پر موجود تھا اور محبوب عاشق کے دل میں حاضر رہتا ہے، اور یہاں سب معنی بن سکتے ہیں گواہ کے معنی تو اس لئے کہ حضور علیہ السلام قیامت کے بعد سب کی گواہی دیں گے وَجِئنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیدًا نیز تمام انبیاء نے جنت و دوزخ کی گواہی سن کر دی، اور حضور علیہ السلام نے گواہی معراج میں دیکھ کر دی، اسی لئے آپ شاہد حقیقی ہیں، لہذا آپ جس کے ایمان یا کفر کی گواہی دے دیں، تو ممکن نہیں کہ اس کے خلاف ہو جاوے اب جو کوئی حضرت صدیق و فاروق وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ایمان میں شک کرے، وہ خود بے دین ہے، کہ وہ حضور کی شہادت کی صداقت میں شک کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے ایمان کی حضور نے گواہی

دی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے سرکاری گواہ ہیں، اور سرکاری گواہ کی گواہی بغیر جرح کے قبول ہوتی ہے، بلکہ جو اس گواہ پر جرح کرے وہ مجرم ہوتا ہے۔ سول سرجن جسے بیمار کہدے یا انجینئر جس مکان کو کمزور بتادے یا یونیورسٹی جسے پاس کرکے اس کے علم و فضل کی گواہی دے دے اسے حکومت بغیر جرح قبول کرلیتی ہے۔ اسی طرح حضور علیہ وسلم جس کے ایمان کی گواہی دیدیں، وہ رب تعالیٰ کے ہاں بلا جرح قبول ہوتی ہے، نیز مقدمہ کا دارومدار اور فریقین کی ہار و جیت صرف گواہی پر ہوتی ہے۔ اگر گواہ قوی ہے تو وکیل بھی قوی۔ اور حاکم کا فیصلہ بھی چست ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

دنیا میں ثبوت توحید کا دارومدار حضور علیہ السلام پر ہے، اور آخرت میں تمام خلق کے جنتی و دوزخی ہونے کا دارومدار حضور علیہ السلام پر ہے، وہاں سارے حضور علیہ السلام ہی کا منہ تکیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام دنیا میں خالق کے گواہ ہیں اور آخرت میں مخلوق کے گواہ۔

گواہ میں بہت صفات ہوتی ہیں، مگر تین صفات لازم ہیں۔

(۱) گواہ گواہی حاصل کرتے وقت واردات کے موقع پر حاضر ہوکر مشاہدہ کرے اور گواہی دیتے وقت حاکم کے روبرو حاضر ہو، اسی لئے اسے شاہد یا شہید کہتے ہیں یعنی حاضر۔

(۲) مدعی کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ، گواہ کامیاب ہو، تاکہ مقدمہ کامیاب ہو، مدعا علیہ گواہ کے ناکام کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہی گواہ پر جرح کرتا ہے، وہ ہی گواہ کے علم پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گواہ بے خبر ہے۔

(۳) گواہ پر اعتراض در پردہ مدعی پر اعتراض ہے، اسی لئے گواہ کا دشمن ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں خلق کے سامنے خالق کے، جنت و دوزخ کے اور تمام غیبی چیزوں کے گواہ ہیں۔ لہٰذا دنیا میں تشریف آوری سے پہلے خالق کے قرب خاص میں رہ کر تمام چیزوں کا مشاہدہ فرماکر یہاں تشریف لائے اور آخرت میں خالق کے سامنے مخلوق کے گواہ ہوں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر مخلوق کے ہر حال سے باخبر ہوں، ورنہ گواہی کیسی؟ نیز آج جو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے علم پر اعتراض کر رہے ہیں، سمجھ لو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی ان کے خلاف ہونے والی ہے، اور یہ لوگ مدعا علیہ ہیں۔ کیونکہ گواہ کے علم کی تنقیص وہ کریگا جس کے خلاف گواہی ہو۔

نیز حضور علیہ السلام کے علم اور کمالات کی مخالفت درپردہ رب تعالیٰ کی مخالفت ہے، کیوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رب تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

خیال رہے کہ حضور علیہ وسلم کی گواہی چار طرح کی ہے، خالق کے گواہ مخلوق کے سامنے مخلوق کے گواہ خالق کے سامنے، خالق کے گواہ خالق کے پاس، مخلوق کے گواہ مخلوق کے سامنے، جس کے جنتی ہونے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گواہی دیں، وہ یقیناً جنتی ہے، جسے اچھا کہدیں، وہ اچھا ہے جسے برا کہدیں وہ برا ہے۔ جس چیز کو حلال فرمادیں وہ حلال ہے جسے حرام کہدیں وہ حرام۔ کیونکہ گواہ مطلق ہیں اس شاہد رب العالمین کے منہ سے جو نکلے وہ حق، جیسے سونے کی کان سے لوہا نہیں نکل سکتا، ایسے ہی اس شہ پروردگار کی زبان سے باطل نہیں نکلتا اور حاضر کے معنی بھی ہوسکتے ہیں، یعنی آپ عالم کے ذرہ ذرہ میں حاضر و ناظر ہیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق ہم تفسیر نعیمی پارہ دوم میں کر چکے ہیں۔ اور اگر پوری تحقیق اس مسئلہ کی دیکھنا ہے تو کتاب جَآءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ میں ملاحظہ کرو، جس میں حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا قرآنی آیات و احادیث اور اقوال محدثین و مفسرین سے ثابت کیا گیا ہے جس کا انشاء اللہ مخالف سے جواب نہ بنے گا۔

یہاں اتنا سمجھ لو کہ آج حکیم یہ کہتے ہیں کہ دوا کی طاقت مرض سے زیادہ ہونا چاہیئے، تاکہ مرض کو دبا سکے ورنہ دوا خود مرض سے دب جاوے گی، شیطان بیماری ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم علاج، جب شیطان کو یہ قوت دی گئی ہے کہ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (قرآن) کہ وہ اس کی ذریت تم سب کو ہروقت دیکھتے ہیں، اور شیطان سارے عالم پر نگاہ رکھتا ہے، کہ جہاں کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس نے آکر بہکایا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل بے خبر رکھا جائے تو رب تعالیٰ پر اعتراض ہوگا کہ اس نے بیماری قوی پیدا کی دوا کمزور۔

لہذا ضروری ہے کہ حضور کو ہدایت دینے کے لئے ہر وقت ہر ایک کی خبر ہو۔

نکتہ:- عربی قاعدہ سے شاھِدًا حال ہے تو معنے یہ ہوئے کہ ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ آپ حاضر و ناظر ہیں یعنی بھیجنے سے پہلے آپ حاضر و ناظر ہو چکے تھے جیسے کوئی کہے زید آیا سوار یعنی آنے سے پہلے سوار ہو چکا تھا، تو معنی یہ ہوئے کہ آپ دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی عالم میں حاضر تھے اور پردہ فرمانے کے بعد بھی حاضر ہیں۔

چنانچہ صاحب روح البیان پارہ ۲۶، سورہ فتح زیر آیت اِنَّا اَرسلنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبشِرًا وَّ نَذِیرًا فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کے پیدا ہونے سے پہلے رب کی وحدانیت اور ربوبیت کو مشاہدہ فرماتے تھے، اور جو ارواح، نفوس، اجسام، حیوانات، نباتات، جن، شیاطین، فرشتے اور انسان پیدا کئے گئے۔ ان کے پیدا ہونے کو ملاحظہ فرمارہے تھے۔ اسی طرح تمام مخلوقات کے ہر ہر کام اور سزا و جزا، شیطان کا اول عابد ہونا، بعد میں گمراہ ہونا، حضرت آدم علیہ السلام کا خطا فرمانا، بعد میں توبہ قبول ہونا، جنت میں رہنا، بعد میں زمین پر آنا، انبیاء کا دنیا میں آنا، ان کا تبلیغ فرمانا، قوموں کا ان کے ساتھ اچھا یا برا سلوک کرنا، غرضکہ ایک ایک واقعہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر تھا، اسی لئے فرمایا گیا، عَلِمتُ مَا کَانَ وَ مَاسَیَکُونُ جان لیا ہم نے جو کچھ ہو چکا اور ہوگا، اور کیوں نہ ہو تاکہ دنیا کا وجود آپ کے وجود سے ہے، اور ہر نبی کے علوم حضرت آدم کے صحیفے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تمام پیغمبروں کے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا حصہ ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر نیک بخت پر کرم مصطفیٰ رہتا ہے اور حضور ہی رقیب اور عتید ہیں، جب کبھی حضور علیہ السلام کسی سے بے توجہی فرمالیتے ہیں تو وہ بد بخت بنتا ہے، اور گناہ کرتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کا ہونا اس سبب سے ہوا، کہ توجہ محبوب علیہ السلام کچھ ہٹ گئی تھی اور اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکال لیا جاتا ہے اور جب اس سے ہٹتا ہے ایمان واپس ہوتا ہے، ایمان توجہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس توجیہ پر شاھدًا کے معنیٰ

حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا، علم غیب اور امداد بخوبی ثابت ہوئیں۔

اور شاہد کے معنے محبوب بھی ہو سکتے ہیں، اور واقعی آپ عالم کے محبوب ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام، انسان جن، ملائکہ اور لکڑی، پتھر، درخت وغیرہ سب ہی آپ سے محبت کرتے ہیں، احد پہاڑ محبت کرتا ہے، لکڑیاں فراق میں روتی ہیں، جانور آپ کو دیکھ کر دامن پاک سے لپٹ کر روتے ہیں، ہرن فریادیں کرتے ہیں، غرضکہ

در ہر دلے سودائے تو، عالم ہمہ شیدائے تو

انبیائے کرام کی محبوبیت بھی ان کا معجزہ ہے، رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّی انہیں جو دیکھتا ہے عاشق ہو جاتا ہے۔ آسیہ نے دیکھ کر فرمایا قُرَّۃُ عَیْنٍ لِّی وَلَکَ اے فرعون یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ حسن یوسفی اور آواز داؤدی اسی محبوبیت کے لئے عطا ہوئے، جیسے حضور علیہ السلام کے تمام معجزات اعلیٰ ہیں، ایسے ہی آپ کی محبوبیت زمانہ اور مکان کی پابند نہیں، آج نہ کوئی حسن یوسفی کا عاشق ہے نہ لحن داؤدی پر فدا، کسی محبوب کا غائبانہ عاشق کوئی نہیں ہوا، لیکن حضور کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج بھی بغیر دیکھے کروڑوں ان کے نام پر جانیں فدا کر رہے ہیں۔ حسن یوسف کے چاہنے والوں نے دیدار یوسفی کے لئے روپے خرچ کئے مگر حضور علیہ السلام کے نام پر سر فدا ہو رہے ہیں، یہ جلسے، جلوس، وعظ، مدرسے سب حضور ہی کی خاطر ہیں، پھر دوسروں کے عاشق انسان ہوئے، مگر حضور علیہ السلام کے عاشق انسان ہی نہیں بلکہ خشک لکڑیاں ان کے فراق میں روتی ہیں، کنکر، پتھر ان پر قربان ہیں ان کی جدائی میں آنسو بہاتے ہیں غرضکہ خدا کی محبوب ہیں اور خدائی کے محبوب۔

(۴) مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ میں تین صفتوں کا ذکر ہے، خوش خبریاں دینا، ڈرانا، اللہ کی طرف بلانا، اگرچہ پہلے انبیائے کرام نے بھی یہ فرائض انجام دیئے، مگر ان کی تبلیغ میں اور حضور علیہ السلام کی تبلیغ میں تین طرح فرق ہے، اولاً تو وہ حضرات سن کر یہ کام انجام دیتے تھے اور حضور علیہ السلام دیکھ کر، دوسرے وہ خاص جماعتوں کے نبی اور مبشر و نذیر تھے

اور حضور علیہ السلام تمام عالم کے بشیر اور نذیر، اور دوسرے پیغمبر خاص وقت تک کے لئے مبلغ اور بشیر و نذیر، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک کے لئے، آج جو تبلیغ بذریعہ علماء و مشائخ و قرآن ہو رہی ہے، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تبلیغ ہے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے اس جگہ ان تین صفتوں سے آپ کو موصوف کیا، صاحب روح البیان سورہ فتح زیر آیت اِنَّا اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی امتوں کی بروز قیامت ۴۰ صفیں ہوں گی مگر حضور علیہ السلام کی امت کی ۸۰ صفوف۔

(۵) حضور علیہ السلام کو اس آیت میں فرمایا گیا چمکانے والا، سراج قرآن میں آفتاب کو بھی فرمایا گیا ہے سِرَاجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا اگر مراد سورج ہے، تو آپ بھی آسمان ہدایت کے سورج ہیں، کہ سورج سے سب روشن ہوتے ہیں، وہ کسی سے روشن نہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام سے سب منور مگر حضور کسی سے مستنیر نہیں صلی اللہ علیہ وسلم، اگر اس کے معنے چراغ کئے جاویں تو بھی بالکل درست ہے۔ چراغ سے تاریکی دور ہوتی ہے، حضور علیہ السلام سے تاریکی جہل و کفر دور ہوئی، چراغ سے گمی ہوئی چیز تلاش کی جاتی ہے حضور علیہ السلام سے گمی ہوئی راہ ہدایت ملی۔ چراغ گھر والے کے لئے رحمت اور چور کے لئے زحمت اسی طرح حضور علیہ السلام مومن کے محافظ اور شیطان چور کو دفع فرمانے والے۔ ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلاؤ مگر اس چراغ کے نور میں کمی نہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے نور سے سب منور مگر نور مصطفیٰ علیہ السلام میں کمی نہیں چراغ ہر طرف اپنا نور دیتا ہے حضور نے بھی ہر طرف منور فرمایا فرش کو بھی، عرش کو بھی، چراغ کی آگ اوپر کو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام بھی معراج میں اوپر تشریف لے گئے ایسے اوپر کہ جہاں کوئی فرشتہ بھی نہ پہنچ سکے، چراغ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے، حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ کو چمکا کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

(۶) منیرا اس لئے فرمایا کہ اور چراغ کے نیچے اندھیرا رہتا ہے۔ مگر یہ چراغ نیچے، اوپر ہر طرف روشنی دیتا ہے اور چراغ صرف ظاہر کو چمکاتے ہیں۔ مگر یہ چراغ ظاہر و باطن دونوں کو، اور چراغ ہوا سے گل ہو جاتے ہیں، مگر اس چراغ محمدی کو جو بجھانا چاہے، وہ خود بجھ جاتا ہے اور

چراغ دن میں بے کار ہوتے ہیں مگر یہ چراغ ہمیشہ منور کرنے والا ہے۔

رات میں ہر گلی کوچہ میں مختلف چراغوں، بجلیوں سے روشنی لی جاتی ہے، مگر آفتاب نکلتے ہی سب بجھا دیئے جاتے ہیں پہلے ہر شہر، ہر قبیلے میں انبیاء تھے، اب صرف حضور ہی کی نبوت سارے جہان میں ہے رات میں چوری ہوتی ہے دن میں نہیں، حضور سے پہلے کتب الہیہ میں چوری ہوئی تحریفیں کی گئیں، شیاطین بھی ملائکہ کی باتوں کی چوری کیا کرتے تھے، اس آفتاب ہدایت کے چمکتے ہی ساری چوریاں بند ہو گئیں، قرآن میں چوری تحریف ناممکن ہو گئی، اور شیطان چور کا آسمان پر جانا بند ہوا، اسے رجم کیا جانے لگا، کیوں کہ آفتاب ہدایت طلوع ہو گیا، دن نکل آیا۔

لطیفہ:۔ بعض مشائخ نے کہا کہ قرآن میں حضور کو سراج کہا گیا اور آفتاب کو بھی اس لئے کہ آفتاب کو چند طرح سے حضور علیہ السلام سے نسبت ہے، وہ چراغ آسمان، حضور علیہ السلام سراج زمین و آسمان وہ چراغ دنیا، حضور چراغ دین، وہ چراغ بروج، آپ چراغ محافل، وہ چراغ اجسام، آپ چراغ ایمان اس چراغ کے نکلنے سے لوگ بیدار ہوتے ہیں نیند سے، اس چراغ سے لوگ عدم سے وجود میں آتے صلی اللہ علیہ وعلیٰ واصحابہ و بارک وسلم۔

آیت ۶۴۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ (پارہ ۲۲، سورہ احزاب، رکوع ۷) اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب کہ اجازت نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لئے بلاتے جاؤ، نہ کہ یہ کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت پاک ہے، اس میں مسلمانوں کو اس دولت خانہ کا ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ جس میں وہ آفتاب نبوت جلوہ گر تھا۔

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا، اور دعوت ولیمہ کی، لوگ جماعت جماعت سے آتے تھے اور کھاتے جاتے تھے، لوگ کھا کر گئے، مگر تین شخص کھانا کھا کر اسی جگہ باتوں میں مشغول ہو گئے اور باتوں کا سلسلہ اس قدر دراز ہو گیا کہ ان کا بیٹھنا حضور علیہ السلام پر بھاری معلوم ہوا۔ حضور

علیہ السلام اس جگہ سے اس لئے اٹھے کہ یہ لوگ بھی ہم کو قیام فرما دیکھ کر اٹھ جاویں، مگر وہ حضرات نہ سمجھے، مکان تنگ تھا، گھر والوں کو بھی ان کی وجہ سے تکلیف ہوئی۔ حضور علیہ السلام وہاں سے اٹھ کر حجروں میں تشریف لے گئے، دورہ فرما کر جو تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام یہ دیکھ کر پھر واپس ہو گئے۔ تب ان لوگوں کو خیال ہوا اور اٹھ گئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری اس میں چند باتوں کی مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

اولاً تو یہ کہ اجازت اس دولت خانہ میں نہ آؤ، دوسرے یہ کہ اگر تمہاری دعوت کی جاوے تو کھانا پکنے سے پہلے ہی نہ آجاؤ، کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرو، تیسرے یہ کہ کھانا کھا کر اب بلاوجہ نہ بیٹھو، بلکہ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ، اس گھر کے بھی قربان اور گھر والے شہنشاہ کے بھی قربان جس کا ادب رب العالمین سکھا رہا ہے اور الذین امنوا میں اگر ملائکہ بھی داخل ہوں تو کیا تعجب ہے، ملائکہ بھی یہ ہی ادب کرتے ہیں کہ بغیر اجازت اس گھر میں نہیں جاتے۔

وفات کے وقت ملک الموت نے اہل بیت سے داخلہ کے لئے اذن طلب کیا، فاطمہ زہرا کے منع کرنے پر واپس نہ ہوئے کہ رب کے بھیجے ہوئے تھے، مگر اجازت سے گھر میں آئے۔

بے اجازت ان کے گھر میں جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت

اس آیت سے حضور علیہ السلام کا خلق اور کمال حیا اور شان معلوم ہوئی کہ اگرچہ کسی سے تکلیف پہنچے، مگر خود نہیں فرماتے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دعوت کسی جگہ نہ جاؤ اور بلاضرورت کسی کے مہمان نہ بنو کہ اس پر بوجھ پڑ جاؤ، واللہ اعلم بالصواب۔

آیت ۶۵۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب رکوع ۷) تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اس نبی پر اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے۔ اس میں مسلمانوں کو اس ذات پاک پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر لطف یہ ہے کہ قرآن کریم نے بہت سے حکم سنائے نماز کا، روزہ کا، حج وغیرہ کا، ایمان کا حکم دیا، مگر کسی جگہ یہ نہ فرمایا کہ یہ کام ہم بھی کرتے ہیں، ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں تم بھی کرو، صرف درود پاک کے لئے اس طرح فرمایا، وجہ بالکل ظاہر ہے کیوں کہ کوئی بھی ایسا نہیں جو کہ رب کا بھی ہو اور بندے بھی اس کو کریں، رب تعالیٰ کے کام ہم نہیں کرسکتے اور ہمارے کاموں سے رب تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ رب کا کام ہے پیدا فرمانا، رزق دینا، مارنا، جلانا، یہ بندے ہرگز نہیں کرسکتے، ہمارا کام ہے عبادت کرنا، اطاعت کرنا وغیرہ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے، اگر کوئی ایسا کام ہے جو رب کریم کا بھی ہو، ملائکہ بھی کرتے ہوں اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہو وہ صرف آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے، جیسے کہ ہلال پر سب کی نظریں جمع ہو جاتی ہیں اسی طرح مدینہ کے چاند پر ساری مخلوق کی اور خالق کی بھی نظر ہے حضور کی ذات جامع ہے، ہندی شاعر نے کہا ہے۔

آج چندر دیوج ہے سب دیکھی باکی اور
میری اور سجن کی نیناں پڑیں گے ایک ٹھور

اگرچہ رب تعالیٰ کا درود ہے رحمت نازل فرمانا، فرشتوں کا درود ہے، دعائے رحمت کرنا، مگر تعظیم مصطفےٰ علیہ السلام سب میں مشترک ہے۔

نکتہ:- اس آیت میں اولاً تو خبر دے دی کہ ہم ہر آن اور ہر وقت رحمتوں کی بارش برساتے ہیں، اپنے محبوب علیہ السلام پر اور پھر ہم کو حکم دیا کہ تم بھی ان پر درود پڑھو یعنی ہم سے ان کے لئے رحمت مانگو اور مانگی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے سے حاصل نہ ہو تو جب ہمارے بغیر رحمتیں اتر رہی ہیں، پھر مانگنے کا حکم کیوں دیا؟

وجہ یہ ہے کہ فقیر جب کسی دروازے پر مانگنے جاتا ہے تو گھر والے کی اولاد اور مال کی دعائیں مانگتا ہوا جاتا ہے، مالک کا گھر آباد، بچے زندہ، مال سلامت رہے، مالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ

تہذیب والا بھکاری ہے۔ مانگنا چاہتا ہے مگر ہمارے بچوں کی خیر مانگ رہا ہے۔ یہاں حکم دیا گیا کہ اے مسلمانو! جب تم ہمارے یہاں کچھ مانگنے کے لئے آؤ تو ہم اولاد سے پاک ہیں، مگر ہمارا ایک حبیب ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اس کے اہل بیت واصحاب کی خیر مانگتے ہوئے ان کو دعائیں دیتے ہوئے آؤ تو جن رحمتوں کی ان پر بارش ہو رہی ہے ان کا تم پر بھی ایک چھینٹا مار دیا جاوے گا، درود پڑھنا حقیقت میں رب سے مانگنے کی ایک ترکیب ہے۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

نیز اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا گیا کہ اے درود پڑھنے والو یہ خیال نہ کرنا کہ ہمارے محبوب پر ہماری رحمتیں تمہارے مانگنے پر موقوف ہیں۔ ہمارے محبوب تمہارے درود کے حاجتمند ہیں جیسے ممبر ووٹ کے ہیں۔ تم درود پڑھو یا نہ پڑھو، ان پر ہماری رحمتیں برابر برستی رہتی ہیں۔ تمہاری پیدائش اور تمہارا درود شریف پڑھنا تو کل سے ہوا ان پر رحمتوں کی بارش تو جب سے ہو رہی ہے جبکہ جب اور کب بھی نہ بنا تھا، جہاں وہاں کہاں سے پہلے ان پر رحمتیں ہیں، تم سے دعا منگوانا تمہارے بھلے کے لئے ہے۔ جب رب تعالیٰ حمد و ثنا کا حاجت مند نہیں کہ وہ محمود ہے خواہ کوئی حمد کرے یا نہ کرے، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی نعت خوانی کے حاجت مندر نہیں وہ محمد ہیں خواہ کوئی ان کی کوئی نعت پڑھے یا نہ پڑھے حمد الٰہی کے لئے حضور کافی اور نعت مصطفائی کے لئے رب بس ہے۔

اسی وجہ سے ہر دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص تمام دعائیں چھوڑ دے اور صرف درود پاک ہی پڑھا کرے، تو خدا چاہے کسی دعا کی ضرورت ہی نہ پڑے گی تمام حاجتیں خود بخود پوری ہوں گی۔

مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کس قدر درود شریف آپ پر پڑھا کروں؟ فرمایا جس قدر چاہو، عرض کیا چوتھائی پڑھو یعنی تین حصہ دیگر وظیفے اور

دعائیں اور چوتھائی حصہ درود شریف فرمایا جتنا چاہو، مگر درود اور زیادہ کرو تو بہتر ہے، عرض کیا کہ آدھا، فرمایا جتنا چاہو، مگر درود اگر اور زیادہ کرو تو بہتر ہے، عرض کیا کہ اچھا دو تہائی درود شرف فرمایا جس قدر چاہو مگر اگر درود اور زیادہ کرو تو بہتر ہے عرض کیا کہ کل وقت درود شریف ہی پڑھا کروں گا، یعنی بجائے دعاؤں اور وظیفوں کے صرف درود پڑھا کروں گا، فرمایا اِذًا یَکْفِی هَمَّکَ وَ یَکْفُرُلَکَ ذَنبکَ تو یہ درود تمہارے ساری رنج و غم کو کافی ہے، اور تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔

درود شریف کے متعلق تین باتیں عرض کرتا ہوں، اولاً تو یہ کہ اس کے فضائل کیا ہیں؟ دوسرے یہ کہ کونسا درود شریف پڑھنا بہتر یا ضروری ہے، اور درود شریف پڑھنا واجب ہے یا فرض یا سنت، تیسرے یہ کہ نبی علیہ السلام کے سوا کسی اور پر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

(۱) درود پاک کے فضائل بے شمار ہیں جن کے لکھنے کو دفتر چاہیئے۔ اگر کچھ ان کی تفصیل دیکھنا ہو تو تفسیر روح البیان یہ ہی آیت اور مدارج النبوت اور نسیم الریاض، شرح شفا قاضی عیاض اور مواہب لدنیہ کا مطالعہ کرو، مگر بطور اختصار کچھ یہاں عرض کئے جاتے ہیں۔

مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے مجھ پر ایک بات درود پڑھا، خدائے پاک اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور دس گناہ معاف فرماتا ہے اور دس درجات بلند کرتا ہے، یعنی اگر کوئی روزانہ ایک ہزار بار درود شریف پڑھے تو روزانہ دس ہزار گناہ معاف دس ہزار درجہ بلند اور دس ہزار رحمتوں کا نزول، اگر ساری عمر یہ عمل کیا جاوے تو اب حساب لگالو، کس قدر فائدہ ہوا۔

اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے گا۔ اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہاری دعائیں آسمانوں اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہیں، جب تک تم درود پاک نہ پڑھ لو، اور چاہیئے یہ کہ ہماری دعائیں درمیان میں ہوں اور آس پاس درود پاک رہے۔ کیونکہ قبول تو درود ہوتا ہے اور رحمت الٰہی سے بعید ہے کہ درود تو قبول فرمالے، اور درمیان

کی دعا کو رد فرمادے، درود شریف کے طفیل دعا بھی قبول ہو جاوے گی اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ اللہ کے فرشتے پھرتے رہتے ہیں، اور درود پاک پڑھنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں، جب کوئی بھی درود شریف پڑھتا ہے تو اس کا درود ہماری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

سبحان اللہ درود پاک کے قربان کہ اس کی برکت سے ہم گنہگاروں کے نام اس بارگاہ بیکس پناہ میں لئے جاویں، بھلا ایسی کہا تقدیر، اس سے یہ لازم نہیں کہ دور سے درود حضور نہ سنیں ملائکہ تو رب کی بارگاہ میں اعمال بھی لے جاتے ہیں۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ درود پڑھنا بہت ضروری ہے دو وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرے تو چاہیئے کہ محسن کا بدلہ دیا جاوے، اگر بدلہ نہ ہوسکے تو کم سے کم اس کے لئے دعا کردی جاوے۔ اگر کسی کے گھر دعوت کھاؤ، تو صاحب خانہ کے لئے دعا کردو حضور علیہ السلام کے احسانات شمار سے باہر ہیں، ہماری کیا مجال کہ ان کا شکریہ ادا کریں، تو کم از کم یہ ہی کریں، کہ ان کو دعائیں دیا کریں جیسے فقراء سخی داتا کو دعائیں دیتے ہیں۔

نیز ایک بار سلطان محمود نے درباریوں کو حکم دیا کہ تم لوگ میرے گھر میں جو کچھ ہے وہ لوٹ لو، سب لوگ لوٹنے میں مشغول ہوگئے، مگر ایاز رحمۃ اللہ علیہ سلطان کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ سلطان نے کہا کہ ایاز تم کیوں نہیں کچھ لوٹتے، عرض کیا کہ سب نے تو مال کو لیا میں تو حضور کو لیتا ہوں، جو مالک ہیں سلطان نے کہا تم نے مجھ کو لیا میں نے بھی تم کو لیا، تم میرے اور میں تمہارا۔

اسی طرح تمام دعاؤں سے تو دنیا ملتی، مگر درود پاک کی تلاوت سے دنیا والے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں، جب وہ ملے تو پھر کمی کس چیز کی ہے۔

دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں
ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدائی ہے

درود پاک دعاؤں و عبادات کی رجسٹری ہے، جیسے بیمہ لیبل لگ جانے سے مال ضائع نہیں ہوتا مقام مقصود تک پہنچ جاتا ہے، ایسے ہی درود شریف کی برکت سے نیکیاں قبول ہوتی ہیں،

اسی لئے ہر دعا میں درود شریف پڑھا جاتا ہے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو ۔۔۔ کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے

مثنوی شریف میں ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی مکھی سے پوچھا کہ تو شہد کیسے بناتی ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ہم چمن میں جا کر ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستے ہیں پھر وہ رس اپنے منہ میں لئے ہوتے اپنے چھتوں میں آجاتے ہیں، اور وہاں اگل دیتے ہیں وہی شہد ہے کہ پھولوں کے رس کے پھیکے ہوتے ہیں، اور شہد میٹھا، بتاؤ شہد میں مٹھاس کہاں سے آتا ہے؟ مکھی نے عرض کیا۔

گفت چوں خوانیم بر احمد درود ۔۔۔ مے شود شیریں و تلخی را ربود

ہمیں قدرت نے سکھا دیا ہے کہ چمن سے اپنے گھر تک آپ پر درود شریف پڑھتے ہوتے آتے ہیں شہد کی یہ لذت اور مٹھاس درود کی برکت سے ہے، امید ہے کہ ہماری روکھی پھیکی عبادت میں بھی درود شریف کی برکت سے یقبولیت کا مٹھاس پیدا ہو جاوے۔ نیز جیسے کہ درود کی برکت سے تمام پھولوں کے رس گھل مل کر ایک ہو گئے، اور سب کا نام شہد ہو گیا، ایسے ہی حضور کی برکت سے سارے ہندی، سندھی، عربی عجمی، انسان ایک ہو گئے، جن کا نام مسلمان ہو گیا، اور جیسے درود شریف کی برکت سے شہد شفا بن گیا ایسے ہی ہر دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی برکت سے مرض گناہ کی دوا ہے۔

درود پاک پڑھنا فرض بھی، واجب بھی، سنت بھی ہے، مستحب بھی، مکروہ بھی ہے اور حرام بھی اس کی تفصیل یہ ہے کہ در مختار جلد اول کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے اور جس مجلس میں بیٹھے اور حضور علیہ السلام کا اسم شریف وہاں بار بار آوے تو صاحب در مختار کے نزدیک جب بھی نام پاک سنیں درود شریف پڑھنا واجب ہے اور ہر بار پڑھنا مستحب اور چند موقعوں میں درود پڑھنا مستحب ہے، جس کو شامی نے بیان فرمایا۔ جمعہ کی شب میں اور جمعہ کے دن میں، ہفتہ، اتوار، اور سوموار، کے دن اور روزانہ صبح و شام اور مسجد میں آتے جاتے وقت، اور حضور علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کے وقت اور صفا و مروہ

کے پاس اور جمعہ کے خطبہ میں مگر خطبہ سننے والے درود شریف دل میں پڑھیں اور اذان کے بعد اور ہر دعا کے اول و آخر اور وضو کے وقت اور جبکہ کان میں غیبی آواز آنے لگے، جب کوئی چیز بھول جاوے، اور وعظ کے وقت اور سبق پڑھتے اور پڑھاتے وقت اور فتویٰ لکھتے وقت اور نکاح کے وقت اور ہر کسی مشکل پڑنے پر وغیرہ وغیرہ۔

سات جگہ درود پاک پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱) جماع کے وقت (۲) پیشاب یا پاخانہ پھرتے میں (۳) تجارت کے سامان کو شہرت دینے کے لئے (۴) پھسلنے کے وقت (۵) تعجب (۶) ذبح (۷) چھینک کے وقت۔

تین جگہ درود پاک پڑھنا حرام ہے، ایک جب تاجر اپنی کوئی چیز خریدار کو دکھائے اور اس کی عمدگی بتانے کے لئے درود پڑھنے۔ دوسرے جبکہ کسی مجلس میں کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی آمد کی خبر دینے کے لئے درود پڑھا جاوے (شامی) اسی طرح فرض نماز کی اَلتحیاتُ میں جب حضور علیہ السلام کا نام آوے تو درود ناجائز ہے۔

فائدہ:۔ قرآن کریم کی تلاوت میں جب حضور علیہ السلام کا نام قرآن میں آجائے، تو درود نہ پڑھنا افضل ہے تاکہ قرآن کی روانی میں فرق نہ آوے (شامی)۔

نماز میں اَلتَّحِیَاتُ کے بعد درود شریف پڑھنا سنت ہے فرض واجب نماز میں تو دوسری اَلتَّحِیَاتُ میں سنت ہے اور پہلی میں منع نوافل میں دونوں بار کی اَلتَّحِیَاتُ کے بعد درود پڑھنا سنت ہے یعنی پہلے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھ کر کھڑا ہو؟

درود پاک کونسا پڑھنا چاہیے؟ مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہم آپ پر درود پاک کس طرح پڑھیں تو آپ نے وہ درود بتایا جو نماز میں بعد اَلتَّحِیَاتُ پڑھا جاتا ہے یعنی درود ابراہیمی۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ سوائے درود ابراہیمی کے اور درود پڑھنا منع ہے۔ گویا محض غلط ہے ورنہ پھر لازم آوے گا کہ محدثین جب کبھی حضور علیہ السلام کا اسم پاک لیتے ہیں تو صرف یہ ہی کہتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی ناجائز ہو اگر منقول کے

سوا دوسرے درود پڑھنا منع ہیں، تو وہ ہی غذائیں اور دوائیں استعمال کرنی چاہئیں، جو منقول ہیں۔ جس طرح کہ ہر غذا جو شریعت میں حرام نہیں کھانا جائز ہے اسی طرح ہر درود جو کہ شریعت میں منع نہیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا میں تو کھانا اور پینا مطلق ہے اور صَلُّوْا عَلَیْہِ میں صلوٰۃ مطلق، کوئی درود پڑھ لیا جاوے، ثواب پاویگا، ہاں منقول درود دیگرے زیادہ بہتر ہے۔

دلائل الخیرات شریف میں بہت سے درود نقل کئے گئے ہیں صاحب روح البیان نے اس درود شریف کی بہت افضیلت اور نفع بیان کیا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ، الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْلَ اللّٰہِ یہ بہت ہی طویل درود شریف ہے۔

فقیر کا تجربہ یہ ہے کہ یہ درود بہت نافع ہے، کہ بعد نماز جمعہ مدینہ پاک کی طرف منہ کر کے سو بار یہ پڑھے صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مگر ہاتھ باندھ کر مدینہ پاک کی طرف کھڑا ہو، مدینہ پاک کا رخ مغرب اور شمال کے درمیان ہے، ہمارے ہندوستان میں۔

تنبیہ:- ہمارے یہاں پنجاب میں قاعدہ ہے کہ نماز عشاء اور فجر کے بعد نماز سے فارغ ہو کر بلند آواز سے یہ درود شریف پڑھتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَ اَصْحٰبِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

بعض لوگ اس کو شرک و کفر کہتے ہے۔ لیکن یہ محض غلط ہے ہر درود جس طرح چاہو پڑھو صَلُّوْا عَلَیْہِ میں صلوٰۃ میں کوئی پابندی نہیں، بلند آواز سے پڑھو، آہستہ پڑھو اور کوئی سا درود پڑھو بغیر شرعی ممانعت کے کسی چیز کو ناجائز تو کیا مکروہ بھی نہیں کہہ سکتے، مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نماز کے اس قدر بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے تھے کہ محلہ والوں کو گھروں میں خبر ہو جاتی تھی کہ اب نماز ختم ہو گئی بلند آواز سے ذکر کرنے کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ میں بہت نفیس کر دی ہے۔ وہاں مطالعہ کرنا چاہیئے۔

(۳) کس پر درود پڑھا جاوے؟ شامی و عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے کہ نبی کے سوا کسی پر مستقل طور پر درود سلام پڑھنا منع ہے۔ مثلاً امام حسن علیہ السلام یا امام حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نبی علیہ السلام کے نام کے تابع کر کے غیر نبی پر درود شریف پڑھ سکتے ہیں۔ مقصود تو حضور علیہ السلام پر درود ہوا ان کے صدقے میں اور کا بھی نام آجاوے مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَصْحٰبِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ اَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ وَ عُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی غَوْثِ الصَّمَدَانِی وغیرہ کہ اس درود میں آل پاک، صحابہ کرام، اولیاء علماء و تمام امت کا ذکر آگیا مگر حضور علیہ اسلام کے طفیل۔

آیت ۶۶۔ وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (پارہ ۲۲، سورہ سبا، رکوع ۳) اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا، مگر ایسی رسالت سے جو کہ آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوش خبری دیتا ہوا، اور ڈر سناتا، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں حضور علیہ السلام کے تین صفات کا ذکر ہے، تمام لوگوں کے لئے نبی ہونا، سب کے لئے بشیر و نذیر ہونا، ان تینوں چیزوں کی کافی بحث ہم نے سورہ فرقان کی پہلی آیت میں اور سورہ احزاب میں بیان کر دی۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ ہے جس سے کوئی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ انبیاء اور اولیاء اور انسان و غیر انسان۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم کو پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں جو ہم سے پہلے کسی انسان کو نہ ملیں، ایک مہینہ کی راہ تک میرا رعب دیا گیا، تمام زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی اور پاک کر دی گئی، کہ جہاں نماز کا وقت آجاوے، وہاں ہی نماز پڑھ لی جاوے، اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لیا جاوے، غنیمتیں حلال کی گئیں کہ اس سے پہلے کسی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہ تھا ہم کو شفاعت (کبریٰ) دی گئی۔ اور نبی خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے مگر ہم تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ کی رسالت سب کو عام ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۷۶۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (پارہ ۲۲، سورہ فاطر، رکوع ۳) اے محبوب بے شک ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا، خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گذرا۔

اس آیت کریمہ میں تین صفات تو حضور علیہ السلام کے ارشاد ہوئے، رسالت عامہ، بشیر ہونا نذیر ہونا اور آخر میں گزشتہ امتوں کے متعلق راہنماؤں کے آنے کا ذکر فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ جس قدر بھی امتیں ہیں ان میں سب ڈرانے والے گذرے ہیں۔ مگر اس کو حضور علیہ السلام کی رسالت سے کیا تعلق ہے، یہ بات بھی قابل غور ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ تو ساری امتوں کی طرف بھیجے گئے اور آپ کی رسالت سب کو عام ہے، مگر آپ سے پہلے ہر جماعت کے لئے علٰحدہ علٰحدہ ڈرانے والے ہوتے تھے تو اب اس سے حضور علیہ السلام کی نعت بخوبی واضح ہوئی۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے تو یہ دھوکا کھایا ہے کہ کسی مذہب کے پیشوا کو برا نہ جانو، کرشن، رامچندر، گوتم وغیرہ سب کی تعظیم کرو، کیونکہ یہ سب پیغمبر تھے، کہ ان کی تعلیم لوگوں نے بگاڑ دی، اور بت پرستی شروع کردی، جس طرح کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت مسیح اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی تعلیم بگاڑ کر صلیب پرستی وغیرہ دین میں داخل کرلی اور بعض لوگوں نے یہ دھوکا کھایا، کہ انبیائے کرام انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات میں بھی آئے، یعنی جنات میں جن نبی، اور معاذ اللہ چوہڑوں میں چوہڑے اور دیگر قوموں میں اسی قوم سے نبی۔ مگر یہ دونوں خیال فاسد ہیں۔ کرشن، رامچندر، گوتم وغیرہ کا دنیا میں نا ہی ثابت نہیں ہمارے پاس کون سی دلیل ہے اس کی کہ یہ لوگ انسان تھے بھی یا نہیں یا کہ کچھ شئی تھی بھی یا نہیں محض ان افسانوں سے ان کا ثبوت ہے کہ جو مشرکین کے گھڑے ہوتے ہیں۔ رامچندر کے چار پاؤں اور چھ ہاتھ، ہنومان کی پشت پر دم اور گنیش کے منہ پر سونڈ کا ہونا بالکل خلاف عادت الٰہی ہے، عقل کے بھی خلاف اور قرآن کے بھی خلاف ہے، رب تعالیٰ تو فرماتا ہے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو اچھی صورت میں پیدا فرمایا، اور یہ لوگ انسان بھی نہ ہوں، اور معاذ اللہ پیغمبر بھی ہوں، اور ان کی شکلیں بندروں اور دیگر جانوروں کی سی ہوں، اچھی شکل سے محروم، یہ ہو ہی نہیں سکتا، غرضکہ یہ بناوٹی شکلیں ہیں ان کی اصل کچھ بھی نہیں یا یہ کہ کوئی جانور ہوئے ہوں گے، جن کی مشرکین نے پوجا شروع کر دی، جیسے آج بھی بندروں اور گائے کی پرستش ہوتی ہے، یہ کہنا کہ یہ انسان تھے، پاک باز تھے مگر مشرکین نے ان کی شکلیں مسخ کر کے اس طرح کی بنالی ہیں یہ تو ایسی بے جا مشرکین کی وکالت اور حمایت ہے کہ جو خلاف عقل ہے۔ جب خود ان کے ماننے والے ان کو انسان نہیں کہتے بلکہ بندروں کو ہنومان اور دیگر جانوروں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ تو آپ کے پاس کیا وحی آگئی ہے کہ وہ انسان تھے اور ایسے ویسے تھے ورنہ پھر تو جن بتوں کی مشرکین عرب پوجا کرتے تھے ان کی بھی برائی نہ کرنی چاہیے، حالاں کہ قرآن اور صاحب قرآن نے لات عزے اور منات کی برائیاں کیں، جیسے وہاں لات وعزے تھے ایسے ہی یہاں مہادیو اور بھوانی ہیں۔

یہ بھی غلط ہے کہ ہر قوم میں اس میں سے نبی آتے۔ انبیائے کرام ہمیشہ عالی نسب شریف خاندان نجیب الطرفین ہوتے ہیں کہ ان کے اخلاق پاکیزہ اور صورت نورانی ہوتی ہے، ویسے ہی ان حضرات کے نسب بھی۔

بخاری کے شروع میں ہرقل شاہ روم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ابوسفیان اور دیگر اہل مکہ کو بلا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ان سے پوچھے تو تمام سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ نسب و خاندان میں کیسے ہیں؟ سب اہل مکہ نے کہا کہ وہ سارے عرب میں عالی نسب ہیں، تو ہرقل نے کہا کہ انبیاء عالی نسب ہی ہوتے ہیں، کیسے ممکن ہے کہ بھنگیوں میں بھنگی اور چماروں میں چمار پیغمبر ہوں، خدا کی پناہ۔

اس آیت میں یہ کب فرمایا گیا ہے، کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے نبی بھیجے گئے، ہر قوم میں ہدایت کرنے والے پہنچے، مگر وہ تھے عالی خاندان، جیسے کہ آج تمام دنیا کی قوموں کے حضور علیہ السلام نبی ہیں، عربی قریشی، ہاشمی، مطلبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ دو باتیں ضرور خیال میں رہیں، یہ کہنا کہ غیر انسان میں بھی نبی اس جنس سے آئے محض غلط خیال ہے کیوں کہ قرآن کریم نے فرمایا وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلاَّ رِجَالاً نُوحِی اِلَیھِم ہم نے بھیجا آپ سے پہلے ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی انسان ہی میں سے ہوتے ہیں، اور مرد ہی ہوتے ہیں، اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں دیکھو۔

اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہر قوم میں ڈرانے والے گذرے، خواہ وہ پیغمبر ہوں یا علماء اور بزرگان دین۔

صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں امتوں سے وہ امتیں مراد ہیں جن پر دنیا میں عذاب آیا تو مطلب یہ ہوا کہ جس جس گروہ پر عذاب آیا، پہلے ان میں انبیاء علماء و صلحاء بھیجے کہ ان کو عذاب سے ڈرائیں، جب وہ نہ مانے تب عذاب آیا، اس تفسیر کی وہ آیت تائید کرتی ہے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِینَ حَتّٰی نَبعَثَ رَسُولاً ورنہ بعض امتیں ایسی بھی گذریں ہیں جن میں پیغمبر نہیں پہنچے، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اَرسَلنَا اِلَیھِم قبلک مِن نَذِیرٍ یعنی ہم نے آپ سے پہلے ان میں ڈرانے والا نہیں بھیجا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ۶۰۰ سال کا فاصلہ ہے (بخاری آخر جلد اول) اس زمانہ میں کوئی پیغمبر دنیا میں نہ آئے۔ لہٰذا یہ ہی دو صورتیں بہتر معلوم ہوتی ہیں جو بیان ہوئیں۔

آیت ۶۸۔ یٰسٓ وَالقُرآنِ الحَکِیمِ اِنَّکَ لَمِنَ المُرسَلِینَ (پارہ ۲۲، سورہ یسین رکوع ۱) حکمت والے قرآن کی قسم، بے شک تم مرسلین میں سے ہو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، کفار مکہ کہا کرتے تھے آپ رسول اللہ نہیں ہیں۔ اس کا جواب رب نے ارشاد فرمایا، کہ اے محبوب قرآن کی قسم آپ ہمارے رسول ہیں اس آیت میں تین کلمے ہیں ایک یٰسٓ دوسرے وَالقُرآنِ الحَکِیمِ تیسرے اِنَّکَ لَمِنَ المُرسَلِینَ اور تینوں میں علیحدہ علیحدہ لطف ہے، کلمہ یٰس متشابہات میں سے ہے، اس کے صحیح

معنی تو رب تعالٰی جانے یا محبوب علیہ السلام مگر مفسرین نے کچھ تاویلیں فرمائی ہیں، اولاً تو یہ کہ یٰسین حضور علیہ السلام کا اسم شریف ہے اور پوشیدہ ہے یعنی اے یٰس، دوم یہ کہ یا نداء کا حرف ہے، اس سے مراد سید العالمین یعنی اے جہان والوں کے سردار تیسرے یہ کہ یہ سورۃ کا نام ہے۔ قرآن کریم قسم ارشاد فرمائی جس میں قرآن پاک کی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ رب تعالٰی جس چیز کی قسم ارشاد فرماتا ہے، اس قسم سے اس چیز کا ظہور ہوتا ہے، ہم جو قسمیں کھایا کرتے ہیں، اس سے کلام کی مضبوطی مقصود ہوتی ہے آپ کی رسالت عامہ کو قرآن کریم نے قرآن ہی کی قسم سے بیان فرمایا اور کسی بھی نبی کی نبوت پر قسم نہ فرمائی گئی، غرضکہ چند طرح اس طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت ثابت ہے۔

آیت ۶۹۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (پارہ ۲۴، سورہ زمر، رکوع ۶) تم فرماؤ کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک جماعت نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ہم ایمان تو لے آویں، مگر ہم بڑے گنہگار ہیں۔ کیا ہمارے گناہ بھی معاف ہو جاویں گے؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور اس میں فرمایا گیا، کہ اے محبوب تم فرمادو کہ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے قصور کئے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو اسلام میں آجاؤ اور اس سمندر رحمت میں غوطہ تو لگالو، تو ہر میل سے پاک و صاف ہو جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں جو یٰعِبَادِی فرمایا گیا ہے۔ یا تو مراد اس سے اللہ کے بندے ہیں، تو یہاں قیدیں لگانی ہوں گی، ایک تو یہ کہ یَقُوْلُ اللّٰهُ یٰعِبَادِیَ اللہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! کیوں کہ پھر قُل سے تعلق نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ میں قید لگانی پڑے گی کہ مشرکین و کفار اس سے خارج ہیں صرف اہل ایمان ہی اس میں داخل ہیں۔ کیوں کہ اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں اور مشرک کے شرک کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ

یُشرک بہ اللہ شرک کو نہیں بخشتا یا یَا عِبَادِیَ سے مراد رسول اللہ علیہ السلام کے بندے ہیں یعنی غلام عبد بمعنی عابد بھی آتا ہے اور بمعنی خادم بھی تو اب آیت کے معنی ہوئے کہ اے محبوب فرمادو کے اے میرے غلامو! اب کفار خود بخود ہی نکل گئے کیونکہ حضور علیہ السلام کے خدام تو مسلمان ہی ہیں اور کوئی عبارت آیت میں علٰحدہ نہ نکالنی پڑی۔

اس توجیہ کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اختیار کیا ہے کہ عِبَادِیَ سے مراد حضور علیہ السلام کے بندے ہیں، اور مثنوی شریف میں بھی اختیار کیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد　　جملہ عالم را نخواں قُل یا عِباد

یاعِبَادِی کہہ کے ہم کو شاہ نے　　اپنا بندہ کرلیا پھر تجھ کو کیا

مسئلہ۔ عبدالنبی اور عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا بالکل جائز ہے، اور قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے مِن عِبَادِکُم وَاِمَآئِکُم تمہارے غلام اور تمہاری لونڈیاں عرب میں عام طور پر کہتے ہیں عَبدِی یعنے میرا غلام۔ صاحب در مختار کے استاد کا نام ہے عبدالنبی خلیلی (دیکھو در مختار کا مقدمہ جہاں انہوں نے اپنا شجرہ علمی بیان کیا۔

حدیث پاک میں جو اس سے منع فرمایا گیا کہ عَبدِی اور امتی نہ کہو۔ یہ حکم استحبابی ہے جیسے فرمایا کہ انگور کو کرم نہ کہو کہ کرم مسلم ہے (بخاری وغیرہ) صحابہ کرام نے بھی بارہا فرمایا ہے کہ کُنتُ عَبدَہٗ وَ خَادِمَہٗ میں حضور علیہ السلام کا عبد اور خادم تھا، اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جَآءَ الحَقُّ وَ زَھَقَ البَاطِلُ میں دیکھو، جس میں اس کے ایسے دلائل بیان کر دیئے گئے ہیں، کہ جن کا جواب انشاء اللہ مخالف سے ناممکن ہے۔

لَاتَقنَطُوا سے معلوم ہوا کہ خدا کی رحمت سے نا امیدی بندے کی شان نہیں بلکہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر رب سے ڈرے اور رحمت الٰہی پر غور کر کے امیدوار رہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا، وہ اگرچہ لاکھوں سے ہوں سوا

مگر اے عفو ترے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

خدائے قدوس تمام گناہ معاف فرمادے گا، مگر حقوق العباد میں حق والے سے معاف

کرادیگا جیسا کہ کتب عقائد وغیرہ میں مذکور ہے۔

آیت ۷۰۔ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶ سورہ فتح رکوع ۱) بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ کی نعتوں کا مجموعہ ہے، اس کا شان نزول یہ ہے ایک بار حضور علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ میں امن سے داخل ہوئے کعبہ کی کنجی لی اور طواف فرمایا اور عمرہ کیا، اصحاب کو اس خواب کی خبر دی سب خوش ہوئے، پھر حضور نے عمرہ کا قصد فرمایا، اور ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ یکم ذیقعد سنہ ۶ھ کو روانہ ہوگئے۔ مکہ مکرمہ کی راہ میں ذوالحلیفہ میں احرام باندھا، جب مقام عسفان میں پہنچے، تو خبر آئی کہ کفار مکہ جنگ کے لئے بڑے سازو سامان سے تیار ہیں۔

جب مسلمان مقام حدیبیہ میں پہنچے، تو مسلمانوں کی طرف سے کئی آدمی کفار مکہ کی طرف بھیجے گئے، جنہوں نے کفار مکہ سے کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کی غرض سے تشریف لاتے ہیں جنگ کا ارادہ نہیں، لیکن کفار مکہ کو یقین نہ آیا آخر انہوں نے عروہ ابن مسعود ثقفی کو تحقیق حال کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا، عروہ نے آکر صحابہ کرام کا ادب اور مجلس پاک مصطفیٰ کا نظارہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب حضور علیہ السلام ہاتھ مبارک دھوتے ہیں، تو صحابہ کرام اس گرے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اگر کبھی حضور علیہ السلام تھوکتے ہیں تو صحابہ کرام اس کو لینے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کو وہ مل جاتا ہے، تو وہ برکت کے لئے چہرے اور بدن پر مل لیتے ہیں جسم پاک کا کوئی بال شریف نہیں گرتا اگر کوئی بال مبارک جسم پاک سے جدا ہو جاتے تو صحابہ کرام اس کو ادب سے لے کر اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کلام فرماتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی اس مجلس پاک میں آنکھ اونچی نہیں کرتا، گویا مجلس کیا ہے، ایک علم و حکمت، ادب و وقار کی مجلس ہے، یا یوں کہو کہ فرش پر

قدسی اتر آتے ہیں، عروہ نے یہ حال سارا کا سارا کفار مکہ سے کہا کہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر، جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار گہربار دیکھا وہ آج تک سنا بھی نہیں اور تم ان پر کامیاب نہ ہوسکو گے۔

قریش نہ کہا کہ یہ مت کہو، ہم اس سال ان کو واپس کردیں گے، اگلے وہ آئیں، جو لوگ حضور علیہ السلام کی طرف سے اہل مکہ سے گفتگو کرنے کے لئے گئے تھے ان میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے دس صحابہ کرام کے ہمراہ اہل مکہ کی طرف گئے اور اہل مکہ کو سمجھایا کہ تم حضور علیہ السلام کو عمرہ کرنے سے نہ روکو، مگر وہ باز نہ آتے، مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین روز تک رکھا گیا، اور ان سے کفار مکہ نے عرض کیا کہ آپ اگر چاہیں تو خانہ کعبہ کا طواف کرلیں۔ مگر حضرت عثمان نے فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے طواف کرلوں۔

ادھر مسلمانوں میں خبر آئی، کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار مکہ نے شہید کر دیا، اس خبر پر حضور علیہ السلام نے تمام مسلمانوں سے بیعت لی کہ اگر جنگ کرنا پڑ جاوے تو کوئی بھی اس سے منہ نہ موڑے اس بیعت کا نام بیت الرضوان ہے، جو درخت خاردار کے نیچے لی گئی تھی، اس کا قصہ سورۃ کے آخر میں آتا ہے۔

آخر کار اس پر صلح ہوئی کہ اس سال حضور علیہ السلام واپس تشریف لے جاویں اور سال آئندہ عمرہ کریں جب صلحنامہ لکھا جاچکا تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی اور فرمایا گیا اے محبوب ہم نے آپ کو فتح دے دی، اس لئے کہ یہ صلح فتح مکہ کا ذریعہ بنی اور بہت سی فتوحات پھر حاصل ہوتیں، یہ تھا اس آیت کا شان نزول اب اس میں دو چیزیں بہت قابل غور ہیں، اولاً یہ کہ فتح سے کیا مراد ہے، دوسرے یہ کہ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ سے کیا مراد؟

صاحب روح البیان نے فتح کی چند توجیہیں کی ہیں، ایک یہ کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے مگر یہ بظاہر واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ابھی تو اہل مکہ نے عمرہ بھی ادا نہ کرنے

دیا اور مسلمانوں کو واپس لوٹنا پڑا۔ اور فتحنا ماضی ہے جس کے معنی ہیں فتح دے دی، تو کہا جاوے کہ صلح حدیبیہ ہو جانا یہ ہی فتح ہے۔ کہ کفار مکہ تو کوشش میں تھے کہ صلح نہ ہو، اور حضور علیہ السلام کی منشاء مبارک تھی کہ صلح ہو جاوے، جو کفار نے چاہا وہ نہ ہوا، اور جو اللہ کے حبیب اللہ علیہ السلام نے چاہا وہ ہوگیا، یہ فتح ہوئی، یا کہا جاوے یہ صلح فتح کا ذریعہ بنی اس لئے اس کو مجازاً فتح فرمایا گیا، یا چونکہ اب فتح مکہ یقینی ہونی تھی، اور یقینی چیزوں کو عرب والے ماضی سے بول دیتے ہیں اس لئے ماضی فرمایا گیا، یا یہ کہ اس صلح کی وجہ سے کفار مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور ان کے خلط سے بہت لوگ اس سال اسلام میں داخل ہوئے۔

یا یہ کہ فتح کے معنی ہیں کھول دینا، یہاں مراد کہ اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کے لئے دروازے کھول دیئے، کس چیز کے؟ علوم کے، حکمتوں کے، ہدایتوں کے، جو دروازے اب تک اوروں پر بند رہے پیارے وہ تمہارے لئے کھولے، دروازہ شفاعت کبریٰ، دروازہ دیدار الٰہی، دروازہ جنت، دروازہ مقام محمود، دروازہ حوض کوثر یعنی تمام رحمت الٰہیہ کے دروازہ تمہارے لئے کھول دیئے۔

یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ پہلے فرمایا گیا ہے عِندَہٗ مَفَاتِحُ الغَیبِ لَا یَعلَمُهَا اِلَّا هُوَ یعنے غیب کی کنجیاں رب ہی کے پاس ہیں، ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا، اب سوال تھا ان کنجیوں سے کسی کے لئے غیب کے خزانے کھولے بھی یا نہیں، اس جگہ فرمایا اِنَّا فَتَحنَا لَکَ ہم نے آپ کے لئے کھول دیئے۔

رہی دوسری بحث کہ ذَنبِکَ آپ کے گناہ، اس سے کیا مراد ہے؟ تمام اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہیں، اور تفسیر احمدیہ نے زیر آیت لَا یَنَالُ عَھدِی الظّٰلِمِینَ لکھا ہے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے قبل نبوت اور نہ بعد نبوت ایک ساعت کے لئے بھی ارادہ گناہ بھی نہ فرمایا، پھر آیت کے کیا معنی؟ اس لئے محدثین اور مفسرین نے اس آیت کی بہت سی توجیہیں فرمائی ہیں۔

مدارج النبوت میں فرمایا کہ آیت میں مَا تَقَدَّمَ سے مراد حضرت آدم کی خطا ہے اور ما

تَاَخَّرَ سے مراد امت کے گناہ معاف فرمادیئے۔ چنانچہ صاحب روح البیان نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کے طفیل دعا کی اور قبول ہوئی بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اس جگہ خطائے اجتہادی مراد ہے۔

بعض نے فرمایا کہ یغفر سے مراد یعصم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو گذشتہ زمانہ میں بھی گناہوں سے محفوظ رکھا، اور آئندہ بھی آپ کو محفوظ رکھے گا، یعنی آپ گناہوں سے محفوظ ہیں بعض نے فرمایا کہ امت کے گناہ حضور علیہ السلام کے دامن شفاعت کی طرف منسوب فرمادیئے گئے اور ہمیشہ امتوں کے گناہ انبیائے کرام کے کرم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

یعنی گناہ و جرم کبھی گنہگار کی طرف منسوب ہوتا ہے، کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کو مجرم کہتا ہے میرا مقدمہ اور وکیل و جج بھی کہتا ہے۔ میرا مقدمہ، لیکن معنی جداگانہ ہوتے ہیں۔ مجرم کا مقدمہ اس معنیٰ سے ہے کہ مجرم اس میں گرفتار ہے، وکیل اور جج کا مقدمہ اس معنیٰ سے ہے کہ وہ اس کا ذمہ دار ہے، لہٰذا گناہگاروں کے گناہ جن میں وہ گرفتار ہیں، حضور کے دامن کرم کی طرف منسوب ہیں، اس معنیٰ سے کہ آپ کے ذمہ ان کی شفاعت ہے، یا ذَنْبِکَ سے مراد وہ گناہ ہیں جنہیں حضور نے گناہ بنادیا کیوں کہ اگر حضور کی جلوہ گری نہ ہوتی، تو کوئی کام گناہ نہ بنتا یعنی آپ کے بنائے ہوئے گناہ (روح البیان) جیسے کہا جاتا ہے کہ چوری و زنا وغیرہ خدا کا گناہ ہے یعنی خدا کا حرام فرمایا ہوا گناہ۔

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خطا نہ کی، بلکہ اس خطا کا سبب وہ خبیث انسان ہوتے جو پشت حضرت آدم میں تھے، منظور الٰہی نہ تھا کہ یہ خبثاء جنت میں پیدا ہوں فرمایا گیا، اے آدم آپ زمین پر جاکر ان کو پھینک آؤ، پھر جنت میں تشریف لے آنا (روح البیان یہ ہی مقام اور مرقات شرح مشکوٰۃ)۔

عصمت انبیاء کی پوری تحقیق ہمارے رسالہ قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھا

اس قسم کی تمام وہ آیات جن سے بیدین دلیل پکڑتے ہیں۔ سب کی توجیہیں اور جوابات مع دلائل عصمت بہت پر لطف طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں۔

نکتہ:- صاحب روح البیان نے اس آیت کے ذیل میں لکھا کہ حضور علیہ السلام کو تین فتح عنایت ہوئیں فتح قریب وہ تو دروازہ دل کا کھولنا، اور اس کو اسرار پر خبردار فرمانا، دوسری فتح مبین وہ روح مصطفیٰ علیہ السلام کے دروازے کھولنا ہیں، تیسری فتح مطلق، وہ اپنی نصرت کے دروازے حضور علیہ السلام پر کھولنا ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

آیت ۱۷:- اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُعَزِّرُوۡہُ وَتُوَقِّرُوۡہُ وَتُسَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا (پارہ ۲۶، سورہ الفتح، رکوع ۱) بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی و ڈر سناتا، کہ اے لوگو تم اللہ اور اس رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے اور حضور علیہ السلام کے بہت سے اوصاف اس میں بیان ہوئے۔ اور مسلمانوں کو اس بارگاہ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا شَاہِدًا کے معنی ہم پہلے سورہ احزاب میں بیان کر چکے ہیں کہ شَاہِدًا کے معنی حاضر اور مشاہدہ کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام عالم کو دیکھنے والے یا معراج میں جنت و دوزخ اور لوح و قلم کو ملاحظہ فرمانے والے تمام مخلوقات پر نظر رکھنے والے ہیں یا بمعنی گواہ یا بمعنی محبوب ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا اَشۡہَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس میں غیر اللہ سے الوہیت کی نفی کی گواہی ہے، اور آپ کی گواہی کامل اور دیکھی ہوئی ہے، سنی ہوئی نہیں، اور ثبوت کی گواہی دینا آسان ہے، مگر نفی کی بہت مشکل کوئی کہے کہ فلاں شعر گلستاں میں ہے، وہ شعر دکھا کر ثابت کر سکتا ہے، مگر یہ کہنا کہ فلاں شعر گلستان میں نہیں بہت مشکل ہے، یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کی نظر ساری گلستاں پر ہو ایسے ہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دیکھی ہوئی گواہی وہ ہی دے سکتا ہے

جو اول سے آخر تک کا عالم ہو اور ذرے ذرے کو جانچ لے، پھر کہے کہ میں نے سب کو جانچ لیا، رب کے سوا کوئی خدا نہیں۔

شاہد کی پوری تفسیر اسی کتاب میں سورہ احزاب کی آیت اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا کی شرح میں ہو چکی ہے۔

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ہمارے محبوب کی تعظیم اور توقیر کرو، اس میں کسی قسم کی تعظیم کی قید نہیں لگائی گئی بلکہ جو تعظیمیں شریعت نے حرام فرمائی ہیں، جیسے تعظیمی سجدہ کرنا اور تعظیمی رکوع کرنا وغیرہ ان کے سوا جو تعظیم بھی تم سے ممکن ہو وہ کرو، کلام میں تعظیم کرو، ان کا نام شریف عظمت سے لو، ان کو اللہ اور اللہ کا بیٹا نہ کہو، باقی جو کلمے تعظیم کے ملیں کہو ان کی ہر چیز کی تعظیم کرو، بال مبارک کو چومنا لباس کی نعلین پاک کی، ان کے لکھے ہوئے نام کی اور ان کے شہر پاک کی غرضکہ جس چیز سے ان کو نسبت ہو اس کی تعظیم کرو، اسی طرح اپنے ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے اپنی ہر ہر حرکت سے ان کی عظمت کا اظہار کرو۔

حتیٰ کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب روضہ پاک پر سلامی کے لئے حاضر ہو تو ہاتھ باندھ کر ایسے کھڑے ہو، جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں (دیکھو عالمگیری، باب زیارت قبر النبی کتاب الحج)، اسی طرح ان کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا، ان کے ہاتھ و پاؤں مبارک کو بوسہ دینا جیسا کہ صحابہ کرام کا دستور تھا مستحب ہے (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الادب باب القیام اور باب المصافحہ و المعانقہ)۔

جن احادیث میں تعظیماً کھڑے ہونا منع فرمایا گیا ہے، وہ وہ کھڑا ہونا ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا ہو اور دوسرے لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں، اسی لئے فرمایا گیا ہے لَا تَقُوْمُوا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ اس طرح نہ کھڑے ہو، جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں، اس کی بہت نفیس تحقیق دیکھو ہماری کتاب جاء الحق و زهق الباطل میں۔

وضو کا پانی کھڑے ہو کر پیو، آب زمزم کھڑے ہو کر پیئے۔

حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور کی مجلس پاک میں آئے تو فرمایا انصار سے کہ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ، غرضکہ قیام تعظیمی جائز اور سنت سے ثابت ہے۔ اسی طرح محفل میلاد کرنا اور اس میں حضور علیہ السلام کی ولادت کے ذکر پاک پر کھڑا ہونا بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جو اور جس طرح تعظیم کی جاوے جائز ہے، اس میں ثبوت کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے، اور حدود مدینہ منورہ میں بعض حضرات پاخانہ کے لئے نہ بیٹھتے تھے، اس تعظیم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نہ صحابہ سے نہ تابعین سے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ دل ہے، اور کوئی بھی اس کو منع نہیں فرماتا اس آیت میں چونکہ عزت و توقیر مطلق ہے، اس لئے کسی طرح کی اس میں قید کا لگانا غلط ہے۔

صاحب روح البیان نے زیر آیت مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ لکھا کہ ایاز کے لڑکے کا نام محمدؐ تھا۔ سلطان اس کا نام ادب سے لے کر پکارتے تھے، ایک بار کہا کہ ایاز کے لڑکے یہاں آ، ایاز نے عرض کیا کہ حضور آج کیا قصور ہوا کہ آپ نے اس کا نام نہ لیا، فرمایا کہ میں اس وقت بے وضو تھا، اور یہ نام پاک میں بغیر وضو نہیں لیتا۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

بتاؤ اس تعظیم کا ثبوت کہاں ہے؟

اسی طرح محفل میلاد شریف کرنا بھی تعظیم رسول اللہ علیہ السلام ہے، میلاد کی بہت نفیس بحث اور اس کا ثبوت قرآنی آیات، احادیث اور اجماع اور فعل انبیاء سے ہماری کتاب جاء الحق و زہق الباطل میں ہے۔

مسئلہ۔ حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر ایمان میں داخل ہے اور آپ کی نعلین پاک کی بھی توہین کفر ہے۔

آیت ۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (پارہ ۲۶،

سورہ الفتح، رکوع ۱) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی انتہائی نعت ہے، اس میں بیعت الرضوان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر ہم ابھی دو آیتوں سے پہلے کر چکے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کئے جانے کی افواہ مسلمانوں میں پھیلی، تو حضور علیہ السلام نے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی اور سب نے اپنے اپنے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے کر بیعت جہاد کی، پھر حضور علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا، کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے، اور اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ ہاتھ رسول اللہ کا ہے اور میں خود عثمان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں خود اپنے ہاتھ پر۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

سبحان اللہ کیا شان حضرت عثمان ہے۔

دست حبیب خدا جو کہ ید اللہ تھا ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

نکتہ:۔ رسول علیہ السلام کا ہاتھ، عثمان کا ہاتھ اور حضور علیہ السلام کا ہاتھ خدا کا ہاتھ، تو نتیجہ نکلا کہ عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ اور قرآن اللہ کا کلام، تو اللہ کے کلام کو اللہ کے ہاتھ یعنی عثمان غنی نے شائع کیا، اسی لئے فرمایا گیا عثمان جامع القرآن۔ اس آیت میں اسی بیعت کا ذکر ہے اور اس بیعت کے کرنے والوں کی عظمت کا اظہار ہے نہ کہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے اس آیت سے تین مسئلے ثابت ہوتے۔ اولاً یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں وہ قرب حاصل ہے کہ حضور کی اطاعت، حضور کی بیعت اللہ کی بیعت حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے اس کی پوری تحقیق ہم کر چکے ہیں وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کی بحث سورہ انفال پارہ ۹ میں۔

صاحب روح البیان نے اس جگہ لکھا، کہ حضور علیہ السلام کو پروردگار عالم نے وہ مرتبہ

جمع عطا فرمایا جو کسی کو نہ ملا، رب کے لئے حضور علیہ السلام نے سب کو چھوڑا، اب رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کا ہے، اور حضور علیہ السلام رب العالمین کے، اسی لئے قیامت میں اور انبیاء فرمائیں گے نفسی نفسی، مگر حضور فرمائیں گے، امتی امتی، کیونکہ نفس تو علیحدہ باقی ہی نہ رکھا اور حضور علیہ السلام سراپا مظہر قدرت الٰہی ہیں، وجود آپ کا ہے اور اس میں ظہور رب کی قدرت کا ہے، اگر پروردگار عالم کی ساری صفات کو دیکھنا ہو، تو حضور علیہ السلام کو دیکھو۔ اسی لئے فرماتے ہیں مَن رَّاٰنی فقدرَ یٰ الحق جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا مگر ضبط کا یہ عالم ہے کہ ہر ہر ادا سے اپنے بندگی کا اظہار فرماتے ہیں اور بعض اولیاء اس نور کی تھوڑی جھلک بھی پا جاتے ہیں تو منصور تو کہتے ہیں اَنَا الْحق اور بایزید فرماتے ہیں سُبحَانی مَا اَعظَمَ شَانی اور ابو سعید خزار فرماتے ہیں مَافِی جُبّتِی اِلّا اللہ

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پر صفات — تو عین ذات مے نگری در تبسمے

رفعت طور میں لامکانی کہاں — لَن تَرَانی کہاں مَن رانی کہاں

جس کا سایہ نہ ہو اس کا ثانی کہاں — اس کا اظہار ہی آج کی رات ہے

جب حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوا، تو حضور کی زبان شریف اور سارے اعضاء میں خدائی طاقت ہوئی، یہ درجہ فنافی اللہ کا ہے۔ اس درجہ پر پہنچ کر انسان خارق عادت صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ بندے سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں، جیسے حضرت آصف آناً فاناً تخت بلقیس لے آئے، حضرت یعقوب نے مصر سے قمیص یوسفی کی خوشبو پالی، حضرت ابراہیم نے کعبہ کی تعمیر فرما کر دنیا بھر کے لوگوں کو حج کی دعوت دی تو قیامت تک کے پیدا ہونے والوں نے وہ آواز سن لی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے سورج لوٹا، چاند پھٹا، بادل برسا یہ سب خدائی کام ہیں۔ جو اللہ کے پیاروں سے ظاہر ہو رہے ہیں، دوسرے یہ کہ بندہ اس درجہ میں پہنچ کر خدائی کاموں کے بارے میں کہدیتا ہے کہ یہ میں کر سکتا ہوں یا یہ کہدیتا ہے کہ سارا عالم میری ملک ہے، حضرت جبریل نے حضرت مریم سے فرمایا کہ میں تم کو بیٹا دوں گا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مردے کو زندہ کر سکتا ہوں، اندھے، کوڑھی اچھے کر سکتا ہوں، ان کی یہ

بات رب تعالیٰ کے کرم پر ناز کرتے ہوتے ہوتی ہے، جیسے بیٹا باپ کے مال کو کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، نمرود نے خدا کے مقابل ہو کر کہا اَنَا اُحیِ وَ اُمِیتُ وہ مردود ہو گیا، عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اُحیِ الموتیٰ وہ پیارے رہے، کیوں کہ ان دونوں ہی کے اندر بڑا فرق ہے، جیسے ڈاکو کہے کہ میں تمہیں مار سکتا ہوں وہ مجرم وزیر اعظم کہے کہ میں پھانسی دے سکتا ہوں، وہ سچا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کرنا ضروری ہے بلکہ سنت ہے، اولاً تو بیعت لوگوں نے میثاق کے دن کی تھی کہ رب نے فرمایا اَلَستُ بِرَبِّکُم قَالُوا بَلٰی پھر صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاک پر کی جو بھی اسلام لانے حاضر ہوتے تھے، آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مگر وہ بیعت اسلام ہوتی اور جو بیعت حدیبیہ میں لی گئی، وہ بیعت جہاد ہے، کبھی حضور نے کسی خاص عہد پر بھی بعض حضرات سے بیعت لی، جیسے کہ بعض سے اس پر بیعت لی، کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا۔

حقیقت بیعت کی یہ ہے کہ اللہ کے نائب کے ہاتھ پر اللہ سے اقرار کرنا کہ ہم وفادار بندے رہینگے اور اس اللہ کے بندے یعنی اپنے شیخ کو اس پر ضامن بنانا، پھر خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعتیں ہوئیں، مگر یہ بیعت حکومت بھی تھی اور بیعت ارادت بھی یعنی مریدی کی بیعت، اسی لئے اس زمانہ میں مشائخ کی بیعت کا رواج نہ تھا۔ کیونکہ صدیق و فاروق و دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم خود شیخ تھے اور چونکہ یہ بیعت خلافت بھی تھی، اس لئے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر علٰحدہ بیعت کرنا پڑتی تھی۔

پھر جب خلافت راشدہ کا زمانہ گذر گیا، سلاطین میں سلطنت رہ گئی، تو بیعت حکومت تو اسلامی بادشاہوں سے کی گئی، اور بیعت طریقت مشائخ سے، مرید کے معنی ہیں ارادہ کرنے والا، چونکہ یہ بھی اللہ کی رضا کا طالب ہے، اس لئے اسے مرید کہا جاتا ہے، یہ لفظ قرآن کی اس آیت سے لیا گیا یُرِیدُونَ وَجهَ اللهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ المُفلِحُونَ

مسئلہ۔ بیعت کرنا کسی نہ کسی مرشد کی ضروری ہے، مثنوی شریف میں ہے۔

پیر رابگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پر آفت و خوف و خطر

خرپوتی شریف نے لکھا کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے، قرآن فرماتا یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ أُنَاسٍ بِاِمَامِهِم ہم قیامت میں ہر آدمی کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ یعنی اے چشتیو! اے قادریو! اے سہروردیو! اے نقشبندیو! یا کہ اے حنفیو! اے شافیو! اے مالکیو! اے حنبلیو! چلو، اور جس کا کوئی امام اور شیخ نہیں، ان کو بلایا جاوے گا اے شیطانیو! کیوں کہ ابھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے (روح البیان زیر آیت یَوْمَ نَدْعُوا مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ، جس کے گلے میں کسی کی رسی نہ ہو، اور وہ مرجاوے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

نفس کتا ہے اس کے گلے میں کسی کا پٹہ ڈالو تاکہ مارے نہ جاؤ، مشائخ کا شجرہ گویا اس پٹہ کی زنجیر ہے جس کی پہلی کڑی مرید کے گلے میں اور آخری حضور کے ہاتھ میں ہے۔ نیز جب تم شمع نبوت سے دور ہو تو ان شیشوں سے تعلق رکھو جن سے یہ نور چھن چھن کر آیا ہے، حضور رحمت کی بارش ہیں اور علماء و مشائخ تالاب، جو بارش نہ پائے وہ ان تالابوں سے اپنے ایمان کی کھیتیوں کو پانی دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیعت کرتے وقت مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سنت ہے۔ کیوں کہ ہاتھ ملانا عہد کی پختگی کے لئے ہوتا ہے، اس لئے دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں، گویا رب سے لے رہے ہیں، نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو لپ بھر علم عطا فرمایا مگر عورتوں سے ہاتھ ملانا جائز نہیں کہ یہ خلاف حجاب ہے، ہاں اگر اپنی محرم کو مرید کرتا ہے تو ہاتھ ملا سکتا ہے نیز عورت کو پیر نہیں بنا سکتے۔ کیوں کہ پیری ایک قسم کی امامت ہے، عورت مرد کی امام نہیں بن سکتی ہے نہ عورت کی امامت صحیح ہے۔

مسئلہ:۔ بیعت چار قسم کی ہے، آج کل جو رائج ہے وہ بیعت ارادت ہے، دیکھو اس کی تحقیق کے لئے فتاویٰ افریقہ۔

نوٹ ضروری:۔ مرشد میں چار باتیں دیکھنا چاہئیں، اولاً تو صحیح العقیدہ ہو، دوسرے

بالکل جاہل نہ ہو، تیسرے فاسق و فاجر نہ ہو، نیک پرہیز گار ہو، چوتھے اس کا شجرہ صحیح حضور علیہ السلام تک پہنچتا ہو اگر اس میں سے کسی بات کی بھی کمی ہو، تو اس کے ہاتھ میں ہرگز ہاتھ نہ دو۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست

تیسرے یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیعت کا طریقہ یہ ہے کہ مرید بیعت ہوتے وقت مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ کیونکہ فرمایا گیا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کی، مگر عورتوں سے جب بیعت لی جاوے، تو محض بات سے اور کلام سے کی جاوے، ہرگز ان کا ہاتھ نہ چھوا جاوے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ کیا، بلکہ پیر سے عورتوں کو پردہ کرنا چاہیئے۔ جبکہ وہ اجنبی ہوں۔

مرید کا ہاتھ پکڑنا، ایسا ہے جیسے بجلی کی کرنٹ، کہ اگر ہزاروں آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوں اور ایک آدمی میں کرنٹ آجاوے تو سب میں پہنچ جاتی ہے، ایسے ہی نور نبوت کی کرنٹ صحابی نے حاصل کی، اب قیامت تک یہ کرنٹ مشائخ میں رہیگی، اور ان کے مریدین اپنے اپنے مشائخ کے ہاتھ سے ہاتھ مس کر کے وہ برقی رو اپنے میں لیتے رہیں گے، اگر عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ کر سکیں تو رومال یا چادر کا ایک گوشہ مرشد پکڑے دوسرا گوشہ وہ عورت، تاکہ یہ نوری کرنٹ اس ذریعہ سے اس عورت مرید تک پہنچے ایسے ہی ریل کے ڈبوں کا حال ہے۔

فائدہ جلیلہ:۔ مرشد یا شیخ کے بعد اس ذریعہ سے اس عورت مرید تک پہنچے ایسے ہی حکم شرعی یہ ہے کہ سجادہ نشین میں وہ چار صفتیں ہوں، جو کہ مرشد کے لئے ذکر کی گئیں۔ اب سجادہ نشینی کی تین صورتیں ہیں۔ یا تو شیخ خود اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دے، جیسے کہ صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو اپنی زندگی میں خلیفہ فرمادیا، یا شیخ کے عام مریدین شیخ کی وفات کے بعد اس کو سجادہ نشین بنا دیں جیسے کہ صدیق اکبر کی خلافت کہ عام مسلمین کے مشورہ سے ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کو خلیفہ نہ بنایا کہ مریدین میں سے خاص معتمد لوگ کسی

کو سجادہ نشین بنالیں، جیسے کہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کہ خاص اصحاب حل و عقد کے مشورہ سے ہوئی، یہ خلافتیں آج کل کی خلافتوں کے لئے دلیل ہیں۔

اب جو مشہور ہوگیا ہے، کہ پیر کا بیٹا پیر بننا چاہیئے، اس کو مرشد نے خلافت دی ہو یا نہ اور وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو، مریدین اس سے راضی ہوں یا نہ ہوں، یہ محض غلط ہے، اس کی بہت پر زور تردید شارح قصیدہ بردہ نے کی ہے۔

وہ لکھتے کہ آج کل سجادہ نشینی بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئی، کہ پیر کے نابالغ نااہل بیٹے شرائط کے پیر بنائے جاتے ہیں، اللہ توفیق دے راہ راست پر چلنے کی آمین اور پیرزادے بھی سمجھتے ہیں کہ پیری ہمارے گھر کی میراث ہے، اگر خلافت میراث ہوتی تو خلفائے راشدین کی اولاد ہی ان کی خلیفہ ہوتی۔

آیت ۷۳۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْیُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَافِی قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا (پارہ ۲۶، سورہ فتح، رکوع ۳) بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا، اور جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کے خطبے ارشاد فرما رہی ہے اور جن خوش نصیب حضرات نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی، ان کے مراتب کا ذکر فرماتی ہے بیعت الرضوان جس کا واقعہ ہم دو آیتوں میں پیشتر ذکر کر چکے ہیں۔ اس بیعت میں شرکت کرنے والے اصحاب کو جو انعام الٰہی ملا، اس کا اس میں ذکر ہے، ان کو تین چار نعمتیں ملیں، رضاالٰہی سے اطمینان کا اتارنا، عنقریب فتح و نصرت کی خوش خبری اور بہت سی غنیمتیں جبکہ بیعت کرنے والوں کو یہ انعامات ملے تو، جن کے صدقے میں یہ سب کچھ ملا، ان کی عزت و عظمت تو قیاس و گمان سے بھی باہر ہے۔

اس جگہ چند باتیں قابل غور ہیں۔ بیعت الرضوان میں ۱۴ سو حضرات نے بیعت کی، اور چوں کہ ان حضرات کو خبر دے دی گئی، کہ اللہ تم سے راضی ہے اس لئے اس کو بیعت

الرضوان کہتے ہیں۔

نوٹ ضروری:- اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدائے پاک ان صحابہ کرام کے سوائے اوروں سے راضی نہیں ہے، رب تعالیٰ سب صحابہ سے راضی اور سب کے لئے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے فرماتا ہے کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ایک جگہ ارشاد ہوا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور یہ انعام ہر اس شخص کے لئے ہے جو رب سے ڈرے، اسی لئے صحابہ کرام، تمام اہل بیت، سارے علماء، اور اولیاء اللہ کو رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے (شامی کتاب الکراہیۃ) نہ کہ خصوصی رضا اس جگہ مراد ہے۔

ھدایت:- جو شخص حضرات صحابہ اور خاص کر بیعت الرضوان میں شرکت کرنے والوں کو معاذ اللہ برا کہے، یا ان کو منافق کہے یا کہے کے بعد میں ابو بکر صدیق یا فاروق اعظم یا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام سے پھر گئے، وہ کافر اور مرتد ہے، کیوں کہ پھر اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ رب العالمین کو علم نہ تھا کہ ان حضرات کا انجام کیا ہوگا، اور ان کو اپنی خوشنودی کا تمغہ دے دیا، رب علیم و خبیر ہے جن سے راضی ہو وہ واقعی جنتی اور جنتیوں کے سردار ہیں۔

جس درخت کے نیچے یہ بیعت لی گئی، وہ درخت ببول کا تھا جس کو عربی میں کہتے ہیں سمرہ یا کہ بیری کا درخت تھا، غرضکہ خار دار درخت تھا، مگر روح البیان میں روایات ببول کے درخت کی ملتی ہیں۔ قدرت الٰہی سے یہ درخت غائب ہو گیا، اور لوگ دوسرے درخت کو یہ درخت سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے اور اس کے نیچے جا کر نمازیں ادا کرتے تھے برکت کے لئے۔ حضرت فاروق اعظم نے اولاً تو ان کو اس سے روکا کہ یہ وہ درخت نہیں ہے، مگر جب معلوم فرمایا کہ لوگوں کو دھوکا لگا ہوا ہے تو اس غلطی سے بچانے کے لئے یہ درخت کٹوا دیا۔ (دیکھو مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیعت الرضوان اور بخاری کتاب المغازی اور روح البیان یہ ہی آیت)۔

بعض لوگ اس واقعہ فاروقی کو سند بناتے ہیں اولیاء اللہ کی قبور گرانے اور ان کی توہین

کرنے کے لئے کہ فاروق اعظم نے وہ مبارک درخت کٹوایا، ہم یہ چیزیں گراتے ہیں۔

صاحب روح البیان، اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نہایت ہی بے دین ہیں اور ان کا یہ فعل کفر ہے، یہ ہی فرعون نے کہا تھا ذَرُوْنِی اَقْتُلْ مُوسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ اگر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تبرکات کے مخالف تھے، تو حضور علیہ السلام کے وہ تبرکات، بال شریف، لباس شریف کیوں باقی چھوڑتے جن کی صحابہ کرام زیارتیں کرتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کا روضہ خود فاروق نے کیوں تعمیر کرایا تمام علمائے ملت مدینہ پاک جاتے رہے، مگر کسی نے بھی اس روضہ پاک کی عمارت کی مخالفت نہ کی، اولیاء اللہ کے مزارات پر عمارات بنانے کی پوری بحث قرآن اور حدیث اور فقہا کی عبارتوں سے اس کا ثبوت مخالفین کے دلائل اور ان کے جوابات ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں دیکھو۔

روح البیان میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ تمام روئے زمین والوں سے افضل ہو، پھر فرماتے ہیں کہ اس بیعت میں حضرت خضر علیہ السلام بھی شریک تھے، کیونکہ وہ اپنے وقت کے نبی ہیں، اور صحابہ کرام نبی سے افضل نہیں ہوسکتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے، کیوں کہ وہ زمین پر ہیں اور زندہ ہیں۔

آیت ۴۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ الآیۃ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پارہ ۲۶، سورہ فتح، رکوع ۴) وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو ان کو دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ کرتے اور اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی اعلیٰ نعت اور صحابہ کرام کی منقبت ہے۔

اس آیت میں چند مقام غور کے قابل ہیں۔ ایک تو هُوَ الَّذِیْ دوسرے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تیسرے وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ تیسرے ھُوَالَّذِیۡ میں رب تعالیٰ نے پہچان کرائی مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ میں اپنے حبیب کی اور وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ میں صحابہ کرام کی، یا یوں کہو، کہ رب العالمین نے اپنی پہچان کرائی۔ محبوب علیہ السلام کے ذریعے سے اور محبوب علیہ السلام کی پہچان کرائی بذریعہ صحابہ کرام فرمایا گیا ھُوَالَّذِیۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ اے مسلمانو! اگر رب تعالیٰ کو جاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے ایسے رسول علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو، کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کاریگر کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں عمارت بنائی ہے، یا قابل استاذ کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں شاگرد کو قابل بنایا، اگر میری علمی قابلیت دیکھنا ہے تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھو، کہ میرے علم و ہنر کا نمونہ ہے، دست قدرت بھی آج اس انوکھے اور نرالے بندہ خاص پر ناز فرماتا ہے، کہ اگر میری قدرت میرا علم میری سخاوت میرا کرم غرضکہ میری تمام صفات کا نظارہ کرنا ہے تو میرے محبوب علیہ السلام کو دیکھ لو کہ یہ مظہر ذات ہیں، اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔

یا یوں سمجھو کہ آفتاب کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، لیکن اگر رنگین شیشہ میں سورج کا عکس لیا جاوے اور اس شیشہ میں نظر کی جاوے، تو جمال آفتاب نظر آتا ہے، یہ ذات پاک بھی قدرت الٰہی دیکھنے کا گہرے رنگ والا شیشہ ہے، اس کو دیکھا تو رب کی صفات کو دیکھا۔

بِالۡھُدٰی الآیۃ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت یافتہ بنا کر بھیجا یعنی اور بچے تو ماں باپ، استاد، مشائخ اور ساتھیوں سے مختلف قسم کی ہدایتیں لیتے ہیں۔ مگر حضور نے کسی سے ہدایت نہ لی، رب تعالیٰ نے ہر طرح کی ہدایت دے کر بھیجا، اسی لئے حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا (روح البیان یہ ہی مقام) ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان چوسا، دوسرا اپنے بھائیوں کے لئے چھوڑا، ظہور نبوت سے پہلے نمازیں پڑھیں۔ دوسرے یہ کہ تمہاری ہدایتیں حضور کو عطا فرمائیں، یعنی جسے جو ہدایت ملے گی وہ حضور سے ملے گی۔ حضور کو سرچشمہ ہدایت بنا کر بھیجا، دین حق سے مراد سچا دین ہے یا مضبوط دین یعنی پچھلے نبیوں کے دین اگرچہ سچے تھے مگر مضبوط نہ تھے، لہٰذا منسوخ ہو گئے، حضور انور کا

دین سچا بھی ہے، مضبوط بھی کہ کبھی منسوخ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ رسول تو اور انبیا بھی تھے، مگر یہاں حضور علیہ السلام کو خاص کرکے فرمایا، روح البیان میں ہے کہ چند وجہ سے، اولاً تو اس لئے کہ اور انبیاء کرام تو دنیا میں تشریف لاکر رسول ہوئے حضور علیہ السلام عالم ارواح میں بھی رسول اللہ تھے، جب سے رب کی ربوبیت کا ظہور تب سے رسول اللہ کی رسالت کا اعلان۔

دوسرے اس لئے کہ اور انبیاء کی نبوت تو دنیا میں چند روزہ رہی، مگر حضور علیہ السلام کی رسالت تا قیامت بلکہ جنت میں بھی کہ وہاں کہ ہر پتہ پر لکھا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ۔

چوتھے اس لئے کہ سب انبیاء کرام خاص خاص معجزات لے کر آئے، حضور علیہ السلام تمام معجزات لیکر آئے، کلمہ محمد کی باریک باتیں ہم مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ کی آیت میں عرض کرچکے ہیں۔

چند باتیں اور سنو، تمام عالم حضور علیہ السلام کے نور سے بنا ہے، کیوں کہ ساری چیزوں کے عدد ۹۲ بنتے ہیں اور محمد کے عدد بھی ۹۲ ہیں، گورونانک اس طرح اس کو ثابت کرتے ہیں۔

نام لیو جس انچھر کو تو کرو چوگنا تا دو ملاؤ پچگن کرو کاٹو بیس بنا

نانک بچے تو نو گنے دو اس میں اور ملا اس بدھر کے نام سے نام محمد بنا

یعنی کسی چیز کے عدد نکال لو، ان عددوں کو چار گنا کرلو، کیونکہ یار چار ہیں، اس چوگنے میں دو ملا کر پانچ سے ضرب دے دو، کیوں کہ یہ پنجتن پاک کا عدد ہے، اور جو حاصل ہوا، اس میں سے بیس بیس ۳ دفعہ نکال دو، باقی کو نو سے ضرب دے کر دو ملا دو، ۹۲ حاصل ہوں گے۔

مثلاً کسی چیز کے عدد ہیں، تین، اس کو چوگنا کیا تو ہوتے بارہ، دو ملاتے ہوتے چودہ، پانچ گنا کئے تو ہوتے ستر، اس ستر میں سے بیس بیس تین دفعہ نکال دو تو بچے دس، دس کو نو گنا کیا، تو ہوتے نوے دو ملاتے ہوتے بانوے، ہر جگہ یہ ہی قاعدہ جاری ہے۔

حضور علیہ السلام کے دو نام ذاتی ہیں۔ احمد یعنی رب کی کماحقہ حمد کرنے والے محمد، رب

نے ان کی حمد کی اور تمام مخلوق سے ان کی حمد کرائی۔

اس آیت کے ماتحت روح البیان میں ہے کہ محفل میلاد کی مجلس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی تعظیم ہے اور ساری امت کا عمل۔

اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات بہت ہیں لیکن رب تعالیٰ نے انہیں یہاں رسالت کی صفت سے یاد فرمایا، اور کلمہ میں بھی یہی وصف رکھا دو وجہ سے، ایک یہ کہ حضور کا تعلق رب سے بھی ہے اور مخلوق سے بھی، رسول میں ان دونوں تعلقات کا ذکر ہے یعنی خدا کے بھیجے ہوتے اور مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے اگرچہ نبی میں بھی یہ بات حاصل ہے، لیکن نبی میں صرف خبر لانا ہے اور رسول میں خبر ہدایات اور انعامات سب لانے کی طرف اشارہ ہے، دوسرے اس لئے کہ دو بچھڑوں کو ملانے والے رسول ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ڈاک کا محکمہ کہ اگر یہ نہ ہو تو دو ملک اور دو شہر کٹ جاویں، اسی طرح خالق و مخلوق میں تعلق پیدا کرنے والے رسول ہی ہیں کہ اگر ان کا واسطہ درمیان میں نہ ہو، تو خالق و مخلوق میں کوئی تعلق نہ رہے، حضور اللہ کے رسول ہیں، کہ اس کی نعمتیں ہم تک پہنچاتے ہیں، اور ہمارے رسول ہیں کہ ہماری درخواستیں بارگاہ رب میں پیش فرماتے ہیں، اور ہمارے گناہ وہاں پیش کر کے معاف کراتے ہیں، جو کہے کہ ہم خود رب تک پہنچ جائیں گے وہ درپردہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا منکر ہے، اگر ہم وہاں خود پہنچ جاتے تو رسول کی کیا ضرورت تھی، رب غنی ہو کر بغیر واسطہ ہم سے تعلق نہیں رکھتا۔ تو ہم محتاج اور ضعیف ہو کر رب تعالیٰ سے راست تعلق کیسے رکھ سکتے ہیں، اس لئے ارشاد ہوا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ میں چار صفات بیان ہوئی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہنا، کفار پر سخت ہونا آپس میں رحیم و کریم ہونا، رکوع و سجود زیادہ کرنا، یعنی عابد ہونا، یہ چاروں صفات اللہ کے فضل سے تمام صحابہ کے اندر موجود ہیں۔ مگر چار خلفا میں ایک ایک وصف کمال درجہ کا تھا۔ صدیق میں ساتھ رہنا عمر فاروق میں کافروں پر سخت ہونا، عثمان غنی میں رحیم ہونا، مولیٰ علی میں عبادت و زہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم گویا کہ شمع نبوت کی لالٹین کے چار شیشے ہیں علیحدہ علیحدہ رنگ والے، اگر نور نبوت دیکھنا ہے۔ تو

ان رنگ برنگے شیشوں کے ذریعہ سے دیکھو، جو شخص ان شیشوں سے علیحدہ ہے وہ نور مصطفیٰ علیہ السلام والسلام سے دور ہے کیوں کہ ممکن نہ تھا کہ رب العالمین اپنے نبی کے ساتھ کے لئے ایسے لوگوں کو خاص کیا جو معاذ اللہ ایمان دار بھی نہ ہوں، اور پھول کے پاس رہ کر مٹی بھی مہک جاتی ہے، آسمان کا سورج جس گندی زمین پر روشنی ڈال دے وہ پاک ہو جاوے، تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس رہنے والے خوشبودار نہ ہو جاویں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ دونوں جہان کے حقیقی سورج ہیں۔ اس سورج کے پاس بیٹھنے والے کیوں کر گندے رہ سکتے ہیں۔ اگر معاذ اللہ یہ دیندار نہ تھے، تو قرآن کے پہنچانے والے مخلوق تک اور احادیث کے سنانے والے، دین کی تبلیغ کرنے والے غرض کے چمن مصطفیٰ علیہ السلام کی نگہبانی کرنے والے تو یہ ہی حضرات ہیں تو کیا قرآن اور اسلام معاذ اللہ برے لوگوں کے ہاتھوں میں پھلا پھولا۔

جس آنکھ نے ایمان سے ایک بار بھی جلوہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ دیکھ لیا، اس کا درجہ دنیا بھر کے غوث و قطب سے بڑھ گیا، تو جو حضرات سایہ کی طرح ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے وہ کیا شان رکھتے ہوں گے۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اسکا
خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسے رہے کہ ولادت سے پہلے عالم ارواح میں ساتھ، دنیا میں بچپن میں، جوانی میں، سفر میں، وطن میں، ہر جگہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہجرت اوروں نے تو آگے پیچھے کی، مگر صدیق ہجرت میں بھی ساتھ، غار میں ساتھ، جس کو قرآن سنا رہا ہے کہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ قرآن نے صدیق اکبر کی صحابیت کا یار غار ہونا بیان کیا ہے، آج ہماری اردو میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں تو میرا یار غار ہے، یار غار اسی جگہ سے لیا گیا ہے کہ صدیق اکبر نے غار میں حق رفاقت ادا کیا۔

وفات میں ساتھ اس طرح کہ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی، تو آپ کی عمر شریف

۶۳ سال کو پہنچی تو وفات پائی۔ دو سال اور چند ماہ عمر میں چھوٹے تھے، وہی زمانہ پورا فرما کر جب ۶۳ سال کو پہنچے تو وفات پائی۔

طریقہ وفات میں ساتھ، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات زہر سے ہوئی، جو خیبر میں ایک یہودی عورت نے کھلایا تھا، صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات بھی زہر سے ہوئی کہ سانپ نے غار میں کاٹا تھا آج وہ زہر لوٹ آیا۔

نیز صحیح روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کے دولت خانہ میں وفات کی رات چراغ کے لئے تیل نہ تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت نہ گھر میں کفن، نہ کفن کے لئے دام، چنانچہ ان ہی استعمالی کپڑوں میں کفن دیا گیا دھو کر (دیکھو اسماء رجال)، پھر بعد وفات شریف قیامت تک کے لئے قبر میں محبوب کے دامن میں جا کر سو گئے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّم

آن آمنُ النّاسِ بر مولائے ما   آن کلیم اول سینائے ما

حضرت فاروق کفار پر کیسے سخت۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ عمر جس راہ سے شیطان تم کو جاتا ہوا دیکھ لیتا ہے، تو وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ غزوہ بدر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہوئی کہ سارے قیدی کفار قتل کر دیئے جاویں۔ ان کی رائے کی تائید قرآن کریم نے فرمائی۔ عبداللہ ابن ابی منافق کے جنازہ کے لئے حضرت عمر کی رائے ہوئی کہ اس کی قبر پر نہ جایا جاوے، اور نماز جنازہ نہ پڑھی جاوے آیت نے اس ہی کی تائید کی۔

آج بھی جو شخص "یا عمر" اپنے سینے پر انگلی سے لکھ کر سوتے، تو رات کو شیطانی خوابوں اور بذریعہ خواب احتلام سے محفوظ رہے۔

حضرت عثمان غنی قرآن جمع فرما کر سارے مسلمانوں پر احسان کر گئے۔ مدینہ شریف میں پانی کی بہت کمی تھی، میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا اس کا مالک بہت مہنگا پانی فروخت کرتا تھا۔ وہ خرید کر وقف فرما دیا، تا قیامت حاجی اس کا پانی پیتے رہیں گے، گویا آپ ساقی حجاج ہیں۔ اس کنوئیں کا نام بیر رومہ ہے، اور وہ آپس میں ایسے رحیم و کریم کہ مدینہ پاک

میں شہید ہوئے تو ایسے کہ کسی کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا اور نہ اپنے کسی غلام کو جنگ کی اجازت دی اپنے زمانہ میں مسلمانوں کو مال و دولت سے مال مال کر دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے عابد و زاہد کہ پیدائش بھی ہوئی تو خانہ کعبہ میں ہی ہوئی، ہم نے عرض کیا ہے۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش
کہ وہ اسلام کا کعبہ تھا یہ ایمان کا کعبہ

آپ شریعت و طریقت کا مجمع، اولیاء اللہ کو ولایت تقسیم فرمانے والے ہیں۔ آپ ہی نسل مصطفیٰ علیہ السلام کے نخل کی اصل ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کے گھر میں اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دولت خانہ میں پرورش پائی، سارے اولیاء اللہ حضرت علی کے دلدادہ ہیں آپ پر شیدا ہوتے ہیں کہ ولایت کا ٹکڑا انہی کے ہاتھوں سے پاتے ہیں۔ ہر چیز اپنے محسن پر فدا ہوتی ہے، کتا اپنے مالک کے پیچھے دم ہلاتا ہے۔

ہو چشتی، قادری، یا نقش بندی، سہروردی ہو
ولایت کا انہی کے ہاتھ سے سب کو ملا ٹکڑا

غرضکہ کہ ہر پھول کا رنگ و بو علیحدہ علیحدہ ہے۔

رب تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام کو کھیتی سے تشبیہ دی، نہ کہ باغ سے تین وجہ سے ایک یہ کہ کھیتی پر مخلوق کی زندگی کا دارومدار ہے، باغ پر نہیں کیوں کہ پھل لذت کے لئے کھائے جاتے ہیں، مگر غلہ سے روزہ افطار ہوتا ہے، لہذا سارا عالم اپنی ایمانی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا محتاج ہے دوسرے اس لئے کہ باغ پر مالک کی ہر وقت نگاہ نہیں رہتی، صرف پھل کے موسم میں اس کی نگرانی کرتا ہے، لیکن کھیت کی نگرانی ہمیشہ رہتی ہے، صحابہ کرام کی جماعت وہ ہے، جس پر ہمیشہ رب تعالیٰ کی نظر رحمت ہے تیسرے اس لئے کہ کھیت کٹتا رہتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام شہید ہوتے رہے، مگر بڑھتے رہے یزید نے یہ سارا کھیت کاٹ ہی ڈالا صرف عابد بیمار کو چھوڑا دیکھو آج کتنے سید ہیں۔

آیت ۵۷۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (پارہ ۲۶، سورہ الحجرات، رکوع ۱) اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی کی آواز سے، اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جاویں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ کی نعت شریف ہے اور اس میں مسلمانوں کو اس بارگاہ بیکس پناہ میں حاضری دینے کے قواعد سکھاتے گئے ہیں۔ اگرچہ اب مسلمانوں کو اس بارگاہ کا یہ ادب نصیب نہیں مگر یہ آیات برابر رکھی گئیں، دو وجہ سے، اولاً یہ کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھیں کہ اس بارگاہ کا یہ ادب ہے، دوسرے یہ کہ بعد وفات شریف بھی یہ ہی آداب باقی ہیں کہ جو بھی اس آستانہ پر حاضر ہو یہ ادب ملحوظ رکھے اور دینی و دنیاوی باتوں میں اپنی رائے کو حکم عالی پر مقدم نہ کرے۔

اس آیت میں تین چیزوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا ہے۔

(۱) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

(۲) اپنی آوازیں رسول علیہ السلام کی آواز مبارک پر اونچی نہ کرو۔

(۳) ان کی بارگاہ میں چلا کر بات نہ کرو۔

ان کے شان نزول علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔ یہ پہلی آیت لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کے شان نزول کے بارے میں چند قول ہیں، مجاہد اور حسن تو فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے عید الاضحیٰ کے دن قربانی حضور علیہ السلام سے پہلے کر لی تھی۔ اس سے منع فرمادیا گیا، ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے نہ بڑھو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ بعض لوگ رمضان سے پہلے شک

کے دن روزہ رکھ لیا کرتے تھے، اس سے منع فرمادیا گیا، اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آتے (غبار وغیرہ کی وجہ سے) اور شک ہو کہ چاند ہوا یا نہیں تو اس کی صبح کو روزہ رکھنا عام مسلمانوں کو منع ہے۔

حضرت قتادہ کا قول کہ بعض کہا کرتے تھے کہ کاش ایسی آیت اترتی، ایسے احکام آجاتے، اس کی ممانعت کے لئے یہ آیت آئی۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ بعض باہر سے آنے والے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوالات بہت کیا کرتے تھے، اس سے روکنے کے لئے یہ آیت آئی (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان)۔

شان نزول کچھ بھی ہو، مگر یہ حکم سب کو عام ہے، یعنی کسی بات میں کسی کام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے ہونا منع ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کے ہمراہ راستہ میں جارہے ہوں تو آگے آگے چلنا منع ہے، مگر خادم کی حیثیت سے یا کسی ضرورت سے اجازت لے کر، اگر ساتھ کھانا ہو تو پہلے شروع کر دینا ناجائز، اسی طرح اپنی عقل اور اپنی رائے کو حضور علیہ السلام کی رائے سے مقدم کرنا حرام ہے۔

مشکوٰۃ باب ماعلے الماموم میں ہے کہ مرض وفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت فرمانے کا حکم دیا، ایک روز عین نماز کی حالت میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نماز پڑھا رہے تھے حضور علیہ السلام تشریف لے آتے اسی وقت سے صدیق اکبر مقتدی ہو گئے اور حضور علیہ السلام امام۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں کسی کو بھی امام ہونے کا اختیار نہیں اور اگر درمیان میں حضور علیہ السلام تشریف لے آویں تو پہلے امام کی امامت منسوخ ہو جاتی ہے، کیوں کہ یہ بھی حضور علیہ السلام سے آگے بڑھنے میں داخل ہے، ہاں اگر حضور علیہ السلام ہی اجازت دیں کہ تم امام بنے رہو تو اب حضور علیہ السلام کی اجازت سے امام رہنا جائز ہوا۔ جیسا کہ عبد الرحمٰن ابن عوف پر گزرا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز کی

حالت میں حضور علیہ السلام کا خیال کرنا اور ان کا ادب کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا بلکہ کامل تر بناتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ ورسول کا ذکر ہے اللہ ورسول کے آگے نہ بڑھو۔ حالانکہ رب تعالیٰ سے آگے ہونا غیر ممکن ہے، کہ وہ نہ زمانہ میں ہے نہ کسی مکان میں، اور آگے ہونا یا زمانہ میں ہوتا ہے یا جگہ میں معلوم ہوا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ سے آگے نہ ہو، ان کی بے ادبی رب تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جو ہو مردود اس در کا وہ مردود خدا ٹھیرے

نوٹ ضروری:۔ اس سے صاحب روح البیان نے ثابت کیا کہ مشائخ اور علماء اور مرشد کے آگے چلنا، کلام میں ان سے آگے رہنا محرومی کا باعث ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چل رہا تھا، حضور علیہ السلام نے دیکھا تو فرمایا کہ ابو الدرداء کیا تم اس کے آگے چلتے ہو جو تم سے بلکہ ساری دنیا سے افضل ہے؟ (روح البیان)۔

دوسرا حکم ہوا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچا نہ کرو، اس کی شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حبیب اللہ اقرع ابن حابس کو ان کی قوم کا عامل بنا دیا جاوے۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ قعقاع ابن معبد کو عامل بنایا جاوے۔

اس گفتگو میں ان حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں، تب یہ آیت نازل ہوئی، پھر تو ان دونوں حضرات کا یہ حال تھا کہ اس قدر آہستہ کلام عرض کرتے تھے، کہ حضور علیہ السلام چند بار دریافت فرماتے تھے کہ کیا کہتے ہو (روح البیان)۔

تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا کہ یہ آیت حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کو ثقل سماعت (اونچا سننا) کا مرض تھا اس لئے ان کی آواز کچھ اونچی ہو جایا کرتی تھی غرض کہ کچھ بھی ہو۔ قرآن نے بارگاہ مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ادب سکھایا

کہ وہاں اونچی آواز نہ نکالو۔ اب بھی حاجیوں کو حکم ہے کہ جب روضہ پاک پر حاضری نصیب ہو تو سلام بہت آہستہ کریں، اور کچھ دور کھڑے ہوں بلکہ بعض فقہانے تو حکم دیا ہے کہ جب حدیث پاک کا درس ہو رہا ہو۔ تو وہاں دوسرے لوگ بلند آواز سے نہ بولیں کہ اگرچہ بولنے والا اور ہے مگر کلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے (روح البیان)۔

تیسرا حکم ہے لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ الآیۃ یعنی ان کے حضور میں ایسے کلام نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے کرتے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو نام پاک لے کر یا بشر کہہ کر یا بھائی یا باوا یا چچا کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ حضرت عباس رشتہ میں حضور علیہ السلام کے چچا ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ زوجہ۔ صدیق و فاروق خسر، مگر یہ حضرات جب بھی روایت کرتے ہیں تو یہ نہیں فرماتے کہ میرے بھتیجے یا میرے داماد یا میرے شوہر نے یہ فرمایا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی تحقیق ہم اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں کر چکے ہیں۔ غرضکہ یہ آیت کریمہ نعت مصطفیٰ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۷۶۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (پارہ ۲۷، سورہ النجم، رکوع ۱) اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے، تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کو کی جاتی ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی چمکتی ہوئی نعت پاک ہے، اس میں چند کلمات قابل غور ہیں اولاً وَالنَّجْمِ دوسرے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ تیسرے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے، کہ النجم سے کیا مراد ہے، اور ھوٰی سے کیا مقصود؟ نجم عربی زبان میں ستارے کو بھی کہتے ہیں، اور بیل کو بھی یعنی وہ درخت جو زمین پر بچھے ہوتے ہوتے ہیں جیسے کدو کا درخت بعض مفسرین نے تو فرمایا کہ نجم سے مراد آسمان کا تارا ثریا وغیرہ ہے۔ اور ھوٰی سے مراد ہے قریب غروب ہونا، جس طرح کہ پروردگار عالم نے دنیا کی اور چیزوں کی قسم فرمائی، انجیر کی، طور سینا کی پہاڑ کی۔ اسی طرح یہ بھی ایک قسم ہے۔ بعض

نے فرمایا کہ نجم سے مراد بچھے ہوتے درخت ہیں اور بعض نے فرمایا کہ نجم سے مراد ذات سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کیوں کہ نجم کا کام ہی ہدایت دینا مسافروں کو دریا میں بھی اور جنگل میں بھی (پہلے زمانہ میں قطب نمانہ تھا، تاروں سے ہدایت لیتے تھے) یہ ذات کریم بھی ہادی خلق ہیں، ہویٰ سے مراد ہے معراج سے واپس تشریف لانا، اور لوٹنا جانے کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا معراج جسمانی آسمان تک قرآن سے ثابت ہوئی، بعض لوگوں نے فرمایا کہ نجم سے مراد صحابہ کرام ہیں یا علمائے امت یا مشائخ کرام، کیونکہ ان کے لئے فرمایا گیا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ میرے صحابہ کرام ستاروں کی طرح ہیں، اور ہَوٰی سے مراد ہے بعد وفات شریف قبروں میں دفن ہونا (روح البیان) لہٰذا صحابہ کرام اور علمائے دین کی قبروں کی قسم فرمائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ قبریں بہت معظم ہیں۔ جیسے فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ سے بعض حضرات نے قبور صحابہ کرام و علماء و اولیاء مراد لی ہیں۔

مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی سے حضور علیہ السلام کی عصمت اور گناہوں اور بدعقیدگیوں سے پاک ہونا بیان فرمایا گیا۔ ہم نے اس مسئلہ کی اپنے رسالہ قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں مکمل بحث کی ہے تمام انبیاء بعد نبوت گناہ سے پاک ہیں۔ مگر ہمارے حضور علیہ السلام نے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کبھی بھی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا، اس آیت میں اسی کا ثبوت ہے۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی میں جو ضَآلًّا فرمایا گیا ہے اس کے معنی گمراہی نہیں ہیں، جیسے کہ ہم نے رسالہ قہر کبریا میں تحقیق کی اور اس کتاب میں بھی وَالضُّحٰی میں اس کی بحث کریں گے۔

خیال رہے کہ مَاضَلَّ ماضی مطلق ہے، جس میں قریب یا دور کی قید نہیں ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد نبوت اور نبوت سے پہلے کبھی بھی یہ فعل آپ سے سرزد نہ ہوئے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی میں فرمایا گیا کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں وہ رب کی وحی ہوتی ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے کو بحر توحید میں اس طرح فنا کردیا کہ جو بات آپ کے منہ سے نکلتی ہے۔ تو زبان

محبوب کی ہوتی ہے مگر کلام رب کا اس کی تحقیق ہم وَمَا رَمَیتَ اِذْ رَمیتَ میں کر چکے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو منہ سے بولتے ہیں وہ یا تو قرآن ہوتا ہے یا حدیث اور دونوں وحی، قرآن تو وحی جلی جس کی تلاوت نماز میں جائز ہے اور حدیث وحی خفی جس پر سارے احکام کلام الٰہی کے جاری ہیں بجز تلاوت کے اس کی بحث بھی تفصیل سے اوپر ہو چکی ہے۔

ہاں دو سوال پڑیں گے ایک تو یہ کہ بعض موقعوں پر حضور علیہ السلام نے کچھ فیصلہ فرمادیا اور بعد میں حکم الٰہی اس کے خلاف آیا۔ جیسے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق ہوا، دوسرے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

کَلَامِی لَا یَنسَخُ کَلَامَ اللّٰهِ کہ ہمارا کلام رب کے کلام کو نسخ نہیں کر سکتا (مشکوٰۃ کتاب مسلم) اس کا مطلب محدثین فرماتے ہیں کہ کلامی سے مراد وہ کلام ہے جو اپنی رائے سے ہو، تو اب سوال یہ ہوا کہ جب ہر بات حضور کی وحی الٰہی ہے تو اب یہ حکم اس کے لئے کیوں ان دونوں سوالات کے جوابات ہم نے قہر کبریا میں تفصیل سے دیئے ہیں وہاں مطالعہ کرنا چاہیئے۔

آیت ۷۷۔ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی (پارہ ۲۷، سورہ النجم، رکوع ۱) دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو، اور انہوں نے تو دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں کچھ دیکھنے کا ذکر ہے، پہلی آیتوں میں تو فرمایا گیا تھا کہ ان کی زبان ہمارا کلام ہی بولتی ہے، اس میں فرمایا گیا کہ ان کی آنکھ نے ہم کو دیکھا، اس آیت میں معراج کا ذکر ہو رہا ہے۔

اس آیت کے مقصد میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے، وَلَقَدْ رَاٰهُ میں ہ سے کیا مراد ہے یعنی محبوب نے اس کو دیکھا، بعض نے کہا کہ حضرت جبریل کو دیکھا یعنی کسی پیغمبر نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں نہ دیکھا، صرف ہمارے حضور علیہ السلام نے دوبار ان کو اصلی شکل میں دیکھا۔ اس کو سوا شکل انسانی میں آتے تھے، اس کا یہاں ذکر ہے بعض نے فرمایا کہ اپنے رب کو دیکھا، جنہوں نے رب کے دیکھنے کا قول کیا ہے، وہ دو جماعتیں ہیں بعض تو

کہتے ہیں کہ دل سے دیکھا حضرت ابن عباس مانتے ہیں۔ (مسلم) اور سر کی آنکھ سے دیکھنا حضرت انس ابن مالک اور حسن اور عکرمہ (تفسیر خزائن العرفان) صاحب روح البیان نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے اور ہم کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔

مذہب اہل سنت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے رب کو بچشم سر دیکھا، حسن بصری قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ معراج میں حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا، رب کو دیکھا، رب کو دیکھا، یہاں تک فرمایا کہ آپ کی سانس بند ہو گئی (روح البیان یہ ہی آیت)۔

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا رَاَیتُ رَبِّی فِی اَحسَنِ صُورَہ میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ اس کی شرح مرقات میں اسی جگہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ حضور نے بچشم سر بیداری میں شب معراج دیکھا، یہ ہی زیادہ صحیح ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں کہ یہاں خواب میں دیکھنا مراد ہے۔

حضرت وکیع کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دوبارہ دیکھا (روح البیان زیر آیت عِندَ سِدرَۃِ المُنتَہیٰ) غرضکہ ترجیح اسی قول کو ہے کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا، اس کی پوری تحقیق شفا شریف اور مواہب لدنیہ میں دیکھنا چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دیدار کا سخت انکار فرماتی ہیں، اور رب تعالیٰ تو فرماتا ہے لَا تُدرِکُہُ الاَبصَارُ اس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں تو کس طرح دیدار الٰہی ممکن ہے؟ لیکن حضرت ابن عباس و دیگر اکابر کی روایات بیان کی جا چکیں، حضرت صدیقہ کا یہ قول اپنے اجتہاد سے ہے کوئی روایت پیش نہیں فرماتیں اور حضرت ابن عباس کی روایت ہے، اور روایت کے مقابلہ میں اجتہاد کو نہیں اختیار کیا جاتا، اس آیت کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ اس دنیا میں رب کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، لیکن معراج میں تو دنیا ہی دوسری تھی۔

آخر قیامت میں جنت میں سب مسلمانوں کو دیدار ہو گا۔

حضرت صدیقہ تو معراج جسمانی کا آسمان کی طرف انکار فرماتی ہیں، مگر یہ کسی نے بھی نہ مانا، کیوں کہ ان کا یہ فرمان اپنے اجتہاد کی بنا پر ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جس رات معراج ہوئی، اس رات حضور علیہ السلام میرے مکان میں جلوہ گر تھے۔ جسم پاک گم نہ ہوا، معراج کیسی؟ مگر یہ معراج جسمانی جب ہوئی تب تو حضرت عائشہ صدیقہ حضور علیہ السلام کے نکاح میں نہ آئیں تھیں، وہ تو ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے ہوئی۔

روح البیان میں زیر آیت عِندَ سِدرَۃِ المُنتَھیٰ ہے کہ معراج حضور علیہ السام کو کل ۳۴ بار ہوئی۔ جن میں سے ایک بات بیداری میں جسمی اور باقی خواب میں روحانی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۷۸۔ اِقتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانشَقَّ القَمَرُ (پارہ ۲۷، سورہ قمر، رکوع ۱) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اور اس میں حضور علیہ السلام کی دو صفتوں کا بیان ہے ایک تو قیامت قریب ہونا، دوسرے چاند کا شق ہو جانا، قیامت قریب ہونے کے معنے تو یہ ہیں کہ اور انبیاء کے زمانہ میں کسی نہ کسی نئے نبی کی آمد کا انتظار تھا مگر اب اللہ کے آخری نبی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اب صرف قیامت ہی کا انتظار ہے، یا یوں کہو حضور علیہ السلام کا زمانہ حکومت قیامت تک ہے کہ کبھی بھی آپ کا دین آپ کا قرآن منسوخ نہ ہو گا۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَینِ ہم اور قیامت ان دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں، یعنی ہم میں اور قیامت میں کوئی نیا نبی درمیان میں نہیں (بخاری کتاب الرقاق باب قول النبی بعثت) قیامت تک حضور ہی کا زمانہ ہے، چاند پھٹنے کا وہ قصہ ہے جو خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں نقل فرمایا کہ ابوجہل نے والی یمن حبیب ابن مالک کو لکھا، کہ تیرا دین مٹایا جارہا ہے جلد آ، حبیب یہ پیغام پا کر فوراً مکہ مکرمہ آیا۔ ابوجہل نے حضور علیہ

السلام کے متعلق بہت سی غلط باتیں کہیں، ابو جہل کا مقصد یہ تھا کہ حبیب کا اہل مکہ پر اچھا اثر ہے یہ لوگوں کو سمجھا دے کہ یہ دین قبول نہ کریں۔ حبیب نہ کہا کہ دونوں فریق کی گفتگو سن کر فیصلہ کیا جاتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کا بھی کلام سن لوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں یمن سے آیا ہوں اور دیدار کرنا چاہتا ہوں۔

حضور علیہ السلام مع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مجلس میں تشریف لے گئے، جب پہنچے تو تمام مجلس میں ہیبت چھا گئی، اور کسی کو کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، آخر حضور علیہ السلام نے خود ہی دریافت فرمایا کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ حبیب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور نے دعوائے نبوت فرمایا اور نبوت کے لئے معجزہ ضروری ہے، فرمایا جو تو کہے وہ معجزہ دکھایا جاوے، عرض کیا کہ میں آسمانی معجزہ چاہتا ہوں پھر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرے قلب میں تمنا کیا ہے؟ فرمایا چل! کوہ صفا پر تشریف لے جا کر پورے چاند کو اشارہ کیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک دوسری طرف۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے، چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

پھر فرمایا، کہ اے حبیب! دوسری بات بھی سن! تیرے ایک لڑکی ہے ہمیشہ بیمار رہتی ہے، ہاتھ پاؤں سے معذور ہے، تو چاہتا ہے کہ اس کو شفا ہو جائے، اس کو بھی شفا ہوئی، یہ سنتے ہی حبیب بے اختیار پکار اٹھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ جب گھر پہنچے تو رات کا وقت تھا دروازہ پر آواز دی، وہ معذور لڑکی جو زمین سے نہ اٹھ سکتی تھی اٹھ کر آئی، اور دروازہ کھولا، باپ کو دیکھ کر پڑھنے لگی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ حبیب نے پوچھا کہ بیٹی! تو نے یہ کلمہ کہاں سے سنا؟ تو کہنے لگی۔

اک ماہ مدن، گورا سا بدن نیچی نظریں، کل کی خبریں
دکھلا کے پھبن، وہ سنا کے سخن، مورا پھونک گئے سب تن من دھن

وہ دکھا کے شکل جو چلدیئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل رہا، نہ وہ دل ربا، رہی زندگی سو وبال ہے

کہامیں نے خواب میں ایک چاند سی صورت والے کو دیکھا، جو فرماتے ہیں، کہ بیٹی تیرے باپ تو مکہ میں آکر مسلمان ہوئے اور تو یہاں کلمہ پڑھ لے تو تجھ کو ابھی شفا ہو جائے، میں صبح جو اٹھی تو کلمہ زبان پر جاری تھا اور ہاتھ پاؤں سلامت تھے۔

تقریباً تمام جلیل القدر صحابہ کرام اور عام مفسرین کا یہ ہی فرمان ہے کہ چاند کے چرنے کا واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہو چکا، اب جو شخص کہے کہ اس سے مراد ہے کہ قیامت میں چریگا، وہ بد مذہب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل چیر آگیا اور حضور علیہ السلام کی انگلی پاک سے چاند چرا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۹۷۔ اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُراٰنَ خَلَقَ الاِنسَانَ عَلَّمَهُ البَیَانَ (پارہ ۲۷، سورہ رحمٰن، رکوع ۱) رحمان نے اپنے بندہ محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا اور مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ کا ان کو بیان سکھایا۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے، اس کے نزول میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ جب یہ آیت اتری اُسجُدُ والِلرَّحمٰنِ یعنی رحمٰن کو سجدہ کرو، تو کفار مکہ نے کہا کہ رحمٰن کون ہے ہم ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری، کہ تم نہیں جانتے، رحمٰن کون ہے، رحمٰن وہی تو ہے جس نے اپنے محبوب کو قرآن سکھادیا۔

دوسرا یہ قول ہے کہ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بشر قرآن سکھاتا ہے تب یہ آیت اتری کہ بشر نہیں سکھاتا، بلکہ خالق بشر رحمٰن قرآن سکھاتا ہے (خازن) یہاں تو معلوم ہوا کہ رحمٰن نے سکھایا یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن سکھایا، یہ نہ معلوم ہوا کہ کس کو سکھایا، مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان ہی کو سکھایا جن پر یہ قرآن اتارا۔

فائدہ:- اس سے حضور علیہ السلام کے علم کا مسئلہ بھی حل ہوگیا، اگر شاگرد میں علمی

نقصان رہے تو اس کی تین ہی وجہیں ہو سکتی ہے۔ یا تو استاد ناقابل یا بخیل ہو، یا جو کتاب پڑھائی، وہ ناقص تھی یا پڑھنے والا شاگرد نااہل تھا۔ چوتھی وجہ ہو ہی نہیں سکتی، یہاں رب تعالیٰ تو پڑھانے والا، اور محبوب علیہ السلام پڑھنے والے، اور کتاب قرآن کریم جس میں سارے علم موجود ہیں۔ پھر علم مصطفیٰ علیہ السلام کیوں کامل نہ ہوا، بتاؤ ان تین میں ناقص کو ہے؟ جب رب بھی کامل استاد، محبوب علیہ السلام کامل شاگرد، کتاب کامل قرآن، پھر علم کیوں ناقص۔

دوسرا فائدہ:- اس سے معلوم ہوا کہ رسول علیہ السلام تمام پیغمبروں اور تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ ہیں کیوں کہ قرآن نے خبر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتائے، داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھایا عیسیٰ علیہ السلام کو طب کا علم سکھایا، فرمایا وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور خضر علیہ السلام کو علم لدنی سکھایا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم سکھایا وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ مگر محبوب علیہ السلام کو قرآن سکھایا جو ان سب سے بہتر اور اعلیٰ ہے، اور تمام اگلے پچھلے واقعات سکھائے، جس کو قرآن نے بیان فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ

تیسرا فائدہ:- اس سے یہ حاصل ہوا کہ حضور علیہ السلام بلا واسطہ رب تعالیٰ کے شاگرد ہیں نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے، حضرت جبریل علیہ السلام تو درمیان حبیب و محبوب قاصد ہیں، بلکہ خود قرآن لیکر آتے ہیں مگر اسرار سے ناواقف ہوتے ہیں۔ صاحب روح البیان کے کھیعص کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت جبریل نے کہا ک حضور نے فرمایا، میں سمجھ گیا، پھر عرض کیا ھ فرمایا میں سمجھ گیا، عرض کیا یا فرمایا میں سمجھ گیا، عرض کیا ع فرمایا میں سمجھ گیا، عرض کیا ص فرمایا سمجھ گیا، جبریل امین حیران رہ گئے کہ میں تو کچھ بھی نہ سمجھا آپ نے کیا سمجھا۔

میان عاشق و معشوق رمزے ست کراماً کاتبین راہم خبر نیست

چوتھا فائدہ:- یہ حاصل ہوا کہ یہ نہ معلوم ہوا کہ کب سکھایا، ظاہر یہ ہے کہ ازل میں سکھایا سکھانے کا وقت تو وہ تھا مگر اس کے ظہور کا وقت یہ ہوا (روح البیان)۔

خَلَقَ الانسانَ میں انسان سے مراد ذات گرامی جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتی ہے، اور عَلَّمَہُ البَیَانَ میں بیان سے مراد ہے۔ تمام مَاکَانَ وَمَایَکُونُ یعنے اگلے پچھلے واقعات کا علم۔ تو آیت کے یہ معنے ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، اور ان کو سارے علوم سکھائے (خازن و خزائن العرفان) لہٰذا آیت کا ایک ایک کلمہ نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

آیت ۸۰۔ یَا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوا بِرَسُولِہٖ یُؤتِکُم کِفلَینِ مِن رَّحمَتِہٖ (پارہ ۲۷، سورہ حدید، رکوع ۴) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت سے تو کو دو حصے عطا فرمادے گا۔

یہ آیت کریمہ بھی نعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے۔ اس میں ایمان والوں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود اور عیسائی ہیں، جو گزشتہ انبیاء کرام پر ایمان لاتے ان کو حکم دیا جارہا ہے کہ اے اہل کتاب تم ہمارے اس محبوب علیہ السلام پر ایمان لے آؤ، اگر تم نے ایسا کرلیا تو تم کو اوروں سے دوگنا اجر ملے گا۔ ایک تو اپنے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کا، دوسرے اس نبی آخر الزماں علیہ السلام پر ایمان لانے کا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمی وہ ہیں جن کو دو حصے ثواب ملتا ہے، ایک وہ جس کے پاس لونڈی تھی، اس نے اس لونڈی کو اچھی تعلیم دی، پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرلیا۔ دوسرے وہ غلام جو اپنے مولا کی خدمت اور رب کی اطاعت کرتا ہے، تیسرے وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لایا اور بعد میں حضور علیہ السلام پر ایمان لے آیا ان کو دو حصہ ثواب ملتا۔

نکتہ:۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ اگر عیسائی یا یہودی اسلام قبول کرے تو وہ صحابہ کرام یا اہل بیعت سے افضل ہو جاوے گا کہ ان کو ایک ثواب اور اس کو دو ثواب صحابی کا ایک ثواب بھی غیر صحابی کے لاکھوں ثوابوں کے برابر نہیں ہوسکتا۔

حدیث پاک میں ہے کہ صحابی تھوڑے جو خیرات کریں اور دوسرا مسلمان پہاڑ بھر سونا خیرات کرے تو صحابی کا ثواب اس سونے والے کے ثواب سے زیادہ ہوگا، نیز ثواب میں

زیادہ ہوتا اور ہے اور درجہ بڑا ہوتا اور، اگر بادشاہ وقت کسی سپاہی سے خوش ہو کر اس کو بڑا انعام دیدے اور وزیر اعظم کو انعام نہ دے تو اگرچہ کچھ مال تو اس سپاہی کو مل گیا، جو درجہ وزیر کو حاصل ہے وہ اس سپاہی کو حاصل نہیں۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

آیت ۱۸۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ (پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ، رکوع ۳) تم نہ پاؤ گے ان کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور مسلمانوں کی پہچان، اس میں مسلمانوں کی نشانی یہ بتائی گئی کہ مومن ہرگز نہیں کر سکتا، کہ اللہ و رسول علیہ السلام کے دشمنوں سے محبت رکھے اگرچہ وہ اس کے خاص اہل قرابت ہی ہوں، جس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ماں باپ کا بہت بڑا حق ہے، مگر حق مصطفیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کسی کا کچھ حق نہیں۔

حضور علیہ السلام کا حکم ہے کہ ڈاڑھی رکھاؤ، ماں یا باپ یار کہیں یا دوست کہ ڈاڑھی منڈواؤ ہرگز جائز نہیں کہ منڈائے، رب کا حکم ہے کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو، ماں کہے یہ کام نہ کر ماں کی بات ہرگز نہ مانی جاوے گی۔ کیوں کہ اللہ و رسول علیہ السلام کا حق سب پر مقدم ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا بیٹا یا بھائی یا باپ یا ماں کافر ہوں، تو ان سے محبت، دوستی تمام کی تمام حرام ہیں۔

اس آیت کی تفسیر صحابہ کرام کی زندگی ہے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے جنگ احد میں اپنے والد جراح کو قتل کیا، حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے فرزند عبدالرحمٰن کو جو اس وقت کافر تھے مقابلہ کے لئے بلایا، کہ عبدالرحمٰن آؤ! آج باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں، لیکن حضور علیہ السلام نے ان کو روک دیا حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمیر کو قتل کیا جو کافر تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو

قتل کیا جو کافر تھا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیعہ کے لڑکوں عتبہ اور شیبہ کو جنگ بدر میں قتل کیا جو ان کے قرابت دار تھے، خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو رشتہ داری کا کیا پاس (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان)۔

مسئلہ:- اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنیوالوں سے میل جول اور محبت رکھنا حرام ہے اور بے ایمانوں کی نشانی، سعادت مند فرزند اپنے باپ کے دشمنوں سے محبت نہیں کرتا، اگر کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دے دے، تو اس سے بولنا گوارا نہیں کرتا، تو جن پر دونوں جہان ماں و باپ قربان ان کی بدگوئی کرنے والوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے محبت کرنا کیوں کہ گوارا کیا جاسکتا ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہر مذہب کے جلسوں اور صحبتوں میں بے دھڑک شرکت کرتے ہیں خدائے پاک توفیق عطا فرمائے۔

ناتوانی دور شواز یار بد یار بد بدتر بود از مار بد
ماربد تنہا ہمیں برجاں زند یار بد بر دین و بر ایماں زند

سانپ تو جان لیتا ہے اور برا یار ایمان لیتا ہے۔ دولت مند ڈاکو سے محبت رکھے تو ایک دن اپنی دولت برباد کردے گا۔ اسی طرح دولت ایمان رکھنے والا اگر بے ایمانوں سے محبت رکھے، تو ایک دن اپنا ایمان کھو دیگا، آج بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بروں کی صحبت میں بیٹھ کر بد مذہب بن گئے۔

آیت ۸۲۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پارہ ۲۸، سورہ حشر رکوع ۱) اور جو کچھ تم کو رسول دیں وہ لو، اور جس سے منع فرمادیں اس سے باز رہو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے مالک ہیں اور تمام مسلمان ان کے بندہ بے زر، اس سے معلوم ہوا کہ ایماندار وہ ہے جو حضور علیہ السلام کے ہر حکم کو بے تامل قبول کرے، خواہ اس کی عقل میں آوے یا نہ آوے اور خواہ دنیاوی نفع اس میں معلوم ہو یا نہ ہو۔

سُود سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سود میں نفع دنیاوی ہے۔ مگر ایمان کا تقاضا ہے، کہ اس کو سنتے ہی فوراً علٰحدہ ہو جاؤ، ان کی اطاعت میں ہی ہر طرح کا فائدہ ہے۔

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام خود کئے یا جن کاموں کا حکم دیا جو کسی کو کچھ کرتے ہوتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ یہ سب مَآ اٰتٰکُم میں داخل ہے۔ پہلے کو سنت فعلی، دوسرے کو سنت قولی، تیسرے کو سنت سکوتی کہتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ حضور ہی کی شان ہے کہ آپ کا ہر حکم، ہر فعل قابل اتباع ہے اور کسی کی یہ شان نہیں، کیوں کہ حضور کا ہر حکم ہر فعل رب کی طرف سے ہے ہمارے نفسیاتی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں۔ بارگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ تک نہ شیطان کی پہنچ نہ نفس امارہ کا دخل، جیسے سونے کی کان سے سونا ہی نکلتا ہے اور آم کے درخت سے آم ہی حاصل ہوتے۔ ایسے ہی زبان پاک مصطفیٰ علیہ السلام سے حق ہی جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے ہر قول و فعل پر بلا تامل عمل کرو، دوسرے لوگوں کے اعمال واقوال شریعت کی کسوٹی پر کسو۔

آیت ۸۳۔ هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ (پارہ ۲۸، سورہ الصف، رکوع ۱) وہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ برا مانیں مشرکین۔

یہ آیت کریمہ بھی نعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے اور اس میں اسلام کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے هُوَ الَّذِیٓ کے نکات تو ہم سورہ فتح کے آخر میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر یہاں یہ بتانا ہے کہ رب نے وعدہ فرمایا کہ پروردگار عالم اسلام کو تمام دینوں پر غالب رکھے گا، اور یہ وعدہ پورا فرما بھی دیا اور ہم لوگ آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اولاً جب اسلام کا آفتاب مکہ مکرمہ میں چمکا تو اس پر بہت سے گرد و غبار اور بادل آئے یہاں تک کہ بانی اسلام علیہ السلام اور مسلمانوں کو مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا، مگر پھر انجام یہ ہوا کہ سارے ملک عرب میں اسلام ہی غالب رہا۔ پھر عرب کے وہ لوگ جو تمام دنیا سے ادنیٰ مانے

جاتے تھے۔ ایک اس آقا کی ۲۳ سالہ تعلیم کی برکت سے دنیا سے اعلیٰ ہو گئے۔ جاہل عالم کے استاد بن گئے، چوری کرنے والے دنیا کے محافظ بنے بے تہذیب دنیا کو تہذیب سکھانے والے بنے۔ شراب پینے والے اس شراب سے منہ موڑ کر محبت الٰہی کی شراب میں سرشار ہوتے اور بت پرست خدا پرست اور نہ معلوم کون کون، کیا کیا بن گئے۔

بانی اسلام علیہ السلام نے جو اصلاح قوم بلکہ دنیا کی تھوڑی سی مدت اور بے سروسامانی کی حالت میں فرمائی، اس کی آج تک کسی قوم کے پیشوا میں مثال نہیں ملتی، پھر انہی لوگوں کو تخت و تاج کا مالک بنایا، صدیوں تک نہایت دبدبہ سے دنیا پر راج کیا اور آج اس گری حالت میں بھی اللہ کے فضل سے غلامان مصطفیٰ علیہ السلام تاج کے مالک ہیں۔

اب اگرچہ دنیاوی اعتبار سے مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے معلوم ہوتے ہیں، دولت، عزت، سلطنت علم میں اور قومیں ان سے آگے بڑھ گئی ہیں، مگر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ دینی غلبہ اب بھی مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اس کی مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مسجد اور گرجا اور مندر کا مقابلہ کرو، تو مسجد روزانہ پانچ بار آباد ہوتی ہے اور گرجا ہفتہ میں ایکبار یعنی اتوار کو، اور مندر روزانہ بعد مغرب، وہ بھی آباد نہیں ہوتا، ایک دو آدمی آکر گھنٹہ وغیرہ بجا دیتے ہیں قرآن کی قرات، کتابت، زیر، زبر پیش ایک ایک کلمہ محفوظ، مگر انجیل اور توریت اور وید دنیا سے غائب ہو چکے، یہ جو انجیل ایک ایک پیسہ فروخت ہوتی ہے یہ اصل انجیل نہیں، بلکہ اس کی ترجمے ہیں اصل انجیل غائب ہے۔

جس قدر تفسیریں قرآن کی ہیں، اور جو قراتیں اس کتاب اللہ کی ہیں وہ کسی کی نہیں، قرآن کے حافظ ہر شہر میں ملیں گے، اگر ایک جلسہ میں کوئی شخص ایک آیت کا ایک زیر بھی غلط پڑھ دے فوراً لوگ اس کو پکڑتے ہیں۔ مگر دوسری کتابوں کا کوئی حافظ نہیں۔ آج دنیا میں حکومت دوسری قوموں کی ہے۔ مگر چوں کہ قرآن عربی میں آیا، تو اب بھی ہر جگہ عربی جاننے والے موجود ہیں اگرچہ حکومت کی طرف سے اس زبان کی کوئی سرپرستی نہیں۔

حضور علیہ السلام کی سوانح عمری جس شان کی اسلام میں موجود ہے کہ ساری عمر شریف کی

ہر حالت گھر کی اور باہر کی زندگی اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، ہنسنا، رونا، کلام فرمانا یہاں تک کہ سارے جسم پاک کا حلیہ شریف کہ داڑھی پاک میں کتنے بال سفید تھے ایسی کسی مذہب کے پیشوا کی نہیں، حدیث کیا ہے؟ حضور علیہ السلام کی سوانح عمری ہے، کسی بادشاہ، کسی معشوق کسی پہلوان، غرضکہ کسی بھی دنیا کے شاندار آدمی کی ایسی سوانح عمری نہ لکھی گئی۔

گائے بکری مسلمان کھاتے ہیں اور خنزیر ہندو، عیسائی، یہودی تمام قومیں کھاتی ہیں، مگر جو برکت گائے بکری میں ہیں وہ خنزیر میں نہیں، بتاؤ کہ ہندوستان میں کتنے مارکیٹ تو گائے اور بکری کے گوشت کے ہیں اور کتنے سور کے گوشت کے ہیں؟ پھر تمام قومیں آہستہ آہستہ اسلام کے قانون کو مانتی چلی جارہی ہیں۔ اب تک دوسرے لوگ اعتراض کرتے تھے کہ ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی کیوں اجازت دی۔ مگر جب عورتوں کی زیادہ پیداوار اور مردوں کا لڑائی وغیرہ میں مارا جانا دیکھا، تو اب سمجھے کہ چند نکاحوں میں یہ مصلحت تھی۔

مضمون بہت دراز ہو جاوے گا۔ ورنہ میں ایک ایک مسئلہ کے متعلق عرض کرتا کہ اسلام نے جو حکم دیا وہ نہایت ہی عمدہ ہے، غرضکہ دینی غلبہ مسلمانوں کو اب بھی حاصل ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ مسلمان اپنی بدعملی کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاویں یا دولتمند نہ رہیں، اس میں ہمارا قصور ہے نہ کہ اسلام کا، خدائے پاک توفیق دے کہ اس اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑیں۔

آیت ۸۴۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (پارہ ۲۸، سورہ منافقون۔ رکوع ۱) اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے، اس میں حضور علیہ السلام کی عزت کا خطبہ ارشاد ہوا ہے اور ان کے صدقہ میں مسلمانوں کی بھی عزت کا اظہار فرمایا ہے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب غزوہ مریسیع سے فارغ ہو کر ایک کنویں کے قریب قیام فرمایا تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم جہجاہ غفاری اور

عبداللہ ابن ابی منافق کے دوست سنان ابن وبر جہنی میں لڑائی ہوگئی، اس وقت عبداللہ ابن ابی منافق نے سنانکی طرف داری کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخ باتیں بکیں اور کہا کہ مدینہ میں پہنچ کر ہم عزت والے ذلیلوں کو نکالدیں گے (ذلیلوں سے مرادلی مہاجرین) اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اگر تم ان مکہ والوں کو اپنا جھوٹا کھانا نہ دو، تو یہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں۔ اب تم ان لوگوں کو کچھ نہ دو، تاکہ یہ مدینہ سے بھاگ جائیں۔ حضرت ابن ارقم کو یہ سن کر تاب نہ رہی۔ انہوں نے اس منافق سے فرمایا کہ تو ہی ذلیل ہے، رسول اللہ علیہ السلام کے سر پر تو معراج کا تاج ہے، رحمٰن نے ان کو قوت اور عزت دی ہے، ابن ابی کہنے لگا، چپ رہو، میں تو یہ باتیں ہنسی سے کہہ رہا تھا، زید ابن ارقم نے یہ بات حضور علیہ السلام تک پہنچائی۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق سے پوچھا کیا تو نے یہ کہا تھا؟ وہ قسم کھا گیا کہ میں نے نہ کہا تھا، اس کی قوم کے لوگوں نے عرض کیا کہ عبداللہ ابن ابی بوڑھا آدمی ہے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ زید ابن ارقم کو دھوکا ہوگیا ہوگا۔ تب یہ آیت کریمہ ابن ابی کو جھوٹا اور زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچا ثابت کرنے کے لئے اتری۔

صاحب روح البیان نے اس آیت میں فرمایا کہ عبداللہ ابن ابی کے فرزند جلیل القدر صحابی تھے ان کا نام بھی عبداللہ تھا، جب ان کو خبر پہنچی کہ میرے باپ نے ایسا ملعون کلمہ منہ سے نکالا ہے تو انہوں نے مدینہ منورہ کے دروازہ پر اپنے باپ کو پکڑا، اور تلوار سونت لی، اور مدینہ پاک میں جانے سے اس کو روک دیا اور کہا کہ اے میرے باپ تو اقرار کر کہ اللہ عزت والا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزت والے ورنہ ابھی تیری گردن ماروں گا۔ چنانچہ ڈر کے مارے اس کو یہ اقرار کرنا پڑا۔ حضور علیہ السلام نے یہ واقعہ سن کر اس فرزند کو دعائیں دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عزت رسول علیہ السلام پر ماں، باپ، اولاد، آبرو تمام کی قربانی کرنا صحابہ کرام کا طریقہ تھا اور علیہ السلام کے حق کے مقابل کسی کا کوئی حق نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے لئے اور حضور کے طفیل

مسلمانوں کے لئے عزت ثابت فرمائی گئی ہے عزت کے معنی ہیں غلبہ اور قوت، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ غلبہ اللہ کو اور اس کے رسول علیہ السلام اور مسلمانوں ہی کو ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اللہ کی عزت تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام اللہ کے بغیر ارادہ نہیں ہوسکتا۔ وہی عظمت والا ہے وہی حقیقی قدرت ولا۔ اسی کی قاہر حکومت ہے، وہی سب کا والی اور مددگار ہے، جس کو وہ عزت دے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا۔ جس کو وہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا اس کی عظمت ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ سب کو فنا، وہ باقی سب اس کے محتاج وہ غنی رسول علیہ السلام کی عزت یہ کہ ان کو خرابی خاتمہ کا ڈر نہیں، ان کو پروردگار نے عزت دی، شفاعت دی، ان کے دین کو تمام دینوں پر غالب فرمایا، جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں گزرا۔ رب ان کو کافی، ان کو مخلوق میں سے کسی کی حاجت نہیں، بلکہ سب ان کے حاجت مند ہیں، ان کی تعظیم رب کی تعظیم، اور ان کی اہانت رب کی اہانت ہے، ان کی اطاعت رب کی اطاعت ہے، ان کی مخالفت رب کی مخالفت، ان کی ذات ذات الٰہی کی مظہر، تمام گنہگاروں کو ان کے دروازہ پاک پر حاضری کا حکم، دنیا کی ہر چیز پر ان کی حکومت، جانور اور پتھر، درخت وغیرہ ان کے سلامی جن وانسان فرشتے ان کے دعاگو عالم کے سلاطین ان کے دروازے کے بھکاری، جبریل امین ان کے دروازہ پاک کے خادم عرش اعظم ان کا جلوہ گاہ، فرش ان کا پایہ تخت، بروز قیامت سب کی نگاہ تمنا ان کے ہاتھوں کو تکیں گی۔

غرضکہ میرا کیا منہ جو ان کی عزت کا کروڑواں حصہ بیان کروں، بس ان کو وہ عزت ملی جو ان کا دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب علیہ السلام ہم تو صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جائیں گے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ مسلمان جو بھی نیک کام کرتے ہیں، اس کا ایک ثواب تو کرنے والے کو اور دو اس کے مرشد کو اور چار اس کے مرشد کے مرشد کو اور آٹھ اس کے مرشد کو، اسی طرح جس قدر اوپر جاؤ سلسلہ بڑھتا جاوے گا۔ جب یہ ثواب بارگاہ مصطفیٰ علیہ

السلام میں پہنچتا ہے تو بے شمار اور بے حساب ہو کر پہنچتا ہے۔ یہ تو ایک امتی ہے ایک نیک کام ہے، اب روزانہ کتنے امتی کتنے نیک کام کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کو کتنا ثواب پہنچایا جاتا ہے، یہ تو حساب سے باہر ہے حدیث میں ہے مَن دَلَّ عَلٰی خَیرٍ فَلَہٗ مِثلُ اَجرِ فَاعِلِہٖ (مشکوٰۃ کتاب العلم) یعنی جو شخص نیکی پر رہبری کرے اس کو کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے اور تمام جہانوں کے اعلیٰ رہبر تو حضور علیہ السلام جو کوئی بھی کسی قسم کی نیکی کرتا ہے یا قیامت تک کرے گا وہ حضور کی رہبری سے کرے گا تو حضور علیہ السلام کے اجر کا کیا پوچھنا۔

لطیفہ:۔ شطرنج کا ایجاد کرنے والا شطرنج کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گیا، بادشاہ نے کہا کچھ انعام مانگو اس نے کہا میرے شطرنج کے خانوں کو چاولوں سے اس طرح بھر دیجئے کہ ہر اگلے خانہ میں پچھلے خانہ سے دو گنے ہوں، یعنی پہلے خانہ میں ایک چاول، دوسرے میں دو، تیسرے میں چار، چوتھے میں آٹھ پانچویں میں سولہ، بادشاہ سمجھا نہیں، اس نے کہا جاؤ یہ حساب کون لگائے۔ دو بورے چاول ہمارے باورچی خانے سے لے لو، اس نے کہا سرکار! مجھے تو اسی حساب سے دو، جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ساری روئے زمین پر اس قدر چاول نہیں پیدا ہوتا جتنا کہ حساب سے اس نے مانگا ہے وجہ یہ ہے کہ شطرنج کے ۶۴ خانے ہوتے ہیں اور آٹھ چاول کی ایک رتی، اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ اور بارہ ماشہ کا ایک تولہ اور اسی تولہ کا ایک سیر ہے، تو حساب لگایا کہ چھبیسویں خانہ میں ایک من بنا۔ اب جو فی خانہ دوگنا کیا گیا تو آخر میں اتنا چاول ہوا کہ اگر اس چاول کی قیمت میں سونا دیا جاوے، تو اگر چاول فی روپیہ چار سیر ہو اور سونا پچیس روپیہ تولہ، تو سونا انیس کروڑ من ہوتا ہے۔ چاولوں کا حساب ہی نہیں لگتا۔

یہ تو چونسٹھ خانہ کا حساب تھا جو بادشاہ وقت ادا نہ کر سکا، مگر میرے آقا کی بارگاہ میں امتی کا عمل جب پہنچتا ہے دوگنا، چار گنا، آٹھ گنا ہوتا ہوا تو اتنا ہو جاتا ہے جہاں عدد بھی کام نہیں کرتا، مگر حساب بڑھ جاوے تو کیا ہے۔ دینے والا بھی تو رب ہے۔ اس کے خزانے میں کیا کمی ہے، یہ بھی عزت رسول علیہ السلام کی ایک شق ہے فرمایا گیا وَاِنَّ لَکَ لَاَجرًا غَیرَ مَمنُون

تمہارے لئے غیر منقطع ثواب ہے۔

مسلمانوں کی عزت یہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ کے عذاب سے محفوظ ہیں، اپنے رب کے سچے بندے اور وفادار رعایا ہیں، ان کے سامنے دینی لحاظ سے تمام قومیں ذلیل ہیں جیسا کہ پہلے کی آیت میں بیان کیا گیا اور اگر یہ سچے مسلمان رہیں تو تخت و تاج کے لئے ہے وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُؤمِنِینَ تم ہی بلند ہو اگر سچے مسلمان رہو۔

قیامت تک کے لئے ان کا دین باقی، ان کی کتاب محفوظ، ان میں اولیاء علماء غوث و قطب ہر جگہ موجود قیامت میں ان کے ہاتھ و منہ اور پاؤں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار اثر وضو سے، تمام امتوں سے پہلے جنت میں یہ جاویں، آدھی جنت کے یہ مالک، باقی میں ساری امتیں، اس سے پہلے کی آیت میں ہم چند طرح مسلمانوں کی عزت اور ان کے دین کا غلبہ بیان کر چکے ہیں۔ ایک بات اور سمجھ لو، بیت المقدس عیسائیوں۔ یہودیوں اور دوسرے اہل کتاب کا قبلہ ہے۔ اور کعبہ معظمہ صرف مسلمانوں کا قبلہ مگر حج کعبہ ہی کا ہوتا ہے نہ کہ بیت المقدس کا، جس قدر دھوم دھام کہ اس کی ہے اس کی نہیں، بیت المقدس کے بنانے والے جنات، بنوانے حضرت سلیمان علیہ السلام، مگر کعبہ معظمہ کا بنوانے والا رب تعالیٰ اور اس کے نشان بتانے والے حضرت جبریل علیہ السلام تعمیر فرمانے والے خلیل اللہ، تعمیر میں امداد دینے والے ذبیح اللہ علیہما السلام اس کو آباد فرمانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بیت المقدس میں ہزارہا انبیاء کرام آرام فرما رہے ہیں، مگر مدینہ منورہ میں صرف سید الانبیاء علیہ السلام جلوہ افروز ہیں، مدینہ منورہ میں جس قدر زائرین جاتے ہیں بیت المقدس میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں غرضکہ ہر طرح دینی و دنیاوی عزت اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہی کو دی ہے۔ مالدار ہونا نہ ہونا۔ بادشاہ ہونا یا نہ ہونا اس پر عزت کا دارومدار نہیں، یہ تو چلتی پھرتی چاندنی ہے۔

ھدایت:۔ اس آیت میں تو عزت تین ذاتوں کے لئے ثابت فرمائی، اللہ کے لئے، رسول علیہ السلام کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے، مگر دوسری آیت میں فرمایا اِنَّ العِزَّۃَ

اللہ جمیعا ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حقیقی اور ذاتی عزت اور دائمی، قدیم عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے، مگر عطائی حادث خدائے پاک کی دی ہوئی عزت انبیاء اولیاء اور تمام مسلمانوں کو بھی حاصل ہے یا یہ کہ سب کی عزت اللہ ہی کی عزت ہے صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمدٍ وآلہ واصحابہ اجمعین

آیت ۸۵۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ (پارہ ۲۹، سورہ القلم، رکوع ۱) قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

یہ سولہ آیتیں نعت مصطفٰی علیہ السلام کا گنجینہ اور عظمت شان محبوب علیہ السلام کا خزینہ ہیں ان آیات کے ایک ایک حروف میں نعت شریف کے پھول کھلے ہوئے ہیں، ان آیات میں چند طرح گفتگو کرنی چاہیئے۔

(۱) یہ آیات کیوں آئیں (۲) ن و قلم سے کیا مراد ہے (۳) ان میں کتنی طرح نعت نکلتی ہے۔

(۱) مشرکین مکہ خصوصاً ولید ابن مغیرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون یعنی دیوانہ کہا کرتے تھے، قلب پاک مصطفٰی علیہ السلام کو اس ملعون سے ایذا پہنچتی تھی۔ رب تعالٰی نے قسمیں فرما کر حضور کے فضائل اور بدگویوں کی عیوب بیان فرمائے، تاکہ محبوب کے قلب پاک کو تسلی ہو، فرمایا ن کی قسم، قلم کی قسم، ان کی تحریر کی قسم، اے پیارے تم دیوانے نہیں، تمہارے بدگو، بدذات، بے ایمان، بدباطن، چغل خور، حرام کے بچے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۲) نٓ: لفظ نون میں چند احتمال ہیں (۱) یہ سورہ کا نام ہے (۲) اللہ تعالٰی کا نام ہے (۳) نور اور ناصر کا پہلا حرف ہے اور رب تعالٰی کا نام (۴) الر: حٰمٓ: ن مل کر الرحمٰن بنتا ہے تو یہ اسمائے الٰہیہ کا جزو ہے، اس صورت میں رب نے اپنی قسم فرمائی (۵) یا نون حضور کا اسم شریف ہے (۶) یا یہ نور کا پہلا حرف ہے اور نور حضور کا نام شریف قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ اس صورت میں حضور کی قسم ہے (۷) یا نون بمعنی مچھلی، عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ اس

سے یا وہ مچھلی مراد ہے، جس کے شکم میں یونس علیہ السلام رہے یا وہ مچھلی جو جنتیوں کی پہلی غذا ہے یا وہ مچھلی مراد ہے جس پر زمین قائم ہے (روح البیان و تفسیر عزیزی)۔

وَالقَلَم (۱) قلم سے یا تو عام قلم مراد ہے، چوں کہ اس سے علم لکھا جاتا ہے، اسی لئے اس کی یہ تعظیم ہوئی اور اس کی قسم فرمائی گئی (۲) یا وہ قلم مراد ہے جس نے لوح محفوظ پر سارے واقعات تحریر کئے (۳) یا وہ قلم جس سے فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی تقدیر لکھتا ہے یا وہ قلم جس سے ملائکہ انسان کے نامہ اعمال لکھتے ہیں، لیکن ان صورتوں میں ن اور قلم میں مناسبت نہیں معلوم ہوتی، اسی لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ قلم بھی حضور کا نام ہے کیوں کہ ایک حدیث میں ہے اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللہُ القَلَمَ دوسری میں ہے اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللہُ نوری یہ دونوں حدیثیں اس طرح جمع کی گئیں کہ قلم اور نور دونوں سے حقیقت محمدیہ مراد ہے، حضور علیہ السلام کو اس لئے قلم کہتے ہیں کہ جیسے تحریر سے پہلے قلم ہوتا ہے، ایسے ہی عالم سے پہلے حضور علیہ السلام ہوتے اور جیسے کہ قلم الٰہی کی تحریر کوئی بدل نہیں سکتا، اسی طرح حضور کا فرمان دنیا میں کوئی پلٹ نہیں سکتا، گویا حضور علیہ السلام قلم الٰہی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ نون سے مراد لب پاک مصطفیٰ ہیں اور قلم سے زبان پاک، جیسے قلم دوات کی مدد سے لکھتا ہے، اسی طرح حضور کی زبان مبارک لب پاک کی مدد سے کلام فرماتی ہے کہ بعض حروف زبان سے ادا ہوتے ہیں اور بعض لبوں سے، مگر آپ کا ہر حرف وحی الٰہی ہے یہ زبان اور دہن کن کی کنجی ہے۔ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الھَوٰی اِن ھُوَ اِلَّا وَحیٌ یُّوحیٰ

واضح رہے کہ نون اور انسان کے لب اور دوات تینوں ہم شکل ہیں، تو حضور کا دہان دوات رحمٰن اور حضور کی زبان قلم خالق دو جہان اور حضور کا کلام رب کا فرمان (روح البیان)۔

ومایسطرون اس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں، کون لکھتے ہیں، اس میں چند قول ہیں یا تو اس سے عام لوگ مراد ہیں، جو علوم دینیہ لکھتے ہیں، یعنی اے پیارے تمہاری زبان کی قسم تمہارے دہان کی قسم، اور تمہارے اس پیارے کلام کی قسم جو مسلمان قیامت تک لکھتے پڑھتے رہیں

گے۔ اس کلام پہ قربان، بادشاہوں نے اپنے نام سونے چاندی کے سکوں میں لکھوائے، مگر مٹ گئے وہ شہنشاہ کیسی شان والا ہے جو عرب کے ریگستان میں کچھ میٹھے بول سنا تارہا، مگر اس کی بولی کو نہ ہوا اڑا سکی نہ زمانہ مٹا سکا، نہ کوئی دنیوی طاقت بدل سکی۔ ان کا نام پاک عالمین کی زبانوں میں، دماغوں میں صحیفوں میں، پتھروں میں ایسا نقش ہوا ہے کہ نہ مٹا ہے نہ مٹے۔ یا وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ سے ملائکہ کی تحریر مراد ہے کہ وہ حضور کے کلمات اور آپ کے اعمال طیبہ تحریر کرتے ہیں۔ غرضکہ یہ تینوں کلمے حضور کی نعت شریف ہیں۔

آگے ارشاد ہوا کہ اے محبوب آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں مجنون کے معنی یا دیوانہ ہیں یا مستتر، پہلے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ آپ پر دیوانگی کبھی نہیں آ سکتی، کیوں کہ انبیاء کرام کی عقل سارے عالم سے زیادہ اور حضور کی عقل شریف سارے انبیاء سے اعلیٰ ہے۔ اگر بادشاہ کا وزیر دیوانہ ہو جاوے تو ملکی انتظام بگڑ جائے، تو اگر خدا کے نبی پر یہ کیفیت طاری ہو تو یہ عالم کیسے قائم رہے، حضور علیہ السلام سے تو رب بھی کلام فرماتا ہے۔ اس کے فرشتے بھی جن و انس بھی عرض معروض کرتے ہیں، اور حیوانات، جمادات بھی وہ فرشیوں کے فریاد رس ہیں اور عرشیوں کی امید گاہ، مخلوق ان کا منہ تکے، خالق کی ان پر نگاہ، رب کی رحمتیں عالم تک پہنچائیں، دنیا کی حاجتیں خالق سے عرض کریں، جس ذات کریمہ پر اتنی ذمہ داریاں ہوں وہ دیوانہ کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر مجنون بمعنی مستور ہے تو یہ معنے ہوئے کہ اے محبوب آپ چھپائے ہوئے نہیں یعنی آپ سے کوئی غیب، اگلے پچھلے واقعات، عالم کا ذرہ ذرہ کچھ بھی مخفی نہیں (روح) یا یہ کہ رب تعالیٰ آپ سے چھپا ہوا نہیں یا یہ کہ آپ عالم سے چھپے ہوئے نہیں آپ کو مسلمان جانیں کفار پہچانیں، بلکہ چاند سورج، شجر و حجر، فرشی، عرشی سب ہی مانتے ہیں۔

وَاِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ یہاں اجر اور ممنوں میں چند احتمال ہیں، یا تو اجر سے مراد شفاعت ہے اور ممنون بمعنی منقطع (روح البیان) یعنی آپ کی شفاعت کبھی ختم نہ ہوگی، ازل سے ابد تک آپ ہی کے طفیل سب کی مصیبتیں دور ہوئیں اور ہوں گی، حضرت آدم علیہ

السلام کی توبہ تمہارے طفیل قبول ہوئی۔ تمہارے بدولت کشتی نوح پار لگی، تمہاری برکت سے خلیل پر آگ گلزار ہوئی تمہارے طفیل حضرت اسمٰعیل و حضرت عبداللہ کی جان بچی۔ اب بھی تمہارے ہی طفیل دنیا پر رحمتیں آ رہی ہیں اور بلائیں ٹل رہی ہیں۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ نزع کے وقت تم ہی کام آتے ہو۔ قبر میں تمہاری پہچان پر میت کی کامیابی موقوف، حشر میں شفاعت کا سہرا تمہارے سر ہے۔ جنت میں تمہارے دم کی دھوم دھام ہے۔ دوزخ میں بھی گنہگار مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے عذاب کی روک تھام غرضکہ دولہا تم ہو اور براتی سارا عالم اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ یا اجر کے معنے ثواب ہے، اور ممنون بمعنے بند کیا ہوا یعنی اے محبوب تمہارا ثواب کبھی بند نہ ہوگا، کیوں کہ قیامت تک آپ کی امت رہے گی۔ ان کی نیکیاں رہیں گی، جن سب کا ثواب صدہا گنا ہو کر آپ کو ملتا رہے گا۔ یا اجر کے معنے ہیں ثواب اور ممنون کے معنی احسان جتایا ہوا، یعنے اے محبوب تمہارے ثواب میں تم پر کسی بندے کا احسان نہیں، کیوں کہ اوروں کو علم ایمان، رزق، عزت اولاد وغیرہ کسی کے طفیل ملتی ہے اور وہ کسی نہ کسی کے ضرور احسان مند ہوتے ہیں، مگر پیارے جہان بھر میں تمہاری ایک وہ ذات ہے جس کی بدولت سب کو خدا کی دولت ملتی ہے۔ سب تمہارے حاجتمند ہیں۔ تم رب کے سوا کسی کے نہیں، تمہارا سب پر احسان، تم پر کسی کا نہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ حلیمہ دائی نے حضور کو پالا، مگر حضور کے رب کی قسم حلیمہ دائی کو حضور نے پالا کہ آپ کے جانے سے حلیمہ کے دن پھر گئے، پیٹ بھر گئے۔

بنی سعد کا دشت رشک چمن ہے　　گل ہاشمی چن کے لائی حلیمہ

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور کا اجر حق تعالیٰ کی ذات ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اس کی مستقل تفسیر ہم آگے کریں گے۔ یہاں تک تو حضور کے فضائل بیان فرما کر انہیں خوش کیا گیا، اب توجہ غضب ان بدبختوں پر ہے جنہوں نے وہ خبیث بات بکی تھی، کہ آپ دیوانے ہیں ان کی بہت سی برائیاں بیان فرما کر ان کے سردار ولید ابن عقبہ کے دس عیوب بیان فرماتے جارہے ہیں کہ وَلَا تُطِعِ الخ یعنی اے محبوب اس کی نہ سنو

جس میں یہ عیوب ہیں۔ جھوٹی قسمیں کھانے والا ذلیل ہے، طعنہ دینے والا ہے، چغلخور ہے، بھلائی سے روکتا پھرتا ہے، حد سے بڑھا ہوا ہے سخت گنہگار ہے بد طینت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حرام کا بچہ ہے ہم اس کی تھوتھنی پر داغ لگائیں گے (تھوتھنی سور کا منہ) ولید نے جب یہ آیت سنی تو اپنی ماں کے پاس تلوار لے کر پہنچا اور کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے دس عیب بتائے ہیں۔ نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں ہیں ایک کی مجھے خبر نہیں اس کی تجھے خبر ہے، بتا میں حرامی ہوں یا حلالی؟ سچ بول ورنہ گردن مار دوں گا کیوں کہ محمد کبھی جھوٹ بولتے ہی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی ماں بولی تو ہے تو حرامی، تیرا باپ عقبہ نامرد اور مالدار تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ اس کا نام دوسرے لے لیں گے۔ تو میں نے ایک چرواہے سے زنا کروایا۔ تو اس کا نطفہ ہے (روح البیان وغیرہ عام تفاسیر) معلوم ہوا کہ حضور کی بدگوئی کرنا حرام زادوں کا کام ہے۔

آیت ۸۶۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (پارہ ۲۹، سورہ القلم، رکوع ۱) اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کو عظیم فرمایا گیا ہے۔ خلق عربی میں عادت کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اچھے کام خود بخود ہوں اس کو تکلیف نہ کرنا پڑے، تو آیت کا مطلب یہ ہو کہ آپ جس قدر اعلیٰ کام انجام دیتے ہیں یہ تو آپ کی عادت کریمہ ہے، کچھ تکلف اس میں آپ کو نہیں ہوتا، اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ میں اپنے اخلاق میں تکلف سے کام نہیں لیتا، عظیم فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر کوئی چاہے کہ حضور علیہ السلام کے اوصاف اور اخلاق شمار کرے، وہ نہیں کر سکتا، کیوں کہ دنیا کی نعمتیں بہت تھوڑی سی ہیں قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ مگر اس تھوڑی کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تو جس کو پروردگار عظیم فرما دے اس کو کون شمار کرے۔

صاحب روح البیان نے لکھا ہے، اسی آیت کی تفسیر میں کہ حضور علیہ السلام کو شکر نوح

خلت ابراہیمی اخلاص موسیٰ، حضرت اسمٰعیل کا سچ، حضرت یعقوب و ایوب کا صبر، حضرت داؤد علیہم السلام کا عذر اور حضرت سلیمان و عیسیٰ علیہما السلام کی تواضع اور سارے انبیاء کے اخلاق عطا فرمائے علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لئے فرمایا فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ آپ ان سب کی راہ چلیں یعنی تمام انبیائے کرام کے صفات کے آپ جامع ہو جاویں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ (قرآن) اس کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ قرآن پر عمل آپ کی زندگی پاک تھی، اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے دیدار کی تمنا کرے وہ قرآن مجید کو دیکھے کیوں کہ قرآن کریم حضور علیہ السلام کی زندگی پاک کی خاموش تصویر ہے یا یوں کہو کہ یہ قال ہے وہ حال تھی دوسرے معنی صدیقہ کے قول کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کے اخلاق کی انتہا نہیں۔

صاحب روح البیان نے فرمایا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اخلاق یہ ہیں رب کو اختیار کرنا اور مخلوق سے کنارہ کشی فرمانا، اسی طرح روح البیان میں اسی جگہ ہے، کہ معراج میں رب العالمین نے حضور علیہ السلام پر کنجیاں پیش فرمائیں، قبول نہ کیں، تمام ملائکہ اور جنت کی وہاں کی نعمتیں دکھائیں مگر اگر کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ رب کو قبول کیا۔ اسی لئے پروردگار نے فرمایا مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی یعنی محبوب کی نظر اپنے رب سے دوسری طرف نہ ہٹی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اچھے اور پاکیزہ اخلاق اختیار کریں کہ یہ جنتی کی نشانی ہے، اور بد خلقی سے بچیں کہ یہ جہنم میں لے جانے والی چیز ہے، اب ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں، ان کو دو لفظوں میں عرض کرتا ہوں، مسلمانوں پر مہربان اور کافروں پر سخت اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ اگر کوئی اپنا ذاتی نقصان کردے اس کو معافی دو لیکن اگر کوئی دین کا نقصان کرنا چاہے، اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے بہت گستاخیاں کیں، یہاں تک کہ آپ کو زخمی کر دیا۔ حضرت جبریل امین نے آکر عرض کیا، کہ حضور دعا فرمائیں تو ابھی ابھی ان کو ہلاک کر دیا جائے، فرمایا اے اللہ ان پتھر برسانے والوں پر رحمت کے پھول برسادے حضرت جبریل نے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ تو اب ایمان نہ لائیں گے فرمایا امید ہے کہ ان کی اولاد ایمان لے آوے۔

یہ تو ذاتی معاملات میں رحم و کرم ہے، مگر ایکبار ایک عورت نے چوری کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لوگوں نے معافی کی سفارش کرائی، فرمایا خدائی سزا ہے، معاف نہیں ہو سکتی۔

یہ ہیں اخلاق محمدیہ، آج مسلمان یہ سمجھے کہ بد مذہبوں سے نرمی کرنا اور مسلمانوں سے دشمنی کرنا، یہ اخلاق ہیں۔ اگر بد مذہب پر سختی کرنا اسلامی اخلاق ہیں، تو جہاد پھر کس پر کیا گیا؟ سانپ کو مار ڈالنا اور کھیت میں سے گھاس کو نکال دینا ہی بہتر ہے۔

آیت ۸۷۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پارہ ۲۹، سورہ جن، رکوع ۲) غیب کا جاننے والا ہے، اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے، اور حضور کے علم غیب کو فرما رہی ہے اس میں ارشاد فرمایا گیا، کہ پروردگار عالم غیب کا جاننے والا ہے، اور اپنے خاص غیب پر کسی کو قبضہ نہیں دیتا سوائے اپنے خاص پیغمبر کے۔

اس آیت میں دو چیزیں قابل لحاظ ہیں، ایک تو خدا کا خاص غیب، اور ایک تسلط دینا غیب اس کو کہتے ہیں، جو آنکھ، کان، ناک وغیرہ حواس سے نہ معلوم ہو سکے اور نہ عقل میں فوراً آسکے، جیسے جنت و دوزخ وغیرہ۔ اب ہمارے لئے بمبئی اور کلکتہ وغیرہ کا علم علم غیب نہیں، کیوں کہ آج جا کر دیکھ سکتے ہیں اور ہزارہا آدمیوں نے ہم کو خبر دی کہ وہ دنیا میں دو شہر ہیں لہٰذا یہ غیب نہیں، غیب دو طرح کا ہے ایک تو وہ جس کو دلیل وغیرہ سے معلوم کر سکیں، جیسے

خدا کے صفات اور خدائے پاک کا ہونا، دوسرے وہ جس کو دلیل وغیرہ سے بھی معلوم نہ کر سکیں۔ پہلی قسم کا غیب تو رسولوں کے سوا اوروں کو بھی عطا ہو جاتا ہے، جیسے قرآن میں فرمایا یُؤمِنُون بِالغَیب اور دوسری قسم کا غیب، یہ خدا کا غیب ہے جس کو فرمایا غَیبِہٖ یہ غیب سوائے رسول کے اور کسی کو نہ دیا جاوے گا، ہاں جس کو رسول علیہ السلام اپنے کرم سے بتا دیں اس کو حضور علیہ السلام کے ذریعہ سے ملے گا، یہ ہی اس آیت میں مراد ہے کہ پروردگار عالم اپنا غیب اپنے خاص رسول کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں دیتا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے خاص اپنا غیب عطا فرمایا (تفسیر کبیر اور تفسیر بیضاوی اور روح البیان)۔

اب جن آیتوں میں ذکر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس کے معنی ہیں کہ حقیقی اور ذاتی علم خدائے پاک کے ساتھ خاص ہے، انکار ہے ذاتی کا اور ثبوت ہے علم عطائی کا، جیسے قرآن پاک میں آتا ہے اِنَّ العِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیعًا ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں پھر ارشاد ہوا فَلِلّٰہِ العِزَّۃُ وَلِرَسُولِہٖ وَلِلمُؤمِنِینَ عزت اللہ کی ہے اور رسول کی اور مسلمانوں کی، ایک جگہ ارشاد ہوا۔ اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ سوائے خدا کے کسی کا حکم نہیں، دوسری جگہ ارشاد ہوا فَابعَثُوا حَکَمًا مِّن اَھلِہٖ وَحَکَمًا مِّن اَھلِھَا جب کسی شوہر اور بیوی میں جھگڑا ہو جاوے تو ایک پنچ تو عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے بھیجو۔

اب ان آیتوں کا یہ ہی مطلب ہے کہ حقیقی عزت اور حقیقی حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے، مگر خدا کے دینے سے مسلمانوں کو عزت بھی ملی اور حکومت بھی۔ اسی طرح علم غیب، حضور کو کتنا علم غیب دیا، یہ تو دینے والا رب اور لینے والے محبوب ہی جانتے ہیں، لوح محفوظ میں سارے مَاکَانَ وَمَایَکُون کا علم ہے مگر لوح محفوظ میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ ہے، قصیدہ بردہ میں ہے۔

وَمِن عُلُومِکَ عِلمُ اللَّوحِ وَالقَلَمِ

ہاں جس قدر روایات سے پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ ازل تا روز قیامت ذرہ ذرہ اور قطرہ

قطرہ کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ کو دیا گیا، از عرش تا فرش دکھاتے گئے، اگر کوئی پرندہ بھی پر مارتا ہے تو حضور کو اس کا بھی علم دے گیا گیا۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں دیکھو، ایسی تحقیق اور جگہ مشکل سے ملے گی۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ خدا کا علم غیب حضور علیہ السلام کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے کہ اگر کسی پر توجہ فرمادیں تو اس کو بھی عرش سے فرش تک روشن ہو جاوے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کَخَرْ دَلَتِہٖ عَلٰی حُکْمِ اِتِّصَالِ

میں نے اللہ کے سارے شہروں کو ایسا دیکھا جیسے چندرائی کے دانے ملے ہوتے ہیں

غرضکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر صفت عظیم ہے۔

آیت ۸۸۔ یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (پارہ ۲۹، سورہ مزمل، رکوع ۱) اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات میں قیام فرماؤ سوائے کچھ رات کے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے، اس میں محبوب علیہ السلام کو اور ان کے طفیل میں ساری امت کو تہجد کی نماز اور قرآن کریم کے ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے مگر یہ خطاب بہت پر لطف ہے۔ فرمایا گیا کہ اے کپڑوں میں لپٹنے والے محبوب علیہ السلام جس سے معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی ہر ادا پیاری ہے۔

اس آیت کریمہ کی شان نزول میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو زمانہ وحی کے ابتداء میں حضور علیہ السلام کلام الٰہی کی ہمتیت سے اپنے کپڑوں میں لپٹ جاتے تھے، اس حالت میں آپ کو یہ ندا دی گئی ایک قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک روز چادر شریف میں لپٹے ہوئے آرام فرمارہے تھے اس حالت میں آپ کو یہ ندا دی گئی، بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اس آیت سے مراد ہے اے نبوت کی چادر میں لپٹنے والے۔

روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ رات کو محبوب علیہ السلام چادر اوڑھے

آرام فرما رہے تھے، رب العالمین نے اشتیاق فرمایا کہ اس وقت ہمارے محبوب ہم سے مناجات اور راز و نیاز کی باتیں کریں تو ندا دیکر جگایا، کہ اے آرام فرمانے والے محبوب اس وقت ہم سے باتیں کرو، غرضکہ کوئی سی بھی توجیہ کی جاوے مگر شان محبوبی اچھی طرح سے ظاہر ہو رہی ہے۔

مسئلہ:- نماز تہجد شروع اسلام میں واجب تھی اور بعض کے قول پر فرض، بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہوگیا، اور اس آیت سے منسوخ ہوا جو اسی سورت میں آگے مذکو ہے وَاقْرَءُ وامَا تَيَسَّرَ مِنهُ (تفسیر خزائن العرفان و تفسیر احمدی) اب نماز تہجد سنت موکدہ علے الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں ایک نے بھی پڑھ لی تو سب بری ہو گئے اور اگر کسی نے نہ پڑھی تو سب سنت کے تارک ہوتے۔

مسئلہ:- نماز تہجد کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے، کہ مسلمان نماز عشاء پڑھ کر کچھ سو کر بیدا ہو اس کے لئے وہ وقت تہجد ہے، لہذا اگر کوئی شخص سردی کے موسم میں رات کے آٹھ بجے نماز عشاء پڑھ کر سو گیا، اور نو بجے بیدار ہوگیا، تو یہ ہی اس کے لئے تہجد کا وقت ہے اور اگر کوئی شخص تمام رات نہ سویا تو اس کے لئے تہجد کا وقت نہ آیا۔ کیوں کہ تہجد میں سو کر جاگنا ضروری ہے اور تہجد کا وقت مستحب رات کا آخری چھٹا حصہ ہے اور اس کی رکعتیں کم از کم دو، اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہیں، اگر ہر رکعت میں تین بار قُل ھُوَاللہ پڑھے تو ہر رکعت میں ایک قرآن کا ثواب دیا جائیگا۔

آیت ۸۹۔ اِنَّآ اَرسَلنَآ اِلَیکُم رَسُولاً شَاھِدًا عَلَیکُم کَمَآ اَرسَلنَا اِلیٰ فِرعَونَ رَسُولاً (پارہ ۲۹، سورہ مزمل، رکوع ۱) تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں، جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں کفار اور مسلمانوں سے خطاب ہو رہا ہے، کہ اے لوگو! یہ پیغمبر جو تم میں تشریف لائے، یہ تم سے اور تمہارے حالات سے بے خبر نہیں ہیں بلکہ تم کو اور تمہارے ایمان و کفر کو جانتے ہیں، اور قیامت تک کے تمام

لوگوں کے ہر ہر حال سے خبردار ہیں اسی لئے تم سب پر رب کی بارگاہ میں گواہی دیں گے، یعنی مومن کے ایمان اور کافر کے کفر کو ظاہر فرمائیں گے۔ اس سے جہاں حضور علیہ السلام کا علم غیب ثابت ہوا، وہاں ہی آپ کا ہر شخص کے پاس حاضر و ناظر ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ کیونکہ گواہی دیکھی ہوئی ہونی چاہیئے، اسی لئے جب قیامت میں امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیاء کے حق میں گواہی دیگی، تب حضور علیہ السلام اس امت کی گواہی دیں گے، اس کی تحقیق چند جگہ ہم اسی کتاب میں کرچکے ہیں اور حاضر و ناظر کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق و زہق الباطل میں دیکھو۔

آیت ۹۰۔ اِنَّ رَبَّکَ یَعلَمُ اَنَّکَ تَقُومُ اَدنٰی مِن ثُلُثَیِ الَّیلِ وَ نِصفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِینَ مَعَکَ وَاللہُ یُقَدِّرُ الَّیلَ وَالنَّھَارَ عَلِمَ اَن لَّن تُحصُوہُ فَتَابَ عَلَیکُم فَاقرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ القُرآنِ (پارہ ۲۹، سورہ مزمل، رکوع ۲) بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی اور اللہ رات و دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانو! تم سے رات کا شمار نہ ہوسکے گا تو اس نے تم پر جو رجوع فرمایا، اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی شان کے خطبے فرما رہی ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بہت ہی زیادہ کھڑے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان حضرات کے پاؤں پر ورم آگیا، اور پھٹ پھٹ کر ان سے خون جاری ہوگیا، اس خیال سے کہ واجب سے کم نہ ادا ہو، بلکہ زیادہ ہو جاتے تو مضائقہ نہیں، چونکہ اس زمانہ میں گھڑیاں نہ تھیں، اس لئے مسلمان رات کا صحیح اندازہ نہ کرسکتے تھے، چنانچہ کبھی کبھی صبح ہو جاتی تھی، ایک سال تک یہ حکم فرضیت رہا۔ بعد ایک سال کے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور اس نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کیا، اس تہجد کے منسوخ ہونے کی وجہ کیا تھی؟ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی تکلیف اور مشقت، جس سے معلوم

ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی دلجوئی اس قدر منظور ہے کہ ان کے لئے احکام میں لحاظ فرمایا جاتا ہے، تہجد کی اصل نماز حضور علیہ السلام پر ہمیشہ فرض رہی مگر رات کے قیام میں قید نہ رہی کہ آدھی یا تہائی رات قیام فرمائیں بلکہ جس قدر منشا ہو اس قدر ہی قیام فرمادیں ہاں امت کے لئے وجوب نہ رہا۔

مسئلہ۔ شبینہ پڑھنا یعنی تہجد یا تراویح میں ایک رات میں سارا قرآن ختم کرنا جائز ہے، اگر پڑھنے والے پر بوجھ نہ پڑے۔

روح البیان میں زیر آیت وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ہے کہ چار صاحبوں نے ایک رکعت میں سارا قرآن ختم فرمایا ہے، حضرت عثمان بن عفان، تمیم داری اور سعید ابن جبیر اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین، اور ہمسہ ابن منہال ایک ماہ میں نوے ختم کرتے تھے، اور ابوالحسن علی ابن عبداللہ نے ایک دن میں چار ختم کئے، اور طحاوی شریف جلد اول باب جمع السور فی رکعۃ میں ہے کہ حضرت تمیم داری، عبداللہ ابن زبیر سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا، غالباً ردالمختار کے مقدمہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں ۶۱ قرآن کریم ختم فرماتے تھے، امام نووی اپنی کتاب الاذکار کتاب تلاوۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ بے شمار حضرات نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا، انہیں میں سے عثمان ابن عفان و تمیم داری اور سعید ابن جبیر بھی ہیں۔

ان تمام دلائل سے شبینہ ثابت ہوا، مگر شبینہ میں دو باتوں کا خیال رہے، ایک تو یہ کہ پڑھنے والا صحیح پڑھے اور صاف پڑھے، حروف کو صحیح ادا کرے۔ فقط يَعْلَمُونَ تَعْلَمُونَ پڑھنے والا نہ ہو، دوسرے یہ کہ سننے والے شوق سے سنیں یہ نہ ہو کہ لوگ بیٹھے اونگھ رہے ہیں، جبکہ وقت رکوع ہوا تو جھٹ سے تکبیر کہہ کر شریک ہو گئے، یہ دونوں باتیں منع ہیں (جس حدیث میں قرآن جلد ختم کرنے کی ممانعت ہے اس سے یہ ہی مراد ہے جن حضرات نے ایک ہی رکعت میں ختم قرآن کیا ہے وہ اس قدر تیزی کے باوجود سمجھ کر قرآن پڑھتے تھے۔

آیت ۱۹۔ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (پارہ ۲۹، سورہ مدثر)

رکوع ۱) اے چادر اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈر سناؤ، اور اپنے رب کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

یہ آیت کریمہ بھی نعت محبوب علیہ السلام ہے اس کی شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ایک روز ہم حرا پہاڑ پر تھے ہم نے ایک غیبی آواز سنی یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُولُ اللہِ یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں، چاروں طرف دیکھا کوئی بولنے والا نظر نہ آیا، اوپر جب دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا اور وحی لایا تھا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ندا کر رہا ہے، یعنی حضرت جبریل اس وقت ہم ہیبت سے حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور حکم دیا کہ ہم کو چادر اوڑھا دو، جب چادر اوڑھی، تب یہ وحی آئی اے چادر اوڑھنے والے محبوب اٹھو اور کاموں میں مشغول ہو جاؤ تبلیغ دین کرو، تکبیر پڑھو اور کپڑوں کو پاک رکھو، جس طرح کہ مزمل میں محبت و کرم کا اظہار ہو رہا ہے اسی طرح اس خطاب مدثر میں بھی عین کرم پروردگار کا ظہور ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ فرض ہے اور کپڑوں کے پاک رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اگر کبھی کپڑوں میں نجاست لگ جاوے تو دھو ڈالو، کیونکہ بلا ضرورت ناپاک کپڑا پہننا منع ہے۔ نماز کے سوا بھی انسان کو چاہیئے کہ پاک و صاف رہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تہبند اور کرتہ یا پائجامہ اس قدر نیچا نہ پہنو، جو گندگی میں خراب ہو، بلکہ سنت تو یہ ہے کہ تہبند یا پاجامہ آدمی پنڈلی تک پہنچے، اگر چاہے تو ٹخنے تک نیچا پہنے مگر عورت اتنا نیچا تہبند یا پائجامہ پہنے جس سے ٹخنے چھپ جاویں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آیت ۹۲۔ لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (پارہ ۲۹، سورہ قیامت، رکوع ۱) تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں، اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو، بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حضرت جبریل امین قرآن لاتے، تو حضور علیہ السلام حضرت جبریل سے سننے کے وقت خود بھی پڑھتے تھے، اس لئے کہ یہ کلمات اچھی طرح یاد ہو جاویں، ساتھ ساتھ پڑھنے اور سننے سے کسی قدر دشواری ہوتی تھی، رب تعالیٰ کو یہ تکلیف پسند نہ آئی، فرمادیا، اے محبوب آپ سننے کے ساتھ پڑھنے کی تکلیف گوارا نہ کریں، ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ محض ایک بار سنا کر آپ کو یہ قرآن یاد بھی کرا دیں گے۔

اس میں دو طرح سے نعت ثابت ہوتی ہے، ایک تو اس طرح کہ محبوب علیہ السلام کی تھوڑی مشقت بھی رب تعالیٰ کو منظور نہیں، دوسرے اس طرح کہ آج قرآن کریم کے سیکھنے میں تین قسم کے لوگ سخت کوشش کرتے ہیں اور اپنی عمریں گزارتے ہیں، ایک تو حافظ حفظ کرنے میں بہت محنت کرتے ہیں۔ دوسرے قاری قرات سیکھنے میں محنت اور جانفشانی کرتے ہیں، تیسرے علماء کہ قرآنی نکات اور مسائل سیکھنے میں عمریں گزار دیتے ہیں اور پھر علیحدہ علیحدہ استادوں سے علم سیکھتے ہے ہیں، مگر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رب نے فرمایا اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ کے سینہ میں جمع فرمادیں یعنی آپ کو اس کا حافظ بنادیں وَ قُرْاٰنَهٗ ہمارے ذمہ اس کی قرات سکھانا بھی ہے ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ پھر ہمارے ذمہ ہے کہ اس قرآن کے علوم آپ سے بیان فرمادیں، تو یہ تینوں قسم کے علم جس میں لوگ عمر خرچ کریں اور محنت کریں آپ کو بغیر تکلیف فرمائے ہوئے دیئے جائیں گے۔ پھر اور تو علیحدہ علیحدہ استادوں سے سیکھیں، آپ کو یہ سب کچھ ہم سکھائیں گے، کتنی بڑی شان محبوب ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مسئلہ:۔ چند شخصوں کا ایک ساتھ مل کر بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنا منع ہے (شامی) یا تو سب لوگ آہستہ آہستہ پڑھیں یا ایک صاحب پڑھیں اور باقی لوگ سنیں۔

آیت ۹۳۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى (پارہ ۳۰، سورہ عبس، رکوع ۱) وہ ترش رو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا، اس پر کہ ان کے پاس ایک نابینا

حاضر ہوتے اور تم کو کیا معلوم شاید کہ وہ ستھرا ہو۔ یہ آیت کریمہ وہ ہے جس کو لوگ کہتے ہیں کہ عتاب کے طور پر نازل فرمائی گئی ہے، لیکن ایمان کی آنکھ سے دیکھا جاوے تو اس میں محبوب علیہ السلام کی وہ شان نظر آتی ہے کہ سبحان اللہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی شان نزول معلوم کی جاوے پھر اس پر غور کیا جاوے کہ اس آیت کا مقصد کیا ہے؟

اس آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ سرداران قریش، ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی خواہش یہ تھی کہ ہمارے واسطے علیحدہ مجلس وعظ حضور علیہ السلام مقرر فرمادیں جس میں کوئی غریب صحابی شریک نہ ہوں، حضور علیہ السلام نے اس کو منظور فرمالیا اس امید پر کہ ان کو ہدایت ہو جاوے، تو اشاعت اسلام ہو ایک مجلس تبلیغ مقرر فرمائی جس میں یہ تمام سرداران قریش جمع تھے، اور حضور علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے اللہ کی شان کہ ایک نابینا صحابی جن کا اسم شریف ہے عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر بارگاہ ہوتے، چونکہ یہ نابینا تھے اس لئے دیکھ نہ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور بلند آواز سے عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ جو کچھ رب نے آپ کو سکھایا ہے مجھ کو بھی سکھایئے۔ اس وقت میں ان کا حاضر ہونا اور وعظ کے درمیان کا بولنا اور اس طرح آواز دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ناگوار گذرا، سرداران قریش چلے گئے، حضور علیہ السلام اپنے مکان میں تشریف لے گئے، ان کو کچھ جواب نہ دیا، دولت خانہ میں جاتے ہی یہ آیت کریمہ اتری جس میں محبوب علیہ السلام سے اس ترش روئی کی شکایت کی گئی۔ مگر قرآن پاک کا طریقہ کلام تو دیکھو، یہ نہیں فرماتا کہ آپ نے ترش روئی کی، بلکہ فرماتا ہے کہ انہوں نے ترش روئی کی، یعنی ہمارے ایک محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آج اپنے ایک نیاز مند غلام سے کسی قدر ناراضگی ہوگئی۔ اے محبوب آپ تبلیغ اسلام میں اس قدر کیوں مشغول ہو جاتے ہیں کہ اگر آپ کی خدمت میں کوئی اپنا غلام آجائے تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ رب کی ناراضگی اور عتاب ہے اپنے محبوب علیہ السلام پر لیکن بڑے غور کی بات یہ ہے کہ ناراضی ہوتی ہے کسی قصور پر، یہاں یہ بتاؤ، کہ حضور

علیہ السلام سے معاذ اللہ کیا قصور ہوا کہ ناراضی فرمائی جاوے؟ کیونکہ آپ تو تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے جو آپ کا فرض منصبی تھا، کیا فرض ادا کرنے پر ناراضی ہوتی ہے، ہرگز نہیں بلکہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے تین خطائیں ہوئیں درمیان گفتگو میں بولنا، ندا کر کے پکارنا اور کلام پاک مصطفیٰ علیہ السلام کو بیچ میں سے کاٹنا، اگر یہ آیت عتاب تھی تو حضرت عبداللہ کو عتاب ہوتا نہ کہ حضور علیہ السلام کو۔

شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت میں اور مثنوی شریف میں فرمایا ہے کہ حقیقت میں یہ اپنے محبوب کے غلام بے نوا کی طرفداری ہے، کہ اے محبوب چونکہ وہ آپ کا نیاز مند ہے۔ اس لئے ہماری بارگاہ میں اسکی خطائیں بھی معاف ہیں۔

اسی لئے یہاں فرمایا گیا أعمیٰ یعنی جو آپ کے عشق و محبت میں طریقہ گفتگو اور دنیاوی تہذیب سے بھی بے خبر ہے تو ہم سفارش کرتے ہیں کہ ایسے عاشقوں کے قصور اور خطائیں آپ بھی معاف فرمایا کریں، یہ تو ایک عاشق کی سفارش ہے نہ کہ محبوب علیہ السلام پر عتاب، ورنہ اعتراض ہوگا کہ قرآن کریم بے موقعہ اور بے محل بھی عتاب فرما دیتا ہے۔ اب اس تقریر سے معلوم ہوا کہ یہ آیت پاک محبوب علیہ السلام کی شان کو دوبالا کر رہی ہے کہ ان کے غلاموں کی خطائیں بھی ان کی وجہ سے معاف فرمائی جاتی ہیں، اور محبوب علیہ السلام کو ان سے راضی کیا گیا یہ تو غلام ہیں، دشمنوں کے لئے فرمایا گیا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ام مکتوم کی عزت فرماتے تھے، اور چوں کہ یہ آیت شریف ظاہر میں عتاب سی معلوم ہوتی ہے، اس لئے حضور علیہ السلام حضرت عبداللہ کو دیکھ کو فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ ہیں جن کے بارے میں مجھ کو میرے رب نے عتاب فرمایا۔

خیال رہے کہ عتاب، عذاب، عقاب میں فرق ہے، عتاب تو ہوتا ہے محبوب یا فرماں بردار بندے پر عذاب ہوتا ہے نافرمان بندے پر، عقاب ہوتا ہے دشمن پر، شکایت محبوبانہ کو

عتاب کہہ سکتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں شکوہ شکایت۔

ضروری ہدایت:۔ صاحب تفسیر روح البیان نے اسی عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہر نماز میں یہ ہی سورۃ پڑھا کرتا تھا، حضرت عمر فاروق کو خبر ہوئی تو آپ نے اس امام کو بلا کر قتل کرا دیا، کیونکہ ہر نماز میں یہ سورہ پڑھنے سے معلوم فرمایا کہ یہ منافق ہے اور اس کے دل میں حضور علیہ السلام سے بغض ہے، اس لئے اس سورۃ کو ہر نماز میں پڑھتا ہے جو بظاہر عتاب معلوم ہوتی ہے اس سے دو مسئلے بخوبی واضح ہوئے، ایک تو یہ کہ قرآن بھی بری نیت سے پڑھنا کفر ہے، بعض لوگ یہ آیت ہر جگہ پڑھتے پھرتے ہیں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اگرچہ پڑھتے تو قرآن کی آیت ہیں، مگر نیت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی اہانت کی، وہ آیات جن میں حضور علیہ السلام کے درجات بیان کئے گئے ہیں، ان کو ہر جگہ کیوں نہیں پڑھتے۔ حدیث میں خارجیوں کے بارے میں فرمایا کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ قرآن پڑھے گی اور قرآن ان کے گلے سے نہ اترے گا یا کہ قرآن ان پر لعنت کرے گا وہ اسی قسم کے لوگ ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ بعض آیات بعض آیات سے درجہ افضل ہیں، ایک صحابی ہر نماز میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے، حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا کہ اس میں میرے رب کے صفات کا ذکر ہے، اس لئے مجھے یہ سورۃ پیاری معلوم ہوتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ رب تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے (مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن) صاحب روح البیان نے پارہ پنجم زیر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فرمایا ہے کہ صفات اور ذات کی آیات ان آیات سے افضل ہیں جن میں کچھ اور ذکر ہے۔ لہٰذا قُلْ هُوَ اللّٰهُ تبت سے افضل ہے کیونکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں تو ذکر بھی بہتر، اور جس کا ذکر ہوا وہ بھی اعلیٰ، مگر تبت میں ذکر تو بہتر مگر جس کا ذکر ہوا یعنی ابو لہب وہ بہتر نہیں تو قل ہو اللہ دو وجہ سے بہتر ہے اور تبت ایک وجہ سے۔

ہماری اس تحقیق سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ جن آیات میں حضور علیہ السلام کی نعت

بیان ہوئی وہ ان آیات سے افضل ہیں کہ جن کو بعض لوگ عتاب سمجھتے ہیں۔ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

آیت ۹۴۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (پارہ ۳۰، سورہ بلد، رکوع ۱) مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور ان کی اولاد کی (یعنی تمہاری) قسم۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کی چمکتی ہوئی نعت پاک ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ جس کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہو جاوے وہ عظمت والا ہے، یہ آیت کریمہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس میں فرمایا گیا کہ اے محبوب اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم، مگر قسم فرمانے کی وجہ کیا ہے؟ کہ تم وہاں ہو، جس سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف کو یہ عزت اے پیارا تمہارے دم سے ملی۔

مکہ معظمہ میں چند خوبیاں ہیں۔ اول تو یہ کہ اس کو حضرت خلیل نے بسایا، اور اس کے لئے دعائیں کیں، دوسرے یہ کہ حضرت اسمٰعیل نے وہاں پرورش پائی، تیسرے یہ کہ وہاں اللہ کا گھر موجود جو دنیا کا قبلہ اور بیت المعمور کے مقابل، چوتھے یہ کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا جائے مقام۔

پہلی تین باتیں تو مکہ مکرمہ میں بعد ہجرت بھی موجود رہیں، مگر چوتھی بات نہ رہی، تو آیت میں فرمایا گیا کہ اس شہر کی قسم فرمانا ان وجہوں سے نہیں بلکہ تمہارے قدم کی برکت سے ہے۔

مسئلہ:۔ فقہاء کا اس میں اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم پاک سے ملا ہوا ہے خانہ کعبہ اور عرش اعظم سے بھی زیادہ افضل ہے۔ دیکھو شامی کتاب الحج اور مدارج وغیرہ اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ خانہ کعبہ مدینہ منورہ کی بستی سے افضل ہے، اگر اختلاف اس میں ہے کہ شہر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا شہر، شہر مدینہ سے افضل ہے کیونکہ وہاں حج ہوتا ہے، وہاں ہر ایک نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، اور مدینہ پاک میں ہر ایک عمل کا ثواب پچاس ہزار کے برابر اور اس کو حضرت خلیل نے آباد کیا اور اس کے لئے

دعائیں کیں، مگر حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہر مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے، دیکھو اس کی پوری بحث نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند دلائل ہیں، ایک تو یہ ہی آیت لَا اُقسِم جس سے معلوم ہوا کہ حضور جہاں تشریف فرما ہوں وہ جگہ افضل ہے، تو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ افضل تھا اور بعد ہجرت مدینہ پاک۔ دوسرے یہ کہ مکہ مکرمہ میں فرش والوں کا حج ہوتا ہے، اور مدینہ پاک میں عرش والے فرشتوں کا حج ہوتا ہے کہ ستر ہزار صبح اور ستر ہزار شام کو ملائکہ روضہ پاک پر حاضر ہوتے ہیں اور اس کو گھیر کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں (مشکوٰۃ باب الکرامات) پھر مکہ مکرمہ میں حج نو سال میں ایک بار ہوتا ہے مگر مدینہ کا حج تو فرشتے کرتے ہیں، وہ ہر روز صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مکہ مکرمہ میں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے تو ہر بدی کا گناہ بھی ایک لاکھ ہے، یعنے وہ جگہ جمال و جلال کی ہے۔ مگر مدینہ پاک میں محض جمال، کہ نیکی کا ثواب تو پچاس ہزار کی برابر اور بدی کا گناہ صرف ایک ہی بدی کے برابر، وہ بھی اگر باقی رہے، ورنہ امید ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سے معاف ہو جاوے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہد
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
شان جمال طیبہ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلال مکہ میں سود و ضرر کی ہے

اور جو فرمایا گیا کہ مکہ مکرمہ میں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے اور مدینہ پاک میں ۵۰ ہزار، یہ تو تھا ثواب مگر اگر درجہ مقبولیت دیکھا جاوے تو مدینہ پاک کی ایک ایک رکعت مکہ مکرمہ کی پچاس پچاس ہزار رکعتوں کے برابر ہے، مکہ مکرمہ کو خلیل اللہ نے آباد کیا، مگر مدینہ پاک کو حبیب اللہ نے آباد کیا، مکہ مکرمہ کے لئے خلیل اللہ نے دعائیں کیں، مگر مدینہ پاک کے لئے اللہ کے محبوب علیہ السلام نے دعائیں فرمائیں کہ اس مدینہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنی برکتیں

اور رحمتیں نازل فرما اور مکہ مکرمہ میں بے شک خانہ کعبہ اور مقام ابراہیم اور آب زمزم اور عرفات اور منیٰ وغیرہ ہے، مگر مدینہ پاک میں وہ دولہا ہیں جن کے دم کی یہ ساری برات ہے۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اگر مدینہ کے دولہا نہ ہوتے، تو نہ خلیل اللہ ہوتے، نہ کعبہ، نہ عرفات، نہ منیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ تو تھا اختلاف اماموں کا، اس کا فیصلہ کیونکر ہو سب سے مبارک فیصلہ وہ ہے جو کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا فرماتے ہیں۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں

کعبہ دولہن ہے روضہ اطہر نبی دولہن
یہ رشک آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں انیلی سجیلی دولہن مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
سر سبز وصل یہ ہے سیہ پوش ہجر وہ
ظاہر دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

کعبہ معظمہ میں ہر چیز سیاہ رنگ کی ہے، کعبہ معظمہ کے پتھر کعبہ شریف کا غلاف، سنگ اسود، غرض کہ ہر چیز سیاہ رنگ کی ہے اور مدینہ پاک کی ہر چیز سبز رنگ کی، سارے مدینہ پاک میں سبزہ، روضہ پک کا رنگ سبز، غلاف سبز، اور سیاہ رنگ، ہجر میں ہوتا ہے، اور سبز وصال میں مدینہ پاک کو دولہا کا وصال اور کعبہ معظمہ کو دولہا کا فراق ہے، مثنوی شریف میں ہے۔

گفت معشوقے بعاشق اے فتیٰ
تو بغیریت دیدہ بس شہرہا

پس کدامی لال مبابا خو شتر است
گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

یعنی کسی معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا کہ تو نے بحر و بر کی سیر کی ہے؟ بتا کہ ان میں سے کونسا شہر اچھا ہے جواب دیا کہ وہ شہر اچھا جہاں اپنا محبوب ہو۔

ڈاکٹر اقبال نے اس کو خوب کہا ہے۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

مدینہ پاک کی خاک شریف دونوں جہان سے افضل ہے، کیوں کہ یہاں اپنا محبوب جلوہ افروز ہے صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ کشمیر اور پیرس بڑے خوب صورت علاقے ہیں، مگر رب تعالیٰ کی نظر انتخاب جس شہر پر پڑی وہ مدینہ منورہ ہے، اس زمین پر لاکھوں کشمیر قربان ہوں۔

لطیفہ:- اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ایک شعر لکھا ہے۔

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا پرنالہ جس کو کہتے ہیں میزاب رحمت بالکل روضہ رسول علیہ السلام کے سامنے ہے، اور اگر کسی کی دکان گلی میں ہوتی ہے، تو وہ لب سڑک ایک ہاتھ لکڑی وغیرہ کا لگا کر اس پر لکھتا ہے کہ فلاں چیز کی دکان سامنے ہے چلے جاؤ تو فرماتے ہیں کہ کعبہ کا پرنالہ وہ رہبری کرنے والا ہاتھ ہے کہ اے صاحبو! حج تو کر لیا لیکن اس حج کو قبول کرانے کے لئے شفیع المذنبین کی بارگاہ میں چلے جاؤ، دیکھو وہ ہرے گنبد میں آرام فرما ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ولد سے مراد حضور علیہ السلام ہیں، یعنی ان باپ کی اور ان فرزند کی قسم۔ اور یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور علیہ السلام اور ولد سے مراد حضور علیہ السلام کی امت ہے، جیسا کہ خود

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اے مسلمانو! میں تمہارے لئے مثل والد کے ہوں، اسی لئے ان کی پاک بیویاں مسلمانوں کی والدہ ہیں، انتہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد حضور علیہ السلام ہوں اور ماولد سے مراد آپ کے اہل بیعت یعنی اولاد پاک ہو، تو اس سے حضور علیہ السلام کے نسب کی عظمت ثابت ہوئی۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن کوئی نسب اور کوئی سبب کام نہ آوے گا۔ سوائے ہمارے نسب اور سبب کے (سبب سے مراد ہے سسرالی رشتہ) دیکھو (شامی جلد اول بحث غسل میت) اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا کی صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح کیا تاکہ ان کو دو طرح حضور علیہ السلام سے سسرالی رشتہ ہو جاوے، ایک تو آپ حضور علیہ السلام کے خسر ہیں، دوسرے اب فاطمہ زہرا کے داماد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

رہی یہ تحقیق کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آل کون ہیں، اور کتنی قسم کے ہیں، درود پاک میں آل سے کونسی آل مراد ہے وہ ہمارے فتاوی میں دیکھو۔

آیت ۹۵۔ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (پارہ ۳۰، سورہ والضحیٰ رکوع ۱) چاشت کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالے کہ تم کو تمہارے رب نے نہ چھوڑا، اور نہ مکروہ جانا، اور بیشک تمہارے لئے پچھلی پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ راضی ہو جاؤ گے۔

یہ پوری سورۃ کیا ہے، محبوب علیہ السلام کی نعتوں کا خزانہ ہے اگر اس کی تفسیر کی جاوے تو دفتر چاہئیں کچھ اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرمادیں۔ آمین۔

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ کچھ روز کے لئے وحی آنا رک گئی، تو کفار مکہ نے بطور تمسخر کے کہا کہ محبوب علیہ السلام کو ان کے رب نے چھوڑ دیا، اور ان سے ناراض ہو گیا، ان بے دینوں کے جواب میں یہ سورۃ شریف نازل ہوئی جس میں رب نے قسم

کے ساتھ فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب کو نہ چھوڑا، اور نہ میں ان سے ناراض ہوا، مگر لطف یہ ہے کہ کہا تھا کفار نے، مگر جواب دیا حضور علیہ السلام کو کہ اے پیارے فلاں فلاں چیزوں کی قسم تمہارے رب نے تم کو نہ چھوڑا، نہ برا جانا، اول تو یہ ہی ایک اعلیٰ درجہ کی نعت ہوئی۔

اب چاشت اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے چند قول ہیں، ایک تو یہ کہ چاشت یعنی دوپہر سے مراد وہ دوپہر ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزوں میں جادوگروں پر غالب آئے اور جادوگر سجدے میں گرے، جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی اور رات سے مراد معراج کی رات ہے، تو معنی یہ ہوتے کہ اس دوپہر اور معراج کی رات کی قسم، دوسرا قول یہ ہے کہ دوپہر سے مراد رخ مصطفیٰ ہے اور رات سے مراد آپ کے گیسوئے پاک ہیں یعنے آپ کے چہرہ انور کی قسم جو مثل روشن دان کے ہے، اور آپ کے ان مبارک گیسوؤں کی قسم جو کبھی کبھی اس آفتاب پر مثل رحمت کے بادل کے پڑ جاتے ہیں، یعنی آپ کے چہرے پاک پر آپ کے گیسو چھا جاتے ہیں (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان) نہ تو آپ کو رب نے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا، کیونکہ آپ ہیں محبوب اور بھلا محبوب بھی چھوڑے جاتے ہیں۔

مسئلہ:- چاشت کی نماز سنت ہے اور اس کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے کہ آفتاب بلند اور گرم ہو جاوے، اور زوال پر ختم ہو جاتا ہے، اور اس نماز میں یا تو دو رکعتیں ہیں یا چار ایک ہی سلام سے آخرت پہلی سے بہتر ہے، اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا سے آخرت آپ کے لئے بہتر ہے کیوں کہ یہاں بعض بدگو دشمن بھی ہیں اور اس وقت کوئی بدگو نہ ہوگا۔ سب پر آپ کی عزت کا ظہور ہوگا، حوض کوثر، شفاعت، مقام محمود غرضکہ تمامتر کمالات اسی دن ظاہر کئے جائیں گے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ہر پچھلی ساعت آپ کے لئے اگلی ساعت سے افضل ہے یعنی آپ کو ہر آن اور ہر ساعت ترقی ہی ترقی ہے اور آپ کی عزت و عظمت بڑھتی ہی جاوے گی اور آپ کو آپ کا رب اس قدر دیگا آپ راضی ہو جائیں گے۔

یہ آیت ان نعمتوں کو شامل ہے جو دین و دنیا، میں عطا فرما دے گئیں یا عطا فرمائی جاویں گی۔

زمانہ حیات ظاہری میں ملکوں میں فتح ہونا، صحابہ کرام کے زمانہ میں فتوحات ہونا، مشرق و مغرب میں اسلام کا پھیلنا اور آپ کی امت کا تمام امتوں سے افضل ہونا، اور آپ کے معجزات کا اظہار ہونا اسی طرح آخرت میں شفاعت، حوض کوثر وغیرہ کا ہونا سب ہی اس میں داخل ہیں۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رو رو کر امت کے لئے دعائیں فرمائیں حضرت جبریل کو حکم ہوا کہ ہمارے محبوب سے پوچھو رونے کا کیا سبب ہے؟ جبریل امین نے آکر دریافت فرمایا، تو ارشاد ہوا کہ امت کا غم ہم کو رلاتا ہے، رب کا ارشاد ہوا کہ جبریل تم محبوب سے کہدو کہ ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کر لیں گے، یعنی اتنا بخشیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

دوسری حدیث پاک میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کو سن کر فرمایا کہ جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا (تفسیر خزائن العرفان)۔

لطیفہ:- تمام لوگ تو رب کو راضی کرنے کی ہزار ہا کوشش کرتے ہیں، مگر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ شان ہے کہ رب تعالیٰ ان کو دے دے کر مناتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین ماجدین کی بخشش بھی اس میں شامل ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ فرزند جنت میں اور والدین جہنم میں۔ اس کی پوری بحث ہم لقد جآءکم رسولٌ میں کر چکے ہیں۔

آیت ۹۶۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (پارہ ۳۰، سورہ والضحیٰ) اور تم کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی۔

اس سے پہلے والی آیت میں آچکا ہے اَلَم یَجِدکَ یَتِیمًا فَاٰوٰی کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر آپ کو جگہ دیدی، اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی

ولادت پاک سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تعالیٰ عنہ وفات پاچکے تھے اور پھر آپ کی پرورش کے ابو طالب ذمہ دار بنے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ آپ کو در یتیم یعنے بیش قیمت موتی پایا، تو آپ کو اپنے قرب میں جگہ عنایت فرمادی کیونکہ قیمتی موتی پاس ہی رکھا جاتا ہے۔

اب فرمایا کہ آپ کو ضال پایا، اس کی بہت سے تفسیریں ہیں ضال کے معنیٰ گمراہ ہو سکتے ہی نہیں دیکھو ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء اس کے چند معنے کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ ہماری محبت میں ایسے خود رفتہ تھے، کہ آپ کو اپنے درجات کی اور اپنے نفس کی خبر نہ رہی تھی، تو ہم نے آپ کو اس درجہ سے ترقی دے کر سلوک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جذبہ سے سلوک افضل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے جب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے، توانہوں نے عرض کیا قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ خدا کی قسم آپ تو اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں، یہاں ضلال کے معنیٰ گمراہی نہیں ہو سکتے، بلکہ محبت میں از خود رفتہ، وہی معنیٰ یہاں بھی ہیں، یا یہ معنیٰ ہیں کہ ایک وقت آپ اس قدر علمی کمالات سے موصوف نہ تھے، آپ کو مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ کا علم دیا اور تمام نامعلوم باتیں آپ کو بتادیں، اور غیب کے اسرار آپ پر کھولدیئے (تفسیر روح البیان و خزائن العرفان)۔

تیسرے یہ کہ ضال اس پانی کو کہتے ہیں کہ جو دودھ میں مل جاوے، تو معنیٰ ہوتے کہ آپ کفار میں گھرے ہوئے تھے آپ کو غالب کر دیا۔

چوتھے یہ کہ زبان عربی میں ضال اس درخت کو کہتے ہیں جو جنگل میں اکیلا اور نہایت اونچا ہو جس کو لوگ دور سے دیکھ کر راستہ معلوم کرلیں تو یہ معنیٰ ہوتے کہ ہم نہ آپ کو ملک عرب میں بیشل اور ان صفات میں اکیلا پایا تو آپ کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت کر دی، ہدیٰ کا مفعول قوم ہے (مدارج النبوت جلد اول باب سوم)۔

پانچویں یہ کہ ایک بار بچپن شریف میں حضور علیہ السلام حضرت حلیمہ دائی سے گم ہوگئے، بہت محنت اور مشقت کے بعد ابو جہل نے آپ کو پایا، اور عبدالمطلب تک پہنچایا، تو معنی یہ ہوتے کہ ہم نہ آپ کو لڑکپن شریف میں گما ہوا پایا تو لوگوں کو آپ تک پہنچنے کی راہ دکھادی۔

چھٹے معنے یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو گمراہوں میں پایا یعنی جس قوم میں آپ نے پرورش پائی ان میں اب تک کسی کو بھی نبوت کا نور نہ پہنچا تھا، اس قوم میں آپ کو ہدایت پر رکھا، ورنہ بے علم قوم میں عالم کس طرح ہو یعنے اگر ہم آپ کو معصوم پیدا نہ فرماتے تو آپ کسی طرح ہدایت پر رہتے (روح البیان و مدارج)۔

ساتویں معنے یہ ہیں کہ شب معراج میں آپ کو اپنی صفتوں سے ناواقف پایا تو آپ کو اپنی ان صفتوں سے خبردار کردیا، تاکہ ہماری بارگاہ میں آکر ان سے ہماری حمد کریں (مدارج) اور بھی بہت سے معنی ہوسکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ انبیائے کرام گمراہی اور کفر سے ہمیشہ معصوم ہوتے ہیں، جو کوئی ان کو نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد کسی آن میں کافر یا گمراہ مانے، وہ خود بے دین ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلمہ طیبہ ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور نبی اور صاحب کتاب ہوں اپنی والدہ ماجدہ کی اطاعت کرنے والا اور نماز کا قائم کرنے والا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زبان کھولتے ہی اپنی والدہ اور چچا کو اور اپنی قوم کو توحید کا سبق پڑھایا۔ جب یہ حضرات لڑکپن شریف میں عارف باللہ ہوں تو کونسا وقت ان کی گمراہی کا ہوسکتا ہے۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا، اپنی امت کے لئے دعاء مغفرت فرمائی اور خبردی کہ ہم دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے نبی تھے تو پھر گمراہی کیسی؟ رب کریم نے فرمایا مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى تمہارے محبوب کبھی گمراہ نہ ہوئے، اس لئے یہاں ضال کے وہ معنی کرنے ہوں گے جو ہم نے بیان کئے۔

غرضکہ سورہ والضحٰی شریف پوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۹۷۔ اَلَم نَشرَح لَکَ صَدرَکَ وَوَضَعنَا عَنکَ وِزرَکَ الَّذِی اَنقَضَ ظَھرَکَ (پارہ ۳۰، سورہ الم نشرح، رکوع ۱) کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا، اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

یہ پوری سورۃ بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کا گلدستہ ہے، اول آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارا سینہ کشادہ کر دیا۔ سینہ کشادہ کرنے کے چند معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مراد ہے کہ سینہ پاک کو چاک فرمایا، کہ تین بار حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام کا سینہ پاک چاک کیا، اور اس سے دل مبارک کو نکال کر شادر آب زمزم سے دھویا، ایک تو جبکہ آپ کی عمر شریف پانچ سال تھی اور آپ حضرت دائی حلیمہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے اس کا پورا واقعہ کتب تواریخ میں دیکھو اور دوسرے جبکہ وحی کی ابتداء کی گئی اور تیسرے شب معراج میں جبریل نے سینہ سے ناف تک کے حصہ کو چیرا اور حضرت میکائیل ایک طشت بھر زمزم کا پانی لائے اور جبریل امین نے دل مبارک کو اس سے دھویا۔ دوسرا طشت نور معرفت اور حکمت، نور ایمان کا بھرا ہوا تھا اس کو حضور علیہ السلام کے قلب میں لوٹ دیا، لیکن اس شق صدر (سینہ چیرنے) میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہے سینہ کشادہ کرنا کہ نور نبوت اور اسرار الٰہیہ اور علوم غیب کا وہ سینہ پاک حامل بن سکے، ورنہ ہر دل میں یہ برداشت نہیں، یہاں تک کہ اس سینہ میں علم غیب اور علم شہادت سما گئے۔

تیسرے یہ کہ آپ کا سینہ پاک اس قدر وسیع بنایا کہ دنیا سے تعلق خدا سے غافل نہیں کرتا اور رب سے علاقہ دنیا سے بے خبر نہیں ہونے دیتا یعنی ایک ہی وقت میں پوری طرح رب سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور دنیا سے بھی بے خبر نہیں ہوتے ورنہ دنیا داری سے آدمی دین سے غافل ہو جاتا ہے اور دیندار دنیا کی خبر نہیں رکھتے، یہ حضور علیہ السلام کا سینہ پاک ہے

ہے جو ہر طرف متوجہ ہے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواس اس برزخ کبرائے میں ہے حرف مشدد کا

آج قبر انور میں بھی کیا لطف ہے، روزانہ کروڑوں درود پاک پہنچتے ہیں، ان کو متوجہ ہو کر سننا ملائکہ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں، ان کی طرف توجہ فرمانا، تمام امت کے برے اور اچھے اعمال پیش ہونا ان کی شفاعت فرمانا پھر رب تعالیٰ سے بھی راز و نیاز پھر تمام عالم میں رب کی نعمتیں تقسیم فرمانا اللہ المعطی وَ اَنَا قَاسِم غرضکہ ایک جان پاک ہے اور فکر جہان صلی اللہ علیہ وسلم۔

بوجھ اتارنے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے ہمیشہ دل مبارک گنہگار امت کے غم میں غمگین رہتا تھا، پھر حضور علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے وعدہ مغفرت فرما کر تسکین دے دی، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں شرک اور بت پرستی ہوتے ہوئے دل پاک کو تکلیف ہوتی تھی اور اس کے روکنے پر بظاہر قدرت نہ تھی بعد میں آپ کو قوت عطا فرمائی کہ تمام عرب سے بت پرستی کو دور فرمادیا اور خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک فرمادیا اور بت پرستوں کو خدا پرست بنادیا۔ وَصلّی اللہ عَلَیہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاصحابہٖ وَبارکَ وَسلَّم

آیت ۹۸۔ وَ رفعنَالکَ ذِکرَکَ (پارہ ۳۰، سورہ الم نشرح، رکوع ۱) اور ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر بلند کر دیا۔

یہ آیت کریمہ بظاہر تو مختصر سی ہے مگر اس کے ایک ایک کلمہ میں جس قدر نعت محبوب ہے اس کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہیں، صرف چار طرح اس سے نعت پاک بیان کرتا ہوں۔

رفعت کے معنی، رب تعالیٰ نے اس بلندی کو اپنی طرف نسبت کیوں دی، کہ ہم نہ آپ کا ذکر اونچا کر دیا اور لک یعنی تمہارے لئے کیوں زیادہ فرمایا اور حضور علیہ السلام کے ذکر سے کیا مراد ہے؟

(۱) رفعت کے معنے ہیں بلندی، رفعنا کے معنے ہوئے ہم نے اونچا کر دیا آپ کا ذکر،

اس اونچا کرنے کے معنے میں بہت گنجائش ہے، اولاً تو یہ کہ تمام بڑوں کے ذکر تو زمین پر، مگر محبوب علیہ السلام کا چرچا زمین پر بھی اور آسمان پر بھی، جنت میں بھی۔

فرش والے تری وکت کا علم کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

شاعر کا خیال سب سے اونچا اڑتا ہے، مگر جہاں کہ شاعر کا خیال بھی نہ پہنچ سکے وہ مرتبہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسان فرماتے ہیں۔

مَا اِن مَدحتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِی　　لٰکِن مَدحتُ مَقَالَتِی بِمُحَمَّدٍ

میں نے اپنے کلام سے محبوب علیہ السلام کی تعریف نہ کی بلکہ ان کے ذکر پاک سے اپنے کلام کو قابل تعریف بنالیا۔

دوسرے اس طرح کہ ہر جگہ دیکھو جہاں رب کا نام وہاں محبوب علیہ السلام کا نام پاک، کلمہ، اذان، نماز، التحیات، خطبہ وغیرہ، تیسرے اس طرح کہ قرآن میں اور انبیاء کا ذکر ان کے پاک ناموں سے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور ندا اچھے اچھے اوصاف سے۔

چوتھے اس طرح کہ بڑے بڑے نام آور دنیا سے ایسے گئے کہ ان کا نام بھی مٹ گیا مگر نہ مٹا تو ان کا چرچا لوگوں نے ان کا ذکر بند کرنے کی بہت کوشش کی، بدعت کہا، شرک کے فتوے لگائے مگر وہ خود مٹ گئے، حضور علیہ السلام کا ذکر نہ مٹ سکا، رب نے حضور سے وعدہ فرمایا تھا۔

رونقت را روز افزوں کنم
نام تو بر نقرہ و بروز زنم
منبر و محراب سازم بہر تو
از محبت قہر من در قہر تو
چاکر انت ملکہا گیر ندوجاہ
دین تو باقی زماہی تاباہ

تا قیامت باقیش داریم ما
تو مترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ
من ترا در ہر دو عالم حافظم
طاعنا نرا از حدیثیت وافعم

پانچویں اس طرح کہ سارے ملائکہ اور نبیوں سے آپ پر درود و سلام پڑھوایا گیا۔

چھٹے اس طرح کہ میثاق کے دن سارے نبیوں نے آپ کا کلمہ پڑھا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) بلندی کو اپنی طرف اس لئے نسبت کیا کہ کسی کو عزت ملتی ہے کنبہ سے، کسی کو دولت سے کسی کو کسی خاص دن میں پیدا ہونے سے کسی کو کسی کی وجہ سے مگر ہمارے محبوب کو کسی سے عزت نہیں ملی، بلکہ سب کو ان سے عزت ملی، اور ان کو ان کے رب نے عزت دی اسی لئے آپ کی ولادت پاک نہ تو جمعہ کو ہوئی نہ شنبہ کو اور نہ اتوار کو اور نہ منگل کو کیوں کہ جمعہ تو اسلام کا معظم دن ہونے والا تھا، اور شنبہ یہودیوں کا اتوار عیسائیوں کا اور منگل مشرکین کا، دوشنبہ کو ولادت ہوئی تاکہ اس دن کو حضرت سے عزت ملے۔

اسی طرح رمضان وغیرہ کسی مشہور مہینہ میں ولادت نہ ہوئی، بلکہ ربیع الاول میں ہوئی تاکہ اس مہینہ کو حضور علیہ السلام سے عزت ملے نیز آپ کی ولادت بیت المقدس میں نہ ہوئی کہ کوئی کہتا چونکہ وہ نبیوں کا شہر ہے اس لئے اس جگہ پیدا ہونے سے آپ کی عزت بڑھ گئی اور نہ کسی سرسبز ملک میں ولادت ہوئی کہ کوئی سیر کرنے کو جائے اور زیارت بھی کر آئے، بلکہ مکہ مکرمہ عرب کا خشک ملک آپ کی ولادت کے لئے منتخب کیا گیا، پھر مکہ شریف میں آپ کو نہ رکھا کہ کوئی شخص آپ کی زیارت حج کے طفیل نہ کرے، بلکہ مدینہ پاک میں رکھا گیا کہ زیارت سرکار کے لئے علاحدہ سفر کرو کعبہ کی طرف بھی نماز اسی لئے ہوتی ہے کہ محبوب نے اس کو قبلہ بنا دیا اس کی شرح ہم دوسرے سیپارہ میں کر چکے ہیں۔

اسی لئے پہلے بیت المقدس کو بنایا، اور پھر کعبہ کو اگر پہلے ہی سے کعبہ معظمہ قبلہ ہوتا تو محبوب علیہ السلام کی یہ شان ظاہر نہ ہوتی۔

حق یہ ہے کہ دنیا و آخرت، دوزخ و جنت، مومن و کافر بلکہ شیاطین بھی انہی کی رفعت ذکر کے لئے بنائے گئے کہ مومن تو ان کے گیت گائیں، کفار ان کا ذکر روکیں تو ذکر کی اور بھی اشاعت ہو، جنت میں ان کے فرماں بردار جائیں اور دوزخ میں ان کے دشمن ٹھونس دیئے جائیں، دیکھو رب نے شیطان کو علم و ادب تقرب، تصرف سب کچھ دیکر ایک سجدے کے انکار سے مردود کیا، اسے بلند کر کے نیچے گرایا، تاکہ قیامت تک کے علماء صوفی مشائخ عابد، عارف عبرت پکڑیں، کہ اس بارگاہ کی بے ادبی سے سارا کیا کرایا اکارت جاتا ہے، سجدہ آدم دراصل نور محمدی کو سجدہ تھا۔

آدمی اپنی بنائی ہوئی چیز خود بگاڑ سکتا ہے مگر رب کی بنائی چیز کسی کے بگاڑے نہیں بگڑتی گھیں و چراغ آدمی بجھا سکتا ہے، کیونکہ انہیں آدمیوں نے ہی روشن کیا تھا، لیکن چاند سورج کسی کی پھونک سے نہیں بجھتے کیونکہ رب کے روشن کئے ہوئے ہیں حضور کی رفعت کو اپنی طرف نسبت فرما کر یہ بتایا کہ تمہاری بلندی کسی مخلوق کی طرف سے نہیں محض ہماری عطا ہے لہذا تمہیں کوئی نیچا نہیں کر سکتا، بلکہ جو تمہیں نیچا کرنا چاہے گا وہ خود نیچا ہو جاوے گا، اور جو تمہارا چرچا کرے گا اس کا دنیا میں چرچا ہو جاوے گا۔ رَفَعنا کو ماضی فرما کر یہ بتایا کہ تمہاری بلندی آج ہی نہیں۔ بہت پہلے کی ہے، اور ماضی کو مطلق فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری بلندی گذشتہ کے قرب و بعد کی قید سے آزاد ہے۔ ہر زمان، تمہاری آن بان شان اور شان اعلیٰ رہی حق تو یہ ہے کہ یہ ماضی و حال مستقبل فقط سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ ان کی بلندی جب سے ہے جب نہ ماضی تھے نہ مستقبل یعنی زمانہ سے پہلے انہیں بلندی ملی۔

(۳) لکَ اس لئے بڑھایا گیا کہ جس سے معلوم ہو کہ بلندی اور رتبہ اپ کی ملک کر دیا گیا کہ جس کو آپ بلند فرمائیں وہ بلند ہو جاتے، اور جس کو حضور علیہ السلام دھتکار دیں اس کو دونوں جہان میں کہیں بھی پناہ نہ ملے اس کی چند مثالیں ہیں۔

اولاً آدمی ہر جگہ سفر کرتے ہیں مگر ان کی کوئی عزت نہیں، مگر جہاں سفر حج کیا، کہ حاجی بن گئے اور ان کی عزت ہو گئی۔ دوسرے آزما کر دیکھا ہے کہ بمبئی سے جو جہاز عرب کو جاتا

ہے حاجیوں کو لے کر، اس پر اس قدر ہجوم عاشقاں ہوتا ہے کہ اللہ اکبر، اور اس کی ایسی عزت کہ لندن جانے والے اور پیرس جانیوالے جہازوں کی وہ عزت نہیں، ابوجہل، ابولہب اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ان کے والدین نے کچھ اور رکھے تھے، مگر سرکار نے ان کو اور خطاب دیئے، والدین کے رکھے ہوئے نام گم ہو گئے وہی نام مشہور ہو گئے جو کہ حضور سے ملے تھے، دنیا میں ہزاروں ماں باپ گذرے مگر جس قدر نام کہ آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ کا بلکہ ان کے سارے خاندان کا دنیا میں روشن ہوا کسی ماں کا، کسی باپ کا ایسا نہ ہوا، دنیا میں ہزاروں نبی اور سینکڑوں صحیفے آئے، مگر ان پیغمبروں اور انہی کتابوں کیے نام دنیا میں روشن ہوئے جن کو حضور علیہ السلام نے روشن کر دیا۔

حضرت مریم کو یہودیوں نے تہمت لگائی، مگر میرے آقا نے ان کی پاکدامنی بیان فرمائی، تمام دنیا ان کی عصمت کا خطبہ پڑھ رہی ہے، غرضکہ جو ان کا ہو گیا اس کو عظمت مل گئی صلی اللہ علیہ وسلم جو شخص کہ ان کے ذکر کو روکنا چاہے وہ حقیقت میں رب سے لڑائی کرتا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

آیت ۹۹۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (پارہ ۳۰، سورہ العصر، رکوع ۱) اس زمانہ محبوب کی قسم بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے اس میں عصر کی قسم فرمائی گئی ہے عصر کے چند معنے مفسرین نے بیان فرمائے، ایک تو وقت عصر یعنی رب العزت نے نماز عصر یا وقت عصر کی قسم فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازوں میں نماز عصر زیادہ تاکیدی ہے، اسی کو نماز وسطیٰ بھی کہتے ہیں، دوسرے یہ کہ مطلقاً زمانہ کی قسم، تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک کی قسم جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے آپ کی جگہ کی، آپ کی عمر شریف کی، آپ کے زمانہ پاک کی قسم فرمائی ہے۔

خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ سے مراد یا تو آپ کی ظاہری حیات کا زمانہ ہے

یا آپ کی نبوت کا، نبوت کا زمانہ قیامت تک ہے، کیوں کہ آپ کا دین منسوخ نہیں، اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہم اور قیامت مثل ملی ہوئی دو انگلیوں کے ہیں (مشکوٰۃ) خطبہ جمعہ بھی ایک مولوی صاحب دہلی کی جامع مسجد میں فاتحہ دے رہے تھے کہ کسی نے کہا فاتحہ دینا مٹھائی پر بدعت ہے، انہوں نے کہا، بدعت کسے کہتے ہیں؟ معترض بولا کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ ہو مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ تمہارے باوا کا زمانہ ہے؟ یہ بھی تو حضور ہی کا زمانہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے ازازل تا ابد، حضور ہی کا زمانہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آیت ۱۰۰۔ اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ (پارہ ۳۰، سورہ کوثر)، اے محبوب ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے اس کی شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے فرزند حضرت ابراہیم یا حضرت قاسم کا وصال ہوا تو عاص ابن وائل نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اس وقت اس ابتر کے پاس سے آرہا ہوں (ابتر عرب میں اس کو کہتے ہیں جس کی نسل ختم ہو جاوے)۔

یہ اس ملعون کا کلمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچا تو سرکار علیہ السلام کو صدمہ ہوا۔ اس صدمہ کو دفع فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں یہ فرمایا گیا، کہ اے محبوب آپ کسی دشمن کی بکواس سے غمگین کیوں ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ہے کہ اگر کوئی بھی آپ کو تکلیف پہنچانے کی بے ہودہ کوشش کرے تو رب تعالیٰ اس کو دفع فرماتا ہے۔

کوثر کے چند معنے ہیں، کوثر کے معنے ہیں، بہت خوبیاں اور، بہت ذکر، تو مطلب یہ ہوا کہ کافر سمجھے کہ آپ کا نام آپ کی مذکر اولاد سے چلتا۔ اب وہ نہ رہی تو نام نہ چلے گا۔ ان کا یہ خیال غلط ہے ذکر اس کا باقی رہتا ہے جس کو ہم باقی رکھیں، ہم نے آپ کا چرچا قیامت تک

کے لئے باقی رکھ دیا۔

خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے دنیاوی سامان کو قلیل فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیلٌ مگر جو حضور علیہ السلام کو دیا وہ کثیر نہیں، اکثر نہیں، کثار نہیں بلکہ کوثر ہے، کوثر کے معنی ہیں بہت ہی زیادہ، رب تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا وَھُوَ العَلِیُّ العَظِیمُ حضور کے لئے فرمایا وَکَانَ فَضلُ اللّٰہِ عَلَیکَ عَظِیمًا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ معلوم ہوا کہ رب کی عظمت تک کسی کا خیال نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح رب نے جو حضور علیہ السلام کو دیا، وہ سب کے اندازہ سے زیادہ ہے۔

آج دیکھ لو کہ تیرہ سو برس کہ عرصہ میں اولاد والے تخت و تاج والے شاہ وگدا ہر طرح کے لوگ گذر گئے مگر کسی کا نام نہ چلا اگر نام رہا تو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یا جس کو محبوب علیہ السلام نے چمکا دیا۔

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ رہی جفا
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

یا کوثر سے مراد ہے زیادہ یعنی اگرچہ آپ کے فرزند صلبی کوئی زندہ نہ رکھا گیا، مگر آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا سے آپ کی نسل اس طرح چلائی جائیگی، کہ قیامت تک باقی رہیگی، آج بھی دیکھ لو خدا کے فضل و کرم سے سادات ہر جگہ ملتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک باقی رہیں گے۔

تیسرے معنی ہیں حوض کوثر، یہ ہی معنی حدیث پاک میں ارشاد فرمائے گئے، یعنے ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا۔ کہ جس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا، اور دودھ سے زیادہ سفید ہوگا، جو کوئی ایک بار پیئے گا، وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا، مرقات میں لکھا ہے کہ ہر نبی کو حوض دیئے گئے ہیں، جس سے کہ وہ اپنی امتوں کو پانی پلائیں گے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو حوض دیا گیا، اس کا نام کوثر ہے، جو سب حوضوں سے بڑا، اور اس کا پانی سب سے زیادہ افضل اور اعلیٰ اور لذیذ ہے۔

یا کوثر سے مراد علم کثرت ہے یعنی ماسویٰ اللہ سارا علم آپ کو دیدیا، اللہ جس کا رب

ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے مالک ہیں۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ دیکھو۔

یا مراد کوثر سے ہے امت کثیرہ تو مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ جسمانی فرزند آپ کے وفات کر گئے مگر آپ کو روحانی اولاد سے یعنی امت اس قدر دی جاوے گی کہ کسی کو اس قدر نہ دی گئی، چنانچہ نصف جنت تو حضور کی امت سے بھرے گی، اور نصف باقی انبیاء کی امتوں سے۔

نکتہ:- ایک سوال ہوتا ہے کہ اگر کوثر سے مراد حوض کوثر ہے، تو پھر یہ سورۃ شریف اس کافر کا رد کس طرح بنی کہ وہ تو کہہ رہا تھا کہ آپ کی اولاد نہ رہی، جواب ملا کہ ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا۔ جواب یہ ہے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ اور اس کی طرح دوسرے کفار آج تو جو چاہیں وہ طنز وغیرہ کر لیں، ایک دن آئے گا جبکہ آپ کوثر پر جلوہ گر ہوں گے، تب یہ تمام لوگ آپ کے مدح خواں اور نعت گو بن جاویں گے اگرچہ اس وقت ان کی مدح گوئی کچھ کام نہ آوے گی یعنے جو لوگ آج اس قسم کی بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں کل آپ کی تعریف کریں گے۔

تنبیہ:- اس سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا ہے اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ تمہارا دشمن ابتر ہے یعنی اس کی نسل ختم ہے، تو سوال یہ ہوتا ہے کہ عاص ابن وائل جس نے یہ کلمہ ملعونہ بکا تھا، وہ تو صاحب اولاد نہ تھا وہ ابتر کہاں؟ جواب اس کا یہ ہے، کہ یا تو مراد ابتر سے تمام خوبیوں سے محروم، یا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد کو ایمان کی ہدایت دے دی جاوے گی جس کی وجہ سے اس باپ اور اس کی اولاد میں دینی اختلاف ہو جاوے گا اور دینی اختلاف موت کی طرح ہوتا ہے، اسی لئے مسلمان کی میراث و جنازہ و دفن و کفن اس کا کافر باپ یا کافر اولاد نہیں کر سکتی اور ایسا ہی ہوا کہ اس کے فرزند حضرت عمرو ابن عاص جلیل القدر صحابی ہوئے۔ غرضکہ یہ سورۃ بھی نعت سرکار ہے صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

نوٹ۔ تَبَّتْ یَدَا اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کے متعلق ہم اس کتاب کے خطبہ میں لکھ چکے ہیں وہاں ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

آیت ۱۰۱۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے، وہ اس طرح کہ ان دونوں سورتوں کی شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص لبید ابن اعصیم یہودی اور اس کی لڑکیوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو بہت زبردست کیا، لیکن اس کا اثر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پاک اور ظاہری اعضاء پر ہوا، دل اور عقل اور اعتقاد پر اللہ کے فضل سے کوئی اثر نہ ہوا چند روز کے بعد حضرت جبریل امین آئے اور عرض کیا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور جادو کا سامان فلاں کنوئیں میں پتھر کے نیچے داب دیا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کنوئیں پر بھیجا۔ انہوں نے اس کا پانی نکال کر پتھر اٹھایا، تو اس پتھر کے نیچے کھجور کے گابھے کی تھیلی نکلی، اس تھیلی میں حضور علیہ السلام کے بال شریف جو کنگھی سے نکلے تھے اور حضور علیہ السلام کی کنگھی کے چند دندانے اور ایک ڈورا یا کمال کا چلہ جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوتی تھیں اور ایک موم کا پتلا جس میں گیارہ سوئیاں چبھی تھیں نکلیں، جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اس وقت رب العالمین نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں، جن میں یہ گیارہ آیتیں ہیں۔ سورہ فلق میں پانچ آیات ہیں، سورہ ناس میں چھ، ہر ایک آیت کے پڑھنے سے ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ان تمام آیتوں کے پڑھنے پر تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور علیہ السلام بالکل تندرست ہو گئے (تفسیر خزائن العرفان) اس سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوتے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی بارگاہ الٰہی میں اس قدر بلند ہے کہ کسی علاج یا اور ضرورت کے وقت آپ کو کسی طبیب یا حکیم کے پاس تشریف لے جانے کی ضرورت نہیں بلکہ رب العالمین آپ کی ہر ضرورت کا متکفل ہے آپ تمام عالم کے طبیب مطلق ہیں،

آپ کا حکیم کون ہوتا، آپ کے سب حاجتمند ہیں، اور آپ کو سوائے رب کے کسی کی حاجت نہیں صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رب العالمین نے علم ادیان کے علاوہ علم ابدان یعنی علاج معالجہ طبابت اور تمام علوم عطا فرمادیئے اسی لئے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی کسی مرض میں کسی طبیب سے مشورہ لیا ہو یا کسی سے علم طب حاصل فرمایا ہو۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں جہاں دعاؤں کے باب بنائے گئے، وہاں ہی دواؤں کے باب بھی بنائے گئے ہیں، جن میں وہ دوائیں تحریر کیں جو حضور علیہ السلام والصلوٰۃ سے منقول ہیں۔ بخار میں، جاڑے میں یا فلاں فلاں مرض میں فلاں دوا استعمال کرنی چاہیئے یہ اور بات ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کو مزاج کے فرق کی وجہ سے ان میں سے بعض دوائیں موافق نہ ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کسی سے طب سیکھی نہ کسی سے تعلیم حاصل کی مگر پھر تمام دواؤں کے نام ان کے طریقہ استعمال ان کے فوائد وغیرہ اس طریقہ سے ارشاد فرمائے کہ بوعلی سینا اور افلاطون کی طبابتیں اس پر قربان۔

(۳) اس پر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جادو کا اثر انبیاء کرام کے دل اور عقل پر نہیں ہوسکتا ہاں جسم پاک پر ہو جاتا ہے، اور یہ شان نبوت کے خلاف نہیں، آخر تلوار، زہر، زہریلے جانوروں کا اثر بھی ان کے مبارک جسموں پر ہوتا ہے اسی طرح غذا دوا پانی وغیرہ فائدہ پہنچاتے ہی ہیں، اسی طرح یہ بھی جو قدرتی تاثیر ہے اس کا ظاہر ہونا نبوت کی شان کے خلاف نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصائے موسیٰ کے مقابلہ میں جادو نے شکست کھائی، حضور پر کیوں اثر ہوگیا؟ آپؐ تو موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں جادو کا معجزے سے مقابلہ تھا۔ یعنی معجزہ عصا موسیٰ غالب رہا، یہاں کسی معجزے سے مقابلہ نہ تھا، نیز اس جادو نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر اثر ڈالا وَ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ بیماریوں اور جادو اور نظر بد وغیرہ کو دفع کرنے کے لئے دعاؤں

اور قرآن کی آیتوں پر پڑھ کر دم کرنا درست ہے، اسی طرح تعویذ وغیرہ جائز ہے (دیکھو شامی جلد پنجم) ہاں جن منتروں میں شرکیہ کلمے ہوں یا کسی اور زبان کے جن کے معنیٰ کی ہم کو خبر نہ ہو کہ ان میں شرکیہ باتیں ہیں یا کہ نہیں، ان سے علاج کرنا حرام ہے، اسی طرح تعویذ میں قرآنی آیات کا خون سے لکھنا یا خلاف ترتیب لکھنا یا کہ تعویذ میں لکھ کر پاؤں یا جوتے میں باندھنا یا اس پر جوتے مارنا حرام ہے کہ اس میں حروف کی توہین ہے۔

مسئلہ:- تعویذ پر اور اسی طرح دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے۔ اگرچہ قرآن کی آیت بھی لکھ کر دے یا سورہ قرآنی پڑھ کر ہی دم کرے، کہ یہ تو ایک طرح کا علاج ہے (دیکھو مشکوٰۃ اور شامی جلد اول وغیرہ) غرضکہ یہ دونوں سورتیں نعت مصطفیٰ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۱۰۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سورہ فاتحہ، سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔

اس سورت پاک میں اللہ کی حمد اور بندوں کو دعا کی تعلیم ہے۔ مگر اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے، اس لئے کہ الحمد میں اگر الف و لام کو استغراقی لیا جاوے تو معنی یہ ہوں گے کہ ساری تعریفیں اللہ ہی کی ہیں یعنی دنیا میں جو بھی کسی کی تعریف کسی وقت کرے، کسی نعمت کے شکریہ میں کرے، وہ درحقیقت خدا کی ہی حمد ہوگی، جس میں جو کچھ خوبی ہے وہ اللہ ہی دی ہوئی ہے۔ چیز کی تعریف حقیقت میں اس کے بنانے والے کی تعریف ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خاص تعریف اللہ کی ہے الف لام عہدی ہو، کون سی تعریف اللہ کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے منہ سے ادا ہو، یا ان کے سکھانے سے کوئی اللہ کی حمد کرے تو مطلب یہ ہوگا کہ خواہ حمد الٰہی کوئی بھی کرے، مگر مقبول حمد وہی ہے جو کہ محبوب کریں یا محبوب کے بتانے سے کوئی کرے، صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (روح البیان)۔

اسی لئے آج اگر ساری عمر کفار خدا کی تعریف کریں بالکل قبول نہیں، کیوں کہ انہوں نے حمد مقبول نہ کی جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بتائی ہوئی تھی، اور اسی لئے قیامت کے

دن لِوَاءُ الحمد حضور ہی کو دیا جائے گا۔

حدیث شفاعت میں وارد ہے کہ رب تعالیٰ ہم کو اپنی خاص خاص حمدوں سے اطلاع دے گا جن سے میں حمد الٰہی کروں گا، غرضکہ دنیا میں ان ہی کی حمد مقبول اور آخرت میں بھی، اسی لئے حضور علیہ السلام کا نام پاک ہے احمد یعنی اپنے رب کی بہت حمد فرمانے والے، اور رب کا نام ہے محمود یعنی محبوب کا محمود صلی اللہ علیہ وسلم یا اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ حمد کامل تو اللہ ہی کی حمد ہے۔ یعنی تمام مخلوق ہمارے حبیب کی تعریف کرے مگر جیسے چاہیئے ویسی نہیں کر سکتی۔ کامل حمد محبوب علیہ السلام کی وہ ہی ہے جو کہ اللہ نے کی اسی لئے حضور علیہ السلام کا نام پاک ہے محمد، تعریف کئے ہوتے کس کے؟ اللہ کے، اور اللہ تعالیٰ کا نام پاک ہے حامد، تعریف فرمانے والا کسی کی؟ اپنے محمد کی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب اس آیت پاک سے جس قدر نعت پاک محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہوتی، وہ ظاہر ہے، اسی طرح، اس سورۃ کی ہر آیت سے حضور علیہ السلام کی نعت شریف ظاہر ہو رہی ہے۔

آیت ۱۰۳ - اِهْدِ نَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سورہ فاتحہ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے، اس میں مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ یہ دعا مانگو، کہ خداوندا ہم کو سیدھا راستہ چلا، وہ ان کا راستہ ہے جن پر تو نے احسان فرمایا۔

سیدھا راستہ دین اسلام ہے اور دین اسلام پیروی مصطفیٰ علیہ السلام کا نام ہے، بعد میں اس کی تصریح بھی کر دی کہ وہ راستہ وہ ہی ہے جس پر منعم علیہم چلے ہیں، اور سب سے بڑا جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تو رب نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ تم ہم سے یہ دعا مانگا کرو کہ خداوندا ہم کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرما اور اسی پر قائم رکھ اور اسی پر خاتمہ نصیب فرما آمین آمین یا رب العالمین۔

آخر میں بندہ گنہگار، رحمت الٰہی کا امیدوار احمد یار عرض پرداز ہے اور تو اپنی اپنی تحریروں اور تصنیفوں کو کسی بادشاہ، نواب، دولت مند کی خدمت میں پیش کر کے انعام کے طلب گار ہوتے ہیں، یہ فقیر بے نوا اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کو اپنے دونوں جہان کے سچے شہنشاہ بیکسوں کے ملجا و ماوٰی، محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور امیدوار قبول ہے اور یہ بھی عرض کرتا ہے کہ۔

تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں
ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں
اگر میرا نیم از در بمن بما در دیگر
کجا نالم کرا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

یہ بھی خیال رہے کہ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم میں صرف اس قدر آیات ہی نعت کی ہیں بلکہ جیسا کہ میں مقدمہ میں عرض کر چکا ہوں، قرآن پاک کی ایک ایک آیت حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور جن سے صاف طور پر نعت شریف ثابت ہے۔ وہ بھی اور بہت آیات ہیں جیسے آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اسی طرح اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اسی طرح اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وغیرہ، مگر اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان ہی آیات شریفہ پر اکتفا کیا گیا۔

یہ کتاب وسط جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۱ھ میں شروع کی گئی، اور ۳ شعبان المعظم روز ایمان افروز دو شنبہ مبارک سنہ ۱۳۶۱ ہجری پایہ تکمیل کو پہنچی۔

رب العالمین اس کو میرے واسطے اور میرے محترم بزرگ حاجی الحرمین الشریفین جامع شریعت و طریقت حضرت شیخ المشائخ تراب اقدام احمد الحاج محمد علی صاحب قبلہ دام ظلہم کے واسطے توشہ آخرت بنا دے، اور خدائے پاک حاجی صاحب موصوف کو اس سے بھی زیادہ خدمت دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ یا رب العالمین۔ بجاہِ حبیبک الکریم سیدنا محمد صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

ناچیز احمد یار خاں اوجھیانوی، بدایونی
مدرس مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات۔ پنجاب

ضمیمہ شانِ حبیب الرحمٰن

خیال تھا کہ یہ کتاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام یعنی اولیاء اللہ کے ذکر خیر پر ختم کی جائے کہ خدام کی مدحت سرائی سلطان کی ثنا خوانی ہے علماء و اولیاء کے مناقب بیان کرنا بالواسطہ حضور کی نعت خوانی ہے، کیوں کہ ان کو یہ مراتب حضور کی غلامی سے ملے، مدینہ کے فضائل، وہاں کے ذرات کے مناقب وہاں کے کوچہ و بازار کی تعریفیں بلکہ سگان کوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں در حقیقت اس سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے جس کی نسبت سے ان سب کو شرف ملا پہلے ایڈیشن میں کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے میری یہ تمنا پوری نہ ہوئی اب دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کو بڑھاتا ہوں رب تعالیٰ قبول فرما کر اسے میرے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ آمین۔

اِلَآ اِنَّ اَولِیَاءَ اللهِ لَا خَوفٌ عَلَیهِم وَلَا هُم یَحزَنُونَ اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَ کَانُوا یَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنیَا وَ فِی الاٰخِرَةِ لَا تَبدِیلَ لِکَلِمٰتِ اللهِ ذٰلِکَ هُوَالفَوزُ العَظِیمُ (پارہ ۱۱، سورہ یونس، رکوع ۶)۔

سُن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کی تفسیر سے پیشتر بطور مقدمہ چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

اولیاء اللہ کی دنیا کو کیا حاجت ہے؟ جیسے عالم اجسام میں بعض جسم محتاج ہیں اور بعض محتاج الیہ بعض فیض لینے والے اور بعض دینے والے، آفتاب اور بارش فیض دینے والے، اور زمین اور یہاں کی ہری بھری کھیتیاں اور باغات فیض لینے والے، اسی طرح عالم روحانیات میں انبیائے کرام اور ان کے ذریعہ سے علماء و مشائخ اور اولیاء اللہ فیض دینے والے

اور سارا عالم ان کا حاجتمند مولانا فرماتے ہیں۔

چو ذاتش ہست محتاج الیہ زاں سبب فرمود حق صَلُّوا عَلَیہ

جیسے دنیا کو بارش و آفتاب کی ہمیشہ ضرورت ہے اسی طرح علما و اولیاء کی بھی سخت حاجت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء دین کو بارش نبوت کا تالاب فرمایا ہے (مشکوٰۃ کتاب العلم) رحمتیں دینے والا رب، تقسیم فرمانے والے حبیب خدا اللہ المُعطِی وَ اَنَا قَاسِمٌ اور اسی تقسیم کا ذریعہ علماء و اولیاء اللہ حدیث پاک میں چالیس ابدال کے متعلق ارشاد ہوا کہ ان کی برکت سے بارش برسے گی اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی، اور انہی کے طفیل اہل شام سے عذاب دور رہے گا۔ (آخر مشکوٰۃ) علماء کے متعلق ارشاد ہوا کہ علماء کی زندگی کی مچھلیاں دعاء کرتی ہیں (مشکوٰۃ کتاب العلم)، اسکی شرح مرقات میں ہے، وہ جانتی ہیں کہ بارش اور دریا کی روانی علماء کے طفیل ہے (۳) رب تعالیٰ تک رسائی حضور علیہ السلام کے ذریعہ اور حضور علیہ السلام تک رسائی علماء و اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہے۔ صحابہ کرام نے سینہ مصطفوی سے نور نبوت بلاواسطہ حاصل کیا، اور بعد والوں نے صحابہ کرام کے سینوں سے ہمارے لئے اولیاء اللہ کے سینے وہ شفاف آئینہ ہیں جن سے چھن کر وہ نور عالم کو منور کر رہا ہے، اسی لئے بیعت کی جاتی ہے کہ کسی شیشہ کے سامنے آجائیں تاکہ بے نور نہ رہیں (۴) انبیائے کرام خلق کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے تشریف لائے، سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد وہ کام دو گروہوں کو سپرد ہوا، ظاہری اصلاح علمائے دین کے ذمہ اور باطنی صفائی اولیاء اللہ کے سپرد، چونکہ حضور کی نبوت قیامت تک رہے گی، ضروری ہے کہ ان کے سارے کام انجام پاتے رہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں گروہ دنیا میں موجود رہیں، نماز میں جسم پاک کرا دینا، قبلہ رو کھڑا کرنا، اس کے شرائط و ارکان ادا کرا دینا، علماء کا کام ہے۔ مگر نماز میں خلوص، حضور قلب، اس کا ریاء سے پاک ہونا اولیاء اللہ کے ذریعہ گویا شرائط اور علماء پورے کراتے ہیں اور شرائط قبول اولیاء۔

قرآن اور کعبہ کا دیکھنے والا صحابی نہیں، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاص سے دیکھنے والا صحابی ہے، معلوم ہوا کہ اعمال سے زیادہ صحبت اثر کرتی ہے۔

حکایت:- ایک بادشاہ نے چینی اور رومی کاریگروں سے فرمایا کہ تم اپنے اپنے کمالات دکھاؤ، ایک کمرہ ان کے سپرد کیا جس کے بیچ میں پردہ ڈال دیا اور کہا کہ ایک دیوار پر تم اپنا جوہر دکھاؤ اور دوسری پر دوسرے، چینی کاریگروں نے اپنی دیوار پر نقش و نگار کھینچ کر اسے چمن بنا دیا، رومیوں نے اپنی دیوار کو گھوٹ کر مثل آئینہ شفاف کر دیا، دونوں نے فارغ ہو کر سلطان سے کہا کہ آیئے معائنہ کیجئے، بادشاہ تشریف لایا اور فرمایا کہ اس پردہ کا سارا جھگڑا ہے، اسی آڑ کو پھاڑو، پھر مقابلہ کر کے دکھاؤ جب پردہ اٹھا اور دونوں دیواریں مقابل ہوئیں تو چینیوں کے نقش و نگار رومیوں کی دیوار میں نظر آنے لگے کیوں کہ وہ شفاف تھی۔

اسی طرح انسان ایک کمرہ ہے، اس کی دو دیواریں ہیں، قالب اور قلب، علمائے شریعت قالب پر شریعت کے نقش و نگار کھینچتے ہیں پیران طریقت مراقبے اور چلے کرا کر قلب کی گھٹائی، صفائی کرتے ہیں، مگر سانس کا پردہ درمیان میں ہے جب دور حیات ختم ہوا اور ظاہری زندگی کا پردہ چاک ہوا۔ اس وقت قالب کے سارے نقوش ان شاء اللہ کھچے ہوئے اور صاف قلب میں جلوہ گر ہوں گے اسی کا قبر میں امتحان ہے، بے دیکھے محبوب کی پہچان کرائی جاتی ہے اگر دل صاف ہے پہچان ہو جاوے گی۔

روح نہ ہو مضطرب موت کے انتظار میں
سنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئیں گے وہ مزار میں

(۵) ایمان عالم دین سے ملتا ہے، مگر ایمان کی حفاظت اولیا کے کرم سے ہوتی ہے، اسی لئے اولیاء اللہ علماء کے شاگرد اور علماء اولیاء اللہ سے بیعت ہوتے ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں گویا اعمال و ایمان کے دو بازو ہیں جیسے پرندہ دونوں بازوؤں کے بغیر نہیں اڑ سکتا۔ ایسے ہی ہمارے اعمال ان دو جماعتوں کی مدد کے بغیر بارگاہ رب العالمین تک نہیں پہنچ سکتے، یہ دونوں جماعتیں زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔

(۶) جیسے جسم پر بیماریاں اور لوہے پر زنگ آتی رہتی ہے، اسی طرح دل پر بھی غفلت کی زنگ چڑھتی رہتی ہے، بیماری اجسام کے لئے اطبائے یونان پیدا ہوتے، اور بیماری دل کے

لئے اطبائے ایمان، مولانا فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں

زنگ آلود لوہے کو بھٹی کی ضرورت ہے، اور زنگ آلود دل کے لئے صحبت اولیاء و عبادات و ریاضت درکار، مگر تاثیر میں صحبت اولیاء تیز تر ہے، تلاوت قرآن پاک سیاہی قلب کو آہستہ آہستہ دور کرتی ہے (مشکوٰۃ) مگر اللہ والے کی نظر کرم آن کی آن میں کایا پلٹ دیتی ہے، مولانا فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

نگاہ مرد مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں

حکایت:۔ حضور غوث پاک سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں چور چوری کی نیت سے گھسا۔ مگر کچھ نہ پایا، حضور نے اپنے خادم سے ارشاد فرمایا کہ ہمارے گھر سے چور خالی جارہا ہے۔ اس میں ہمارے دروازہ کی بدنامی ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ کیا دے دیا جاوے؟ فرمایا وہ دیا جائے جو دونوں جہان میں اس کے کام آتے ہمیں کیا یاد کرے گا، فلاں جگہ کے قطب کا انتقال ہوگیا ہے، اسے وہاں کا قطب بنا کر بھیجدو، دیکھو آیا تھا تو چور تھا اور گیا تو قطب (اے سرکار بغداد ہم چوروں پر بھی نظر کرم ہو جاتے)۔

ایک دفعہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ جنگل میں اکیلے جارہے ہیں، قیمتی قبا زیب تن ہے ایک ڈاکو نے بری نیت سے دامن پکڑا کہ قبا اتار لے، عرض کیا مولیٰ! اس نے عبدالقادر کا دامن پکڑا ہے قیامت تک اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے، حضور خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کمہار کی بھٹی پر گذرے جس میں مٹی کے برتن پک رہے تھے، حضور نے خوے پر نگاہ فرمائی، نار کو تو نور بنا دیا اور نگاہ کرم سے تمام برتنوں پر اللہ اللہ نقش ہوگیا، کمہار یہ دیکھ کر چیخا کہ۔

اے شاہ نقشبند تو نقشے سرا بند

نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

(۷) جیسے دنیا میں مسافر کو رہبر کی ضرورت ہے، پردیس میں بغیر رہبر کام نہیں چلتا، ایسے ہی مسافر آخرت کے لئے رہبر طریقت کی حاجت، ورنہ ع راہ ہے راہ مار پھرتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں۔

پیر راہگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن
گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ

(۸) دنیا میں انسان کمانے آیا، ایمان اور اعمال اس کی کمائی ہے، جسے آخرت میں بھیجنا ہے، راہ میں نفس و شیطان ڈکیتی کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ قیمتی سامان کسی کی حفاظت میں جائے، محافظین کی جماعت کا نام ہے اولیاء اللہ۔ بیمہ کمپنی کی ذمہ داری سے مال محفوظ ہو جاتا ہے۔ مشائخ طریقت کی نگاہ کرم سے انشاء اللہ ایمان محفوظ رہے گا۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

دل پہ کندہ ہوا تیرا نام کہ وہ دزد رجیم
الٹے پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا
تو جو للکار دے آتا ہوا الٹا پھر جائے
تو جو چمکار لے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا

(۹) نفس کتا ہے، اس کے گلے میں کسی شیخ کا پٹہ ڈالو، تاکہ مارا نہ جائے، اطاعت ولی نفس کا پٹہ ہے، شجرہ اس کی زنجیر، جس کی پہلی کڑی اس نفس کے گلے میں اور آخری کڑی مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اگر یہ پٹہ اور زنجیر قائم رہا تو انشاء اللہ نفس بہک نہیں

سکتا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

تجھ سے دردر سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

(۱۰) انجن نہیں دیکھتا کہ میرے پیچھے تھرڈ کلاس کا ڈبہ ہے یا سیکنڈ یا انٹر یا مال، وہ تو اپنی طاقت کے مطابق سب کو کھینچ لے جاوے گا بشرطیکہ اس سے کڑی مضبوط ملی ہو اسلام گویا ریلوے لائن ہے مختلف مسلمان گویا ریل کے مختلف ڈبے، اولیاء اللہ ان کی مضبوط کڑیاں، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے رہبر اگر یہ سلسلہ حضور سے ملا ہوا ہے تو ضرور ہم منزل مقصود تک پہنچیں گے، ورنہ نہیں پہنچ سکتے۔

ولایت کے درجات:- ولایت کے مختلف درجے ہیں اور بے شمار مراتب، بعض حضرات نشہ عشق میں عقل و دانش کو کھو بیٹھتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے، اس قسم کے حضرات کے اقوال و افعال پر احکام شرعیہ جاری نہیں ہوتے کیوں کہ وہ دائرہ عقل سے بالا پہنچے منصور نے اَنَا الحق کہا وہ مومن رہے کیونکہ وہ انانیت فنا کر چکے تھے، فرعون نے اِنَا رَبُّکُم الاَعلیٰ کہا، کافر ہوا، کہ وہ خودی میں رہ کر خدا بنا یہ حضرات مظہر صفات الٰہی ہو جاتے ہیں، زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا مولانا فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت۔

لطیفہ:- حضرات صوفیا فنا فی اللہ ہو کر بحالی جذب اَنَا اللہ کہہ سکتے ہیں، مگر کوئی فنا فی الرسول ہو کر اَنَا محمّدٌ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مقام ناز ہے اور یہ مقام نیاز۔

باخدا دیوانہ و با مصطفٰے ہوشیار باش

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

کوئلہ آگ میں گیا اس میں ایسا فنا ہوا کہ آگ کی تاثیر دکھانے لگا، ان دو شعروں کا یہ ہی مطلب ہے۔

بندہ از بندگی خدا گوید
نہ تواند کہ مصطفٰے گوید
قطرہ در آب رفت آب شود
نہ تواند کہ در ناب شود

بعض وہ حضرات ہیں جو

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا ہیں شاغل

ولایت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی عقل و خرد پر ہاتھ سے نہیں دیتے انھیں سالک کہا جاتا ہے، خیال رہے کہ حضرات انبیاء مظہر صفات الٰہی اور حضرات اولیاء اللہ مظہر انبیاء۔ صفات الٰہی مختلف تو انبیاء کرام کے حالات مختلف اسی لئے صوفیائے کرام کی شانیں مختلف ولایت عیسوی رکھنے والے تارک الدنیا ہوتے ہیں، ولایت سلیمانی والے صاحب تخت و تاج، ولایت نوحی والے مظہر جلال اور ولایت ابراہیمی والے مظہر جمال، اور ولایت مصطفٰی رکھنے والے جامع صفات اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مجذوبین بر قدم موسیٰ ہیں علیہ السلام فخر موسیٰ صعقًا کہ ایک جھلک دیکھ کر عقل و خرد کھو بیٹھتے ہیں، اور سالکین بر قدم مصطفٰے علیہ السلام۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمے

حضور غوث پاک کے اس شعر کا یہ ہی مطلب ہے۔

وَ کُلِّ وَلِی لَہٗ قَدَمٌ وَ اِنّی
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِ بَدرِ الکَمَالِی

حضور علیہ السلام نے جنگ بدر کے موقع پر صدیق اکبر سے فرمایا کہ تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے اور فاروق اعظم سے فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی سی یہ حدیث اس تقسیم ولایت کی اصل ہے۔

ولی کی پہچان:۔ حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہ کی پہچان بہت مشکل ہے، بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ رحمت الٰہی کی دلہن ہیں۔ جہاں تک سوائے اس کے محرم کے کسی کی رسائی نہیں، اسی لئے کہا گیا ولی را ولی مے شناسد شیخ ابو العباس فرماتے ہیں کہ خدا کا پہچاننا آسان ہے، مگر ولی کی پہچان مشکل، کیوں کہ رب اپنی ذات و صفات میں مخلوق سے اعلیٰ و بالا ہے، اور ہر مخلوق اس پر گواہ، مگر ولی شکل و صورت اعمال و افعال میں بالکل ہماری طرح (روح البیان یہی آیت)، شریعت میں اظہار ہے اور طریقت میں اخفاء مکان کی زینت دروازہ پر رکھی جاتی ہے اور موتی کوٹھری میں، مولانا فرماتے ہیں۔

بر دہانش قفل در دل رازہا
لب خموش و دل پر از آوازہا

بعض اولیاء اللہ جو کچھ اپنے مراتب بیان کر جاتے ہیں، وہ ان کے جوش کی غیر اختیاری آواز ہوتی ہے اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثلُکُم اس درجہ کی آواز تھی اور اَیُّکُم مِثلِی میں شریعت کی جلوہ گری۔

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا
مزمل بن کے آتے تھے تجلی بن کے نکلیں گے

نہ حلیمہ بھید کھلا ہے یہ نہ مقام چون و چرا ہے یہ
تو خدا سے پوچھ وہ کون تھے تری بکریاں جو چرا گئے

مشکوٰۃ باب فضل الفقراء میں ہے کہ میری امت میں بہت سے پراگندہ حال بکھرے

ہوتے بال والے جنہیں لوگ اپنی دروازوں سے ہٹا دیں، اگر خدا پر قسم کھالیں، تو ان کی قسم پوری فرمائی جاتے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

توچہ دانی کہ دریں دسوارے باشد

لوگوں نے ولی کی علامتیں اپنی طرف سے مقرر کر لی ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو کرامتیں دکھاتے، مگر یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ عجائبات چار قسم کے ہیں، معجزہ، ارحاص، کرامت، استدراج معجزہ وہ عجیب و غریب کام ہے جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر تصدیق دعویٰ کے لئے صادر ہو، جیسے عصاء کلیم اور دم عیسیٰ علیہا السلام، ارحاص وہ عجائبات جو نبی کے ہاتھ پر دعویٰ کے لئے صادر ظاہر ہوں، جیسے حضرت حلیمہ کے گھر حضور کے برکات، کرامت وہ عجائبات ہیں اور نبی کے امتی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں، جیسے حضور غوث پاک یا حضرت سلطان الہند خواجہ اجمیری، حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہم کے کرامات، استدراج وہ عجائبات جو کافر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں، بہت سے عجائبات شیطان کر دکھاتا ہے، سنیاسی جوگی صدہا کرتب کر لیتے ہیں دجال تو غضب ہی کرے گا، مردوں کو جلائے گا، بارش برسائے گا، اگر عجائبات پر ولایت کا مدار ہو تو شیطان اور دجال بھی ولی ہونے چاہئیں، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہوامیں اڑنا ولایت ہے تو شیطان بڑا ولی ہونا چاہیے۔

بعض نے کہا کہ ولی وہ جو تارک الدنیا ہو، گھربار نہ رکھتا ہو، لوگ کہا کرتے ہیں وہ ولی کیا جو رکھے پیسہ مگر یہ بھی دھوکا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان غنی، حضور غوث الثقلین، امام ابو حنیفہ، مولانا روم رضی اللہ عنہم اجمعین بڑے مالدار تھے، کیا یہ ولی نہ تھے؟ یہ تو ولی گر تھے، اور بہت سے سنیاسی کفار تارک الدنیا ہیں کیا وہ ولی ہیں ہرگز نہیں۔

بعض نے سمجھا کہ ولی وہ جو بے عقل ہو، فی زمانہ لوگ ہر پاگل و دیوانہ کو ولی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے ہم پہلے عرض کر چکے کہ مجذوب سے سالک افضل ہے کہ مجذوب بے فیض ہے اور سالک فیض رساں، مجذوب کمزور ہے کہ ایک جھلک کی تاب نہ لاسکا، اور سالک قوی،

صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔

تو سنسار میں اولیا ہو رہ جوں مرغابی ساگر میں
راہ پہ اپنے ایسی جانا جوں پنہاری گاگو میں

دیکھو مرغابی دریا میں تو تیرنے والی ہے اور ہوا میں پرندہ، عورتیں جب پانی بھر کے لاتی ہیں تو ایک گھڑا سر پر اور دو گھڑے بغلوں میں پھر بھی اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی، راستہ کو دیکھتی بے کھٹک چلی جاتی ہیں، کامل وہ ہے جس کے سر پر شریعت ہو، بغلوں میں طریقت، سامنے دنیوی تعلقات ان سب کو سنبھالے راہ خدا طے کرتا چلا جائے، مسجد میں نمازی ہو۔ میدان میں غازی، کچہری میں قاضی، اور گھر میں پکا دنیا دار اور غرضکہ مسجد میں آتے تو ملائکہ مقربین کا نمونہ بن جاتے اور بازار میں جائے تو ملائکہ مدبرات امر کے سے کام کرے۔

بعض بے ہودے دعویٰ ولایت کریں مگر نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ کے پاس جائیں اور شیخی ماریں کہ ہم کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں، سبحان اللہ نماز تو کعبہ میں پڑھیں اور روٹی و نذرانے مرید کے گھر لیں، یہ پورے شیاطین ہیں جب تک ہوش و حواس قائم ہیں تب تک احکام شرعیہ معاف نہیں ہوسکتے، انہیں لوگوں کے متعلق ہے۔

کار شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت بر ولی

ولی کی صحیح پہچان:۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مرتبے مختلف ہیں اور یہ حضرات مختلف انبیاء کے مظہر اسی لئے ان کی شانیں جداگانہ ہیں، سب میں ایک علامت تلاش کرنا غلطی ہے، ایک حکومت کے مختلف محکمہ ہیں ہر محکمہ کی وردی، پگڑی، علحدہ، پولیس کی وردی اور فوج کی کچھ اور، ریلوے کی دوسری سب میں ایک ہی تلاش کرتے ہو، قرآن و حدیث میں ان حضرات کی مختلف علامتیں ارشاد ہوئیں سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولی وہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے (تفسیر خازن) بعض اولیاء جس جگہ بیٹھ جاتے ہیں وہاں کے جانور بلکہ در و دیوار بھی ذاکر ہو جاتے ہیں۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ولی وہ ہے جس کا چہرہ زرد، آنکھیں تر اور پیٹ بھوکا ہو (روح البیان)۔

عاشقاں را شش نشاں است اے پسر
آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام
کم خور و کم گفتن و خفتن حرام

(۳) بعض اولیاء فرماتے ہیں کہ ولی کی پہچان یہ ہے کہ دنیا سے بے پرواہ ہو، اور فکر مولیٰ میں مشغول ہو بعض نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جو فرائض ادا کرے، رب کی اطاعت میں مشغول رہے اس کا دل نور جلال الٰہی کی معرفت میں غرق ہو، جب دیکھے دلائل قدرت دیکھے، جب سنے تو اللہ کی باتیں سنے، جب بولے تو اپنے رب کی ثناء کے ساتھ بولے اور جو حرکت کرے اطاعت الٰہی میں کرے اللہ کے ذکر سے نہ تھکے (خزائن العرفان)۔

(۴) متکلمین فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو سچے اعتقاد رکھے، اعمال مطابق شریعت کے کرے حدیث شریف میں ہے کہ ولی وہ جو اللہ کے لئے محبت و عداوت رکھے، قرآن کریم نے ان کی مختلف پہچانیں بتائیں سورۃ فتح کے آخر میں ارشاد ہوا وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ الآیۃ یعنی ہمارے نبی کے ساتھی (اولیاء) وہ ہیں جن میں یہ علامتیں ہوں، کفار پر سخت، مسلمان بھائی پر نرم، رکوع سجدہ میں رہنے والے خدا کے فضل و رضا کے جویاں، اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے داغ۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ولی وہ جو ایمان لائیں اور پرہیز گار ہوں کہیں فرمایا کہ ولی وہ جو نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اگر ان سب میں غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ، عبارتیں مختلف ہیں، مگر مضمون سب کا قریباً یکساں، کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کردی گئی ہے جس کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اس میں یہ ساری صفتیں پائی جاتی ہیں۔

ان علامات سے پتہ چلا کہ ولی کے لئے ایمان و پرہیز گاری سخت ضروری ہیں، لہٰذا کوئی بد

مذہب ہندو، عیسائی، قادیانی، رافضی، دیوبندی، وہابی، کتنی ہی عبادت کریں ولی نہیں بن سکتے، کیوں کہ ان کے پاس ایمان ہی نہیں، غور کرلو کہ سوائے اہل سنت و جماعت کے کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں ہوتے، اجمیر، دہلی، پاکپتن شریف، بغداد شریف سب جگہ اہل سنت کا ہی ظہور ہے۔ دیوبندیوں، رافضیوں وغیرہ کی کہیں کوئی گدی نہیں، چشتی قادری، نقشبندی، سہروردی، سنی ہی ہیں۔ کیا دیوبند، ایران، قادیان، نجد میں بھی کسی کا عرس ہوتا ہے؟ یہاں سے بھی کیا روحانی فیض جاری ہیں؟ ہرگز نہیں! نیز بد عمل، فاسق، فاجر، خواہ ہوا میں اڑے مگر ولی نہیں، جب تک ہوش قائم ہے شریعت کی پیروی واجب گویا شریعت طریقت کی کسوٹی ہے یا طریقت سمندر ہے اور شریعت اس کی کشتی۔

محال است سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز در پئے مصطفےٰ

اولیاء اللہ کے درجات:- اولیاء اللہ کے درجے بے انتہا ہیں جن میں سے بعض کسب سے حاصل ہوتے ہیں جیسے ایمان و پرہیز گاری وغیرہ اور بعض محض رب سے، جیسے عرفان، قرب خاص، مقبولیت اور فنا حدیث میں ارشاد ہوا کہ میرے صحابی کا ایک مد جو خیرات کرنا دوسروں کے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے (مشکوٰۃ باب فضائل صحابہ) بات یہ ہی ہے کہ مقبولیت خاص فضل رب ہے کوئی غوث و قطب صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، ولایت کی تین صورتیں ہیں، فطری، وہبی، کسبی، جو لوگ مادر زاد ولی ہوں وہ ولایت فطری پر ہیں، جیسے حضور غوث پاک اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما، چنانچہ حضور غوث الثقلین نے کبھی رمضان کے دن میں والدہ کا دودھ نہ پیا، آپ کا دودھ پینا یا نہ پینا چاند ہو جانے یا نہ ہونے کی علامت ہوتی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی والدہ کی عصمت اور اپنی نبوت کی گواہی دی۔ معلوم ہوا کہ مادر زاد ولی ہیں۔ کیوں کہ ہر نبی ولی ضرور ہوتے ہیں یہ ولایت فطری ہوئی، ولایت وہبی وہ جو کسی اللہ والے کی نظر کرم سے حاصل ہو، ہم پہلے عرض کر چکے کہ حضور غوث پاک نے چوروں کو قطب بنا دیا یہ ولایت وہبی ہے۔

جو جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے آتے وہ میدان مقابلہ میں آتے وقت کفر و فسق و فجور میں مبتلا تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ فیض سے وہ آن کی آن میں مومن صحابی صابر شہید ہو گئے، کیمیا تانبہ کو سونا بنا دیتی ہے، مگر موسیٰ علیہ السلام کی نظر نے ان خاکساروں کو کیمیا بنا دیا، یہ ولایت وہبی ہوتی، بلکہ ہارون علیہ السلام کی نبوت بھی وہبی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے ملی۔ ولایت کسبی وہ جو اپنی محنت اور عبادات وغیرہ سے حاصل ہو مگر ولایت کسبی سے ولایت وہبی یا فطری اعلیٰ ہے، جیسے چراغ اور گیس سے چاند، سورج افضل کہ ان میں بندے کے فعل کو دخل نہیں اور چراغ وغیرہ میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب ذکر الیمن والشام میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا شام میں ہمیشہ چالیس ابدال رہینگے جن کی برکت سے زمین والوں پر بارشیں ہوں گی۔ اس کی شرح مرقاۃ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ تین سو اولیاء حضرت آدم کے نقش قدم پر رہیں گے اور چالیس موسیٰ علیہ السلام کے اور سات ابراہیم علیہ السلام کے قدم پر ہوں گے اور پانچ وہ رہیں گے جن کا قلب حضرت جبریل کی طرح ہوگا، اور تین حضرت میکائیل کے قلب پر اور ایک حضرت اسرافیل کے قلب پر رہے گا، جب اس ایک کا انتقال ہوگا تو ان تین میں سے کوئی اس جگہ قائم ہوگا، اور ان تین کی کمی ان پانچ میں سے اور پانچ کی کمی سات میں سے اور سات کی کمی چالیس میں سے اور چالیس کی کمی تین سو سے پوری کی جائے گی اور تین سو کی کمی عام مسلمانوں سے پوری کر دی جاتی ہے۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں ابدال چالیس ہیں اور امناء سات، خلفاء تین، قطب عالم ایک، اس ایک قطب عالم کو سوائے ان تین خلفاء کے کوئی نہیں پہچانتا، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قطب سے مرکز عالم قائم ہے، اس کے دو وزیر ہوتے ہیں داہنا اور بایاں، داہنا وزیر عالم ارواح کی اور بایاں عالم اجسام کی حفاظت کرتا ہے، ان کے ماتحت چار اوتاد ہیں جو مشرق و مغرب جنوب و شمال کے محافظ ہیں اور سات ابدال اقالیم سبع (سات ولایتوں کے محافظ) روح سورہ مائدہ پارہ چھ آیت وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيبًا اس جگہ صاحب

روح البیان نے فرمایا کہ قطب کی وفات کے بعد اس کا بایاں وزیر اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور داہنا بایاں بن جاتا ہے، اور نیچے سے کسی کو ترقی دے کر داہنا وزیر بنا دیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں داہنا بایاں سے افضل ہے، یہی صوفیانہ نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ صوفیائے کرام کے نزدیک یہ دونوں منافیہ ہیں بایاں وزیر جلالی اور اہل فنا میں سے ہے اور داہنا وزیر جمالی اور اہل بقا میں سے (روح البیان)۔

یہ تعداد ان اولیاء اللہ کی بیان ہوئی جو اہل خدمت ہیں جنہیں تکوینی ولی کہتے ہیں جن کے ذمہ دنیوی انتظام ہیں، باقی دیگر اولیاء اللہ شمار سے باہر ہیں، سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاں چالیس متقی مسلمان جمع ہوں ان میں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے، اسی لئے جنازہ میں چالیس مسلمانوں کی شرکت کی کوشش کی جاتی ہے، انہیں تشریعی ولی کہتے ہیں، ان میں سے بعض ولی خود اپنی ولایت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ کے فضائل:- اولیاء اللہ کے بیشمار فضائل ہیں، ان میں کچھ عرض کئے جاتے ہیں:- (۱) آسمان کا قیام چاند تاروں سے ہے اور زمین کی بقا اولیاء اللہ سے (۲) ظاہری نور چاند سورج سے ہے اور باطنی نور اولیاء اللہ سے (۳) قرآن کریم نے ان کے بڑے فضائل بیان کئے، کہیں فرمایا کہ کشتگان خنجر حق کو مردہ نہ کہو، کہیں فرمایا کہ انہیں مردہ نہ جانو یہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں برابر رزق ملتا ہے کہیں فرمایا کہ انہیں خوف نہیں کہیں فرمایا کہ انہیں غم نہیں کہیں فرمایا کہ دنیا میں ان کے لئے بشارتیں ہیں (۴) جیسے کشتی بغیر ملاح نہیں چل سکتی ایسے ہی حیات کی کشتی کا بغیر اولیاء اللہ منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہے (۵) جیسے اعضاء بدن کے درمیان رگوں کے ذریعہ رشتہ قائم ہے، اگر یہ بیچ میں نہ ہوں تو ان سب میں بے تعلقی ہو جائے ایسے ہی اولیاء اللہ کے ذریعہ نبی اور امت کے درمیان تعلق قائم ہے، اگر یہ حضرات نہ ہوں تو امت اپنے پیغمبر سے بے تعلق رہ جائے (۶) اولیاء اللہ حضور علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہیں۔ ان کے کمالات سے کمال مصطفیٰ کا پتہ لگتا ہے کہ جب اس شہنشاہ کے غلاموں میں یہ

قدرت و قوت ہے تو اس سلطان کونین میں کیا طاقت ہوگی؟

مصطفٰے تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

(۷) بجلی پاور ہاؤس میں بنتی ہے مگر تار اور کھنبوں کے ذریعہ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پہنچ جاتی ہے، پھر مختلف قمقموں سے مختلف روشنیاں حاصل کی جاتی ہیں، اسی بجلی سے مشینیں چلتی ہیں اور بڑے بڑے کام لیئے جاتے ہیں، ایسی ہی مدینہ منورہ ایمانی پاور ہاؤس ہے جہاں ایمانی بجلی تیار ہوتی ہے اور چاروں سلسلے چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی وغیرہ اس بجلی کے تار، ہر سلسلہ کے مشائخ اس تار کے کھمبے اور اولیاء اللہ رنگ برنگے مختلف قمقمے، چشتیوں، قادریوں، نقشبندیوں اور سہروردیوں میں ایک ہی بجلی کی رو ہے، مگر ان کا اختلاف طریق مختلف قمقموں کی وجہ سے ہے، پھران میں کوئی تیز پاور والا ہے کوئی ہلکا ہے کوئی جمالی، جیسے بجلی کا کھنبا اکھیڑنے والا یا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے ایسے ہی اولیاء اللہ کا مخالف حکومت الٰہیہ کا باغی۔

(۸) جنگل میں پڑے ہوئے ہلکے پتہ کو ہوائیں اڑاتے پھرتی ہیں، لیکن اگر وہ کسی پتھر وغیرہ بھاری چیز کے نیچے آجائے تو ہواؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے، ایسے ہی دنیا گو سنسان جنگل ہے اور انسان کا دل ہلکا پتہ، یہاں کے مصائب و آلام اور بری صحبتیں مختلف ہوائیں ہمارے دلوں کا کوئی اعتبار نہیں کہ انہیں کون سی ہوا اپنی جگہ سے ہٹادے اور کون سی موج بہا لے جاوے ضروری ہے کہ اس کو کسی ولی کے قبضہ میں رکھا جاوے گویا اولیاء اللہ انسانی قلوب کے لیئے سنگ استقامت ہیں، اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

(۹) جیسے زمین کا اقرار پہاڑوں سے ہے کہ اگر اس پر پہاڑوں کی میخیں نہ ہوتیں تو تھراتی ایسے ہی عالم کا قرار اولیاء اللہ سے ہے، یہ حضرات عالم کی میخیں ہیں، اس لیئے ان اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو اوتاد یعنی عالم کی میخیں کہا جاتا ہے (۱۰) عالم کی تمام چیزیں مرتے ہی

ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر اولیاء اللہ کا تعلق یہاں اور قبر و حشر میں کام آتا ہے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ قیامت میں لوگوں کو ان مشائخ سلسلہ کی نسبت سے پکارا جاوے گا رب فرماتا ہے یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ہم اس دن ہر شخص اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے مثلاً کہا جاویگا کہ اے قادریو، اے چشتیو، اے نقشبندیو، اے سہروردیو! چلو یا اے حنفیو! اے شافعیو وغیرہ چلو! دنیا میں جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے، اسے کہا جاویگا اے شیطانیو! آؤ۔ (روح البیان و شرح قصیدہ خرپوتی) ایسے ہی قیامت میں مختلف جھنڈے مختلف اماموں کے ہاتھ میں ہوں گے اور ہر گروہ اپنے امام کے جھنڈے میں ہوگا، صبر کا جھنڈا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا صابرین اس کے نیچے، سخاوت کا جھنڈا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں وہاں شاکرین کا مجمع ان کے ساتھ شجاعت کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ وہاں بہادروں غازیوں کا مجمع ان کے ساتھ ساتھ وغیرہ وغیرہ غرضکہ قیامت کا دن بہت لطف کا دن ہوگا، اللہ ایمان پر خاتمہ نصیب کرے آمین۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہیں اور اسلام کی حقانیت کی دلیل اسلام کے ۷۲ فرقے ہیں سوائے اہل سنت کے کسی فرقہ میں ولی نہیں، کوئی قادیانی، دیوبندی، وہابی، شیعہ، ولی نہیں کیونکہ وہ سب فرقے باطل ہیں دیکھو دین موسوی جب تک منسوخ نہ ہوا تھا ان میں بہت سے اولیاء رہے، اصحاب کہف، آصف ابن برخیا، حضرت مریم اسی دین کے اولیاء ہیں مگر جب سے یہ دین منسوخ ہوا تب سے کوئی یہودی اسرائیلی ولی نہیں ہوا۔ کسی فرقہ میں علماء کا ہونا اس کے حقانیت کی دلیل نہیں، مگر اولیاء اللہ کا ہونا دلیل حقانیت ہے کیونکہ عالم سن کر کہتا ہے ولی دیکھ کر۔

اس آیت کی تفسیر:- یہ سب کچھ بطور مقدمہ عرض کیا گیا۔ اب آیت کی تفسیر پڑھو اور اپنے ایمان تازہ کرو اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ جس مضمون کے انکار کا احتمال ہو وہاں عربی میں اَلَا

یا اِنَّ یَاۤاَیُّهَا وغیرہ حروف تنبیہ لاتے جاتے ہیں، چونکہ سب کو علم تھا کہ اولیاء اللہ کے فضائل و کمالات ان کے مراتب و درجات، ان کی قدرت و اختیارات، ان کے مناقب کے بہت سے منکر پیدا ہونے والے ہیں۔ لہٰذا اس مضمون کو دو حروف تاکید سے شروع فرمایا، اَلَا، اِنَّ خبردار، بے شک، تحقیق، اولیاء ولی کی جمع ہے، ولی کے چند معنی ہیں قریب، دوست، ناصر و مددگار، والی جس جگہ ولی بمعنی قریب ہے یا بمعنی ناصر یا بمعنی دوست یعنے اللہ سے قریب رکھنے والے رب کے دوست یا اللہ کے دین کے مددگار، اللہ کے دوست اولیاء اللہ کہلاتے ہیں، جنہیں رب نے منتخب فرمایا اور شیطان کے دوست جنہیں شیاطین یا ہمارے نفوس نے منتخب کیا وہ اولیاء الشیاطین یا اولیاء من دون اللہ یا حزب الشیاطین کہلاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اولیاء من دون اللہ کی سخت مذمت فرمائی اور ان کے ماننے والوں کو کافر بتایا اور اولیاء اللہ کے مناقب بیان کئے۔ یہ آیت اولیاء اللہ کے مناقب و محامد کی ہے۔ اسی لئے فرمایا اولیاء اللہ تاکہ اولیاء شیاطین نکل جاویں لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ آئندہ نقصان کے خطرے کو خوف اور گذشتہ نقصان کے رنج کو غم کہا جاتا ہے، یعنی اولیاء اللہ کو نہ آئندہ کا خوف ہے اور نہ گذشتہ کا غم، وہ حضرات ان دونوں مصیبتوں سے دور ہیں، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ بے خوف کیسے ہو سکتے ہیں خوف تو ایمان میں داخل ہے، ایمان خوف و امید پر موقوف ہے رب کا خوف قیامت کا ڈر خرابی خاتمہ کا اندیشہ سب کو ہے۔

حکایت:۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تیلن پوچھا کرتی تھی کہ آپ کی ڈاڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم، تو آپ فرماتے کہ مائی اگر میرا خاتمہ بالخیر ہو گیا، تو میری داڑھی تیری بیل کی دم سے بدرجہا اچھی، اور اگر بوقت موت ایمان سے پھسل گیا تو تیرے بیل کی دم میری داڑھی سے کہیں بڑھ کر اچھی کہ پھر جہنم میرے لئے ہے نہ کہ تیرے بیل کے لئے۔ دیکھو حضرت بایزید بسطامی سلطان العارفین ہیں مگر انہیں بھی اتنا ڈر ہے، پھر یہ آیت کے کیا معنے؟

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ خوف دو طرح کا ہے مضر اور مفید

یہاں نقصان دہ خوف کی نفی ہے نہ کہ فائدہ مند خوف کی، اسی لئے عَلَیھِم ارشاد ہوا نہ کہ لَھُم
عَلٰی نقصان کے لئے آتا ہے، نیز اکثر خوف الٰہی کو خشیت کہا جاتا ہے لَرَءَیتَہٗ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا
مِّن خَشیَۃِ اللہِ یا جیسے اِنَّمَا یَخشَی اللہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓءُ مضر خوف وہ جو رب سے غافل کردے،
اگر کوئی سردی کے خوف یا بنیادی نقصان کے ڈر سے نماز ادا نہ کرے یا مسجد میں نہ جاوے یا
روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ سے دور رہے۔ ملازمت کے خوف سے داڑھی نہ رکھاتے یہ نقصان دہ خوف
ہے، اسی کی یہاں نفی ہے۔ یعنی اولیاء اللہ پر ان چیزوں کا خوف طاری نہیں ہوتا، وہ کس سے
ڈریں تمام چیزیں تو ان سے ڈرتی ہیں، حضرات اولیاء شیر پر سواری کریں ان کے نام سے جن
و شیاطین بھاگیں، حضرت سفینہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے شیر نے انہیں
راستہ بتایا اور ان کے آگے فرماں بردار کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا چلا، جب عالم کی سب چیزیں
ان سے کانپیں تو ان پر کس کا خوف ہو، وہ حضرات کلمہ حق فرمانے میں کسی سے نہیں ڈرتے،
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے اکبر کے خود ساختہ دین الٰہی کو پاش پاش فرمادیا، انہوں نے
بادشاہ وقت سے خوف نہ کیا، بلکہ آخر کار سب ان کے مطیع ہوتے اور نہ وہ دنیا میں ایسے کام
کریں جس سے آخر کار انہیں غم وحسرت ہو کیوں کہ ان کے اوقات یاد الٰہی میں گھرے رہتے
ہیں۔ انہیں لہو و لعب یا ناجائز باتوں کے لئے وقت ہی نہیں ملتا پھر انہیں، غم والم کیسا؟
دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ قیامت کے متعلق ہے یعنی اس دن سب کو آئندہ حساب کتاب
کا کھٹکا، پل صراط، جہنم، غضب الٰہی کا خوف ہوگا اور اپنی گذشتہ برباد شدہ زندگی کا غم و ندامت
مگر اولیاء اللہ ان دونوں سے آزاد، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہاں اولیاء اللہ فرمایا گیا نہ کہ
انبیاء اللہ کیوں کہ اس دن سوائے اولیاء اللہ سب ہی کو خوف ہوگا، عام مسلمانوں کو بھی اور
انبیائے کرام کو بھی۔ سب کو اپنی اپنی جان کا اور انبیاء کرام کو جہان کا، ان کی امت سے جو جہنم
میں پہنچے ان کا غم اور باقی امتیوں پر خوف اسی لئے اس دن وہ حضرات صراط پر رَبِّ سَلِّم سَلِّم
فرمائیں گے مگر اولیاء اللہ کو نہ اپنا خوف و غم نہ دوسروں کا کہ یہ حضرات شفاعت کے ذمہ دار
نہیں (تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن میری امت

کے اولیاء پر انبیاء کرام رشک کریں گے اس کا بھی یہ ہی مطلب ہے جیسے بادشاہ اپنی ذمہ دارانہ زندگی میں کسی آزاد غریب کی زندگی پر رشک کرے کہ اس کی کیسی آزاد زندگانی ہے۔ ایسے ہی انبیاء کا رشک ہوگا، نیز ان حضرات کو اپنے حساب کا بھی خوف نہیں کیوں کہ قیامت میں ہم لوگ تو حساب دینے جائیں گے اور یہ رب سے اپنا حساب لینے جب امین مالک کی امانت سے زیادہ مالک کے کام میں خرچ کر چکا ہو تو وہ اس سے حساب لیتا ہے اور اگر برابر یا کم خرچ کیا ہو تو وہ مالک کو حساب دیتا ہے جن پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ پانچ نمازیں وغیرہ فرض تھیں اور انہوں نے اسی قدر یا اس سے کم ادا کیں وہ تو رب تعالیٰ کو حساب دیں گے، مگر جن صدیق و فاروق اور ان کے متبعین نے اپنا سب کچھ راہ مولیٰ ہی میں لٹا دیا اور زندگی کا ہر شعبہ اس کی اطاعت میں وقف کردیا وہ اپنا حساب لیں گے، ان کے لئے حساب کا دن بڑی خوشی کا دن ہوگا، اس لئے ارشاد ہوا لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ وہ حضرات دامن مصطفیٰ میں ایسے آرام سے سوئیں گے کہ فتنہ ہائے قیامت کی بالکل خبر نہ ہوگی۔

ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

مگر حضور کو تمام عالم کے حساب کی فکر، ایک دفعہ حضرت صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ حضور قیامت میں آپ کو کہاں تلاش کیا جاوے، فرمایا میزان پر یا صراط پر یا کوثر پر کبھی سجدے میں رو رو کر شفاعت فرما رہے ہیں کبھی صراط پر گرتوں کو سنبھال رہے ہیں، کبھی گنہگاروں کے ہلکے پلے بھاری فرما رہے ہیں کوئی دامن پکڑ کر مچل گیا ہے کوئی بیکس پکار رہا ہے کہ حضور ادھر آیئے ورنہ میں چلا کوئی ان کا منہ تک رہا ہے کسی کو فرشتے جہنم میں لے چلے ہیں وہ ان کا راستہ پھر پھر کے دیکھ رہا ہے غرضکہ ایک جان ہے اور فکر جہان اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ مولانا حسن رضا خاں صاحب نے قیامت کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر
کوئی صراط پہ ان کو پکارتا ہوگا
کسی کے پلہ پہ ہوئیں گے وقت وزن عمل
کوئی امید سے منہ ان کا تک رہا ہوگا
کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ
نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہوگا
کسی کو لے کے چلیں گے فرشتے سوئے جہنم
تو کوئی راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہوگا
عزیز بچہ کو ماں جس طرح تلاش کرے
خدا گواہ ہے یہ ہی حال آپ کا ہوگا

یہ تو قیامت کا حال ہے۔ دنیا میں کرم کا یہ حال کہ سب گنہگار رات بھر سوتے ہیں اور وہ گنہگاروں کے لئے رات بھر روتے ہیں۔ ایک ایک رکعت میں یہ پڑھتے پڑھتے سویرا کر دیتے ہیں اِن تُعَذِّبہم فَاِنَّھُم عِبَادُکَ وَ اِن تَغفِر لَھُم فَاِنَّکَ اَنتَ العَزِیزُ الحَکِیم اے مولیٰ اگر میرے گنہگاران امت کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو تو عزیز و حکیم ہے قیامت میں ہمارے ماں باپ قرابت دار اپنی اپنی فکر میں، مگر ہمارے والی امت کے رکھوالی جن پر سارے جہان کے ماں باپ فدا، وہ امت کی فکر میں، اولیاء اللہ گنہگاروں کو اس کی بارگاہ تک پہنچا کر بے فکر ہو گئے اس لئے ارشاد ہوا اَلَآ اِنَّ اَولِیَآءَ اللہِ لَا خَوفٌ عَلَیہِم وَلَا ھُم یَحزَنُون۔

اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَ کَانُوا یَتَّقُونَ اس جملہ میں ولی کی دو پہچانیں بیان ہوئیں یعنی وہ سچے مومن بھی ہوتے ہیں اور پرہیز گار بھی ایمان اور تقویٰ کے تین درجہ ہیں اسی لئے ولایت کے تین درجہ ولایت عوام، ولایت خواص، ولایت اخص الخاص ایمان کی حقیقت ہے، حضور علیہ السلام کو کما حقہ یقین سے ماننا، اس میں ساری باتیں آگئیں، جس نے حضور کو صحیح طور پر سے

مان لیا اس نے رب کو قرآن کو، قیامت و جنت و دوزخ سب کو ہی مان لیا یقین کے تین درجہ ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، سن کر یقین، علم الیقین ہے، دیکھ کر عین الیقین اور اس میں فنا ہو کر حق الیقین کسی نے سن کر یقین کیا کہ آگ گرم ہے کبھی اسے دیکھا نہیں اس کا یقین علم الیقین، دوسرا آگ کے پاس بیٹھا ہوا اور اس کی گرمی محسوس کرتے ہوئے اس کا یقین کر رہا ہے اس یقین عین الیقین ہے، تیسرے نے اپنے کو آگ میں ڈال کر فنا فی النار ہو کر گرمی کا یقین کیا، اس کا یقین حق الیقین ہوا پہلا یقین تو ہر مسلمان کو ہے کہ اس پر ایمان کا دارومدار ہے اور یہ ایمان کا پہلا درجہ ہے، دوسرا یقین خاص حضرات کو یہ ہی یقین حاصل کرنے کے لئے حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِی کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی تیسری قسم کا یقین فنا فی اللہ یا فنا فی الرسول کو حاصل ہوتا ہے جب ولی اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کھلاتا ہے تو کھاتے ہیں وہ پلاتا ہے تو پیتے ہیں وہ بلواتا ہے تو بولتے ہیں، ورنہ خاموش رہتے ہیں، مشکوٰۃ باب الذکر میں ایک حدیث قدسی ارشاد ہوئی کہ رب فرماتا ہے کہ میں اپنے ولی کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ چھوتا ہے، میں اس کی آنکھ، زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا اور دیکھتا ہے اسی حال پر پہنچ کر بعض حضرات اَنَا الۡحَقُّ کہہ گئے اور بعض سُبۡحَانِیۡ مَا اَعۡظَمَ شَانِیۡ فرما گئے اس وجہ سے جب جنگ بدر میں حضور علیہ السلام نے کنکروں کی مٹھی کفار پر پھینکی تو رب نے ارشاد فرمایا وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی تقوی کے معنی ہیں ڈرنا یا بچنا، اس کے بھی تین درجے ہیں۔ تقویٰ عوام، تقویٰ خواص اور تقویٰ اخص الخواص، ناجائز چیزوں سے بچنا عوام کا تقویٰ ہے اور شبہات سے بچنا خواص کا تقویٰ مگر ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو جانا اخص بالخواص کا تقویٰ، جو چیز رب سے غافل کرے اس سے دور بھاگنا اس کو رفع کرنا مردوں کا کام ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم سلطنت بخاری چھوڑ کر مکہ معظمہ پہنچے، اپنے والد ادہم سے ملاقات کی محبت پدری نے جوش مارا لخت جگر کو سینے سے لگایا ندا آئی کہ اے ادہم جس دل میں ہماری محبت ہو کیا اس میں کسی اور کی بھی گنجائش ہے؟ عرض کیا مولیٰ میرے فرزند

کو موت دیدے اب خیال نہیں کہ یہ لخت دل ہے مقصود ہے، اب تو یہ لحاظ ہے کہ اس وقت یہ میرے اور محبوب کے درمیان ایک آڑ ہے اسے پھاڑ کر ہٹا دو، فوائد الفواد ص ۶۰۔

حکایت:- سلطان اولیاء حضرت محبوب الٰہی نظام اولیاء بدایونی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص دریا کے کنارے رہتا تھا۔ اس نے اپنی عورت کو کہا جمنا پار ایک درویش بیٹھا ہے اسے کھانا کھلا آ۔ عورت نے عرض کیا کہ مجھے کچھ عذر نہیں مگر رات اندھیری ہے، جمنا بیچ میں ہے کوئی کشتی بھی نہ ملے گی، اسے کیونکر پار کروں؟ فرمایا کہ دریا سے کہہ دینا کہ میں اس کی بھیجی ہوئی آئی ہوں جو تیس سال سے اپنی بیوی کے پاس نہ گیا عورت کو سخت تعجب ہوا، کیوں کہ حضرت صاحب اولاد تھے، مگر باادب تھی کچھ نہ بولی بلکہ چل پڑی، دریا سے یہ ہی کہا دریا میں قدرتی طور پر خشک راستہ نمودار ہوگیا۔ پار جاکر بزرگ کو کھانا کھلایا، جب واپس ہوئی تو بزرگ نے کہا دریا سے کہہ دینا کہ میں اس کی خدمت سے آرہی ہوں جس نے کبھی کچھ نہ کھایا، اب تو اس عورت کا تعجب اور بھی بڑھ گیا کہ ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے اور یہ فرمارہے ہیں مگر خاموش رہی، دریا سے یہی کہا پھر راستہ نمودار ہوگیا، ایک دن عورت نے اپنی خاوند سے عرض کیا کہ اس دن آپ کے اور اس بزرگ کے کلام میں کیا راز تھا؟ فرمایا ہم لوگ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے جو کچھ کرتے ہیں رب کے لئے اس لئے ہمارے فعل ہماری نسبت سے کالعدم ہیں اس تقویٰ کی یہ حقیقت ہے، اس لحاظ سے ارشاد ہوا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ جیسا ایمان و تقویٰ ویسی ولایت لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ بشریٰ میں چند احتمال ہیں یا تو بمعنی اسم مفعول ہے (مبشر بہ) خوشی کی چیزیں یعنی دارین میں حقیقی خوشی اولیاء اللہ کو ہی حاصل ہے کہ ان کا دل دنیاوی تفکرات کا اثر نہیں لیتا ان کے لئے یہاں کے تفکرات مثل دریا کے پانی کے ہیں اور ان کے قلوب تیرنے والی کشتی کہ اگر دریا پر کشتی رہے تو محفوظ اور اگر کشتی پر دریا غالب آجاوے تو

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است

عشق خدا و رسول نے ان کے دل میں غم و فکر کی جگہ ہی نہ چھوڑی، جس گھر میں مالک نہ ہو

وہاں بلائیں رہتی ہیں، مگر جو گھر مالک سے آباد اور روشن ہو، اس میں دوسرا کیوں رہے ان کی نظروں کے سامنے وہ جھلک ہے جس سے ان کی نگاہ دوسری طرف اٹھتی ہی نہیں۔

حکایت:۔ تفسیر روح البیان میں فرمایا کہ ایک شخص نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آپ کی ایک حدیث سنی ہے کہ مومن کی ایسی بے تکلف جان نکال لی جاتی ہے جیسے خمیری آٹے سے بال، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ فرمایا ہاں عرض کیا کہ قرآن کریم نے تو جان کنی کی سخت شدت اور دشواری بیان فرمائی ہے کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ وَ قِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ تو اس حدیث و آیت میں مطابقت کیوں کر ہو، فرمایا کہ سورہ یوسف پڑھو، وہاں اس کا جواب مل جاوے گا، اس نے بیدار ہو کر بار بار سورہ یوسف پڑھی، مگر جواب سمجھ میں نہ آیا، مجبور کر کر عالم وقت کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ سورہ یوسف کی اس آیت میں تیرے سوال کا جواب ہے فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَکْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ یعنی مصر کے عورتوں کی زلیخا نے دعوت کی، کھانے کے بعد ان کے ہاتھوں میں لیموں اور چھری دے دی، اور پھر رخ یوسف سے نقاب اٹھا کر حسن خدا داد کی جھلک دکھا کر کہا اب لیموں کاٹو، انہوں نے بے خودی میں بجائے لیموں کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بولیں کہ سبحان اللہ یہ حسین انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔

دیکھو ان عورتوں کے ہاتھو پر چاقو چلا، ہاتھ کٹا، خون بہا، درد بھی ہوا، مگر جمال یوسفی میں ایسی محو ہو گئیں کہ نہ تو ہائے وائے کی، نہ درد کی شکایت نہ تکلیف کا احساس، بلکہ حال یہ تھا کہ ہاتھ کٹ رہا ہے اور حسن یوسف کی مدح خوانی کر رہی ہیں۔ ایسے ہی مرد صالح کو بوقت نزع جمال مصطفای کی زیارت ہوتی ہے، تب نقشہ یہ ہوتا ہے کہ جان نکل رہی ہے اور سامنے جمال مصطفیٰ ہے مرنے والا دیکھ دیکھ کر کہہ رہا ہے کہ تمہارے جمال پر قربان، تمہارے کمال کے صدقہ، تمہارے خدو خال پر فدا تمہارے بنانے والے رب ذوالجلال پر قربان، ترے رخسار پر قربان، تیری رفتار پہ فدا، غرضکہ مرنے والا ان پر قربان ہوتا رہا اور جان نکل گئی۔ اسے محسوس

بھی نہ ہوا، تو قرآن کریم نے اس واقعی تکلیف کا ذکر فرمایا اور حدیث پاک نے احساس کی نفی کی دونوں میں مخالفت نہیں یہ تو زندگی اور موت کا حال تھا رہی قبر تو وہ دیدار مصطفیٰ کی جگہ ہے، وہ بھی ان کو پیاری، رہی قیامت وہ حضرات اس دن سایہ دامان مصطفیٰ میں امن وامام سے ہی ہوں گے اگلی خبریں ان کے لئے دنیاوی بشارت تھیں اور یہ اخروی بشارت یا دنیاوی بشارت سے اچھی خوابیں یا کشف والہام مراد ہے، حدیث پاک میں ارشاد ہوا، اچھی خوابیں نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں کہ زمانہ نبوت ۲۳ سال اور اس سے پہلے بھی خوابیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھ ماہ آئیں، اور بشارت آخرت فرشتوں کا بشارت دینا ان کا سلام پیش کرنا ہے، یا دنیاوی بشارت سے دنیا میں نیک نامی مراد ہے اور اخروی بشارت سے وہاں کی خوشخبریاں، دیکھ لو اولیاء اللہ بعد وفات بھی دلوں پر حکومت کرتے ہیں، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیاوی بشارت تو ملائکہ کا بوقت موت خوشخبری سنانا ہے، اور اخروی بشارت وہ ہے جو بعد موت ان کو سنائی جاتی ہے۔

مسئلہ:- اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے مسلمان جانیں، وہ ان اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے کیونکہ یہاں دنیاوی بشارت کو علامت یا ولایت فرمایا گیا ہے اور مسلمانوں کا کسی کو ولی کہنا یہ دنیاوی بشارت ہی تو ہے۔

لطیفہ:- ایک بار مکہ مکرمہ میں ہم سے حرم شریف کے امام نے کہا کہ جسے تم ولی کہتے ہو اس کے خاتمہ بالخیر کا بھی یقین نہیں، پھر تم قبر کی تعظیم و توقیر کیوں کرتے ہو، کیا خبر کہ صاحب قبر مرتے وقت ایمان پر بھی قائم نہ رہے ہوں ان کے ولی ہونے کا کیا ثبوت ہے، ہم نے کہا کہ مسلمانوں کا ان کو ولی جاننا ان کے ولی ہونے کی علامت ہے حضور سید عالم نے فرمایا اَنتُم شُهَدَآءُ اللهِ فِی الاَرضِ تم لوگ زمین میں رب تعالیٰ کے گواہ ہو۔ ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ خلق کی زبان خالق کا قلم ہے، وہ بولا کہ یہ صرف صحابہ کرام کے لئے تھا کہ جس کی وہ گواہی دیں، وہ واقعی جنتی ہو، کیونکہ حدیث میں انتم خطاب ان سے ہے ہم نے کہا کہ اگر یہ مطلب ہے تو ہم پر نہ نماز فرض ہے نہ روزہ، نہ حج نہ زکوٰۃ کیوں کہ ان تمام

احکام میں خطاب ہی کے صیغہ ہیں اور نزول قرآن کے وقت صرف صحابہ کرام تھے ہم نہ تھے، وہ بیچارے خاموش ہو گئے، غرضکہ دنیا میں مسلمانوں کا کسی کو ولی کہنا یہ دنیاوی بشارت ہے اور آخرت میں نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہونا، چہرہ روشن ہونا، وغیرہ اخروی بشارت ہے۔

شہید کا بیان اور شہادت کے فضائل:۔ ولی کی ایک قسم شہید بھی ہے، شہید کے فضائل گویا فضائل اولیاء ہیں اور اولیاء اللہ کی مدح سرائی حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی ہے اسی لئے ہم اس کی تحقیق کچھ عرض کرتے ہیں۔

شہید کے معنی:۔ لغت میں شہید کے معنی گواہ یا حاضر یا موجود ہیں، مگر شریعت میں اکثر شہید اسے کہا جاتا ہے جو ظلماً قتل ہو، اس مظلوم کو شہید کہنے کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت کے دن ساری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے انبیاء کرام کے حق میں گواہی دیگی، جبکہ ان کی امتیں عرض کریں گی کہ مولیٰ ہم تک تیرے احکام نہ پہنچے ہم ایمان کیسے لاتے انبیاء کرام عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم نے تبلیغ کردی تھی، ان بدبختوں نے نہ مانا اس کی گواہی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیگی، گواہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مدعی کا تجویز کردہ، دوسرا سرکاری گواہ، تو گویا عام مسلمان انبیائے کرام کے اپنے گواہ ہوں گے اور شہدائے عظام سرکاری گواہ، اسی لئے انہیں شہید یعنی سرکاری گواہ کہا جاتا ہے، نیز توحید کی گواہی سارے مسلمان دیتے ہیں کوئی قول، کوئی فعل سے کلمہ پڑھنا بھی توحید کی گواہی ہے اور روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، فعلی گواہی، لیکن شہید اپنے خون سے توحید کی گواہی دیتا ہے لہٰذا اس کی گواہی تمام گواہیوں سے اعلیٰ ہے، اس لئے یہ کامل گواہ ہوا، اسی وجہ سے اسے مع خون کے دفن کرتے ہیں کہ گواہی گواہ کے ساتھ جاوے۔

دوسرے یہ کہ کوئی شخص قیامت سے پہلے جزا کے لئے جنت میں نہیں جاسکتا، حضرت آدم کا وہاں رہنا یا حضور علیہ السلام کا معراج میں وہاں تشریف لیجانا جزائے اعمال کے لئے نہ تھا، نیک مردوں کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی ہوا آتی ہے اور مردہ اسے دیکھتا ہے، مگر وہاں داخل نہیں ہوسکتا صرف شہداء وہ ہیں جن کی روحیں سبز پرندوں کے

جسم میں وہاں جاتی اور وہاں کے رزق کھاتی ہیں (حدیث و قرآن) اس لئے انہیں شہید کہا جاتا ہے یعنی قیامت سے پہلے جنت میں موجود ہو جانے والا، تیسرے یہ کہ شہید کو بارگاہ الٰہی میں حاضر کر کے دریافت کیا جاتا ہے کہ، کچھ تمنا ہے تو کہو، وہ عرض کرتا ہے کہ پھر شہادت کے لئے دنیا میں واپس کیا جاؤں تاکہ اسی گرم ریت اور زخم و قتل کی لذت پھر پاؤں، ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں امتحان کے بعد امتحان نہیں لیا جاتا، اس لئے اسے شہید کہتے ہیں یعنی بارگاہ الٰہی میں حاضر۔

شہادت کی قسمیں:- شہادت دو قسم کی ہے، حقیقی اور حکمی، شہادت حقیقی تو وہ بیان کردی گئی یعنی ظلماً مارا جانا اور قاتل پر دیت واجب نہ ہو۔ شہادت حکمی یہ ہے کہ ظلماً قتل نہ ہو مگر رب تعالیٰ بروز قیامت اسے زمرہ شہدا میں اٹھائے، روایات میں آیا ہے کہ جو عورت زچہ خانہ میں مرجائے شہید ہے، دب کر جل کر ڈوب کر مرجانے والا شہید، طاعون میں، صابر، طالب علم وغیرہ شہید ہیں، یہ سب شہید حکمی ہیں، ان کی بہت سی قسمیں ہیں، اگر یہ تمام اقسام دیکھنا ہوں، تو ہماری تفسیر نعیمی دوسرا پارہ ملاحظہ کرو، شہادت حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں، شہادت فقہی اور غیر فقہی، شہادت فقہی یہ ہے مسلمان عاقل بالغ ظلماً اس طرح قتل ہو کہ زخمی ہو کر کوئی دنیاوی نفع حاصل نہ کر سکے نہ تو علاج کرا سکے نہ کچھ کھا پی سکے، نہ سایہ لے سکے، اور نہ تا وقت نماز ہوش و حواس کے ساتھ زندہ رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس کو غسل دیا جاوے، نہ کفن، انہی خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جاوے۔ دوسری قسم کی شہادت بھی شہادت ہی ہے مگر اس پر یہ فقہی احکام جاری نہ ہوں گے۔ شہدائے کربلا سب ہی شہید ہیں مگر حضرت علی اصغر و علی اکبر و حضرت امام حسین کی شہادتوں میں فرق ہے۔

شہید کے فضائل:- شہید کے فضائل بیشمار ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں (۱) اور لوگ تو دینی خدمت میں اپنا وقت یا مال یا دیگر چیزیں خرچ کرتے ہیں، مگر شہید اپنی جان سے دین کی خدمت کرتا ہے اور چونکہ جان زیادہ پیاری ہے اس لئے بڑی قربانی اسی کی ہے، اور اس لحاظ سے دین کا بڑا خادم شہید ہی ہے (۲) آج بھی حکومتیں فوجی سپاہیوں کی بہت خاطر تواضع

اور ناز برداری کرتی ہیں، وہ جانتی ہیں کہ اس نے حکومت کے لئے اپنی جان پیش کی ہے، ایسے ہی حکومت ربانیہ میں شہید کا بڑا درجہ ہے، کہ اس نے جان کی بازی لگادی اور جان سے دین کی خدمت کی (۳) شہید کو نبی سے اور شہادت کو نبوت سے بہت قرب اور مناسبت ہے۔

مسئلہ:۔ یہ ہے کہ نیند وضو توڑتی ہے اور موت غسل، سو کر بغیر وضو کئے نماز جائز نہیں، اور میت کو بغیر غسل دفن نہیں کر سکتے، مگر پیغمبر کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی پیغمبر سونے کے بعد بغیر وضو کئے نماز پڑھ سکتے ہیں اور شہید کو بغیر غسل و کفن اسی طرح خون آلود دفن کیا جاویگا (۲) پیغمبر کے فضلات و پیشاب، پاخانہ وغیرہ امت کیلئے پاک ہیں (شامی) اور شہید کا خون آلودہ کپڑا کنوئیں میں گر جاوے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا، حیات النبی کی حدیث نے گواہی دی فنبی اللہ حی یرزق (مشکوٰۃ باب الجمعہ) اور حیات شہدا۔ کا قرآن گواہ ہے بَلْ اَحیاءٌ وَّلٰکِن لَّا تَشْعُرُونَ

لطیفہ:۔ کسی مشاعرہ کا مصرع طرح یہ تھا:۔

کافر ہیں جو حسین کا ماتم نہیں کرتے

کسی شاعر نے اس پر یہ شعر لکھا۔

کافر ہے جو منکر ہو حیات شہدا۔ کا
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(۴) بعد موت کوئی مغفور بندہ دنیا میں واپس آنے اور یہاں کے مصائب و آلام پھر دیکھنے کی آرزو نہیں کرتا سوائے شہید کے، کہ وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ مولیٰ پھر وہی میدان جہاد ہو، وہ ہی وہاں کی تپتی ریت ہو، وہ ہی زخم و قتل ہو (مشکوٰۃ باب فضائل جہاد) (۵) حدیث شریف میں ہے کہ شہادت قرض کے سوا سارے گناہ مٹا ڈالتی ہے (۶) حدیث شریف میں ہے کہ تین شخص جنت میں پہلے جائیں گے، شہید اور بھیک سے بچنے والا عیالدار اور فرمانبردار غلام (ترمذی و مشکوٰۃ فضائل جہاد) (۷) حضور فرماتے ہیں کہ شہید کی چھ خصوصیتیں ہیں، اس کی پہلی بار میں مغفرت کر دی جاتی ہے، اسے اس کا جنتی مقام دکھایا جاتا ہے، اسے

عذاب قبر نہیں ہوتا، قیامت کے دن گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائیگا، جس کا ایک یاقوت ساری دنیا سے بہتر ہو گا، ۲، حوریں اس کے نکاح میں دیجائیں گی اور وہ اپنے ستر اہل قرابت کی شفاعت کریگا (ترمذی ابن ماجہ و مشکوٰۃ کتاب الجہاد) (۸) حضور فرماتے ہیں دو قطرے اور دو قدموں کے نشان خدا کو بڑے پیارے ہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو خوف الٰہی میں بہے، دوسرے اس قدم کا نشان جو خدا کا فریضہ ادا کرنے کے لئے چلے (۹) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تلوار شہید کی خطائیں مٹا دیتی ہے اور قیامت میں اسی اختیار دیا جائیگا کہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں جائے (دارمی و مشکوٰۃ) (۱۰) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شہید کو موت کی اتنی تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے کی۔

سید الشہدا کون ہے؟ حضور علیہ السلام کے باغ میں ہر پھول کا رنگ و بو جدا ہے، خلفائے راشدین امام حسین علیہ السلام، امیر حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مختلف معانی سے سید الشہدا ہیں، صدیق اکبر اس لحاظ سے کہ ان کی وفات حضور کی وفات کا نمونہ ہے، حضور کی وفات خیبر والے زہر سے، صدیق اکبر کی وفات مار غار کے زہر سے، کہ اس وقت اس سانپ کا زہر لوٹ آیا تھا، اور اس سے آپ کی وفات ہوئی حضور کی وفات دو شنبہ کے دن میں، حضرت صدیق اکبر کی وفات دو شنبہ گذار کر رات میں، حضور کی وفات کے وقت گھر میں روشنی کے لئے تیل نہیں، اور صدیق اکبر کے گھر میں کفن کے لئے کپڑا نہیں، غرضکہ ثانی اثنین کا ہر طرح ظہور ہے۔ حضرت عمر فاروق اس لحاظ سے سید الشہدا ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین مسجد نبوی شریف حضور کا مصلے اور نماز فجر میں مشغولیت اور عین اسی حالت شہادت، پھر روضہ پاک میں دفن، اتنے صفات کسی میں جمع نہیں ہوتے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ اس لئے سید الشہدا ہیں کہ مدینہ کی زمین، قرآن کی تلاوت اور خون کا پہلا قطرہ قرآن کی اس آیت میں گرنا فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ آلایہ پھر صابر ایسے کہ بوقت قتل قاتل کا مقابلہ تو کیا اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔ بلکہ سب کو مقابلہ سے منع فرمایا، تاکہ میری وجہ سے مدینہ کی زمین خون سے رنگین نہ ہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس لئے سید الشہدا ہیں کہ از آدم تا ایں آدم کسی نے ان کی سی مصیبتیں نہ اٹھائیں کربلا کے میدان میں وہ غازی بھی تھے، پردیسی مسافر بھی اور مہاجر بھی، تین دن کے متواتر روزہ دار بھی، بچوں اور گھربار کو راہ الٰہی میں لٹانے والے بھی اور انوکھے نمازی بھی کہ عین نماز میں شہید ہوتے چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حسن و حسین علیہم السلام جوانان جنت کے سردار ہیں اور چاہیئے یہ کہ سردار سارے ماتحتوں سے زیادہ باکمال ہوں، اس سے پہلے بظاہر حضرت حسین مہاجر نہ تھے، نہ مجاہد، نہ غازی، اگر اسی حالت میں ان کے سر پر سرداری کا عمامہ باندھ دیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی جنتی سمجھتا کہ ہمارے سردار میں فلاں کمال نہیں، مرضی الٰہی تھی کہ ایک کربلا میں سارے منازل طے کرا دیئے جائیں، آپ کا ہر وصف نرالا ہے، نہ آپ جیسا کوئی نمازی گذرا، نہ روزہ دار، نہ غازی، اور نہ ایسا جلوس کسی کا نکلا، سب لوگ نماز کے لئے وضو کریں یا تیمم، مگر آپ کی آخری نماز وہ تھی جس کے لئے نہ وضو تھا نہ تیمم، جب پانی پینے ہی کو نہ تھا تو وضو کاہے سے کرتے اور رہا تیمم تو تیمم ہاتھ سے ہوتا ہے منہ اور کلائی پر ہوتا ہے، اور خشک مٹی سے ہوتا ہے، مگر وہاں زخموں سے نہ چہرہ محفوظ تھا نہ کلائی اور جب ریت پر ہاتھ مارا تو وہ خون سے کیچڑ بن گیا۔ اب بتاؤ تیمم کیسے کرتے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں
نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

غرضکہ یہ انوکھی نماز وضو اور تیمم سے بے نیاز تھی، روزہ ایسا انوکھا رکھا جو عالم میں بیمثال ہے سب کے روزے دن بھر کے انکا روزہ ڈھائی دن کا، سب کے لئے وقت افطار غروب آفتاب ہے انکا وقت افطار دوپہر، سب غذا یا پانی سے روزہ کھولیں مگر حسین نے اپنے خون سے روزہ کھولا، نیز اوروں کی بیویاں بیوہ ہو کر عدت کے چار ماہ دس دن ایک جگہ بیٹھ کر گذاریں مگر امام حسین کی بیوی علی اصغر کی والدہ علی المرتضیٰ کی بہو بلکہ یوں کہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کا اجالا اور سارے مسلمانوں کی آبرو، یہ جب بیوہ ہوں تو بشکل جلوس کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق گرفتار ہو کر پہنچائی جاویں، جیسا کہ جلوس حضرت حسین کا بعد

شہادت نکلا ایسا کسی کا نہ نکلا ہو گا، آسمان و زمین نے کبھی یہ نظارہ نہ دیکھا ہو گا کہ بھائی کا سر نیزہ پر آگے آگے ہو اور قیدی بہنیں پیچھے پیچھے اونٹوں پر سوار۔

کہ سر بھائی کا ہو نیزہ پہ اور اونٹوں پہ ہوں بہنیں
جہاں میں مبتلا ذیقدر کمتر ایسے ہوتے ہیں

مرنے والے بوقت موت اپنے بچوں کے لئے وصیتیں کرتے ہیں، لیکن حضرت حسین ایسے انوکھے دنیا سے جارہے تھے کہ بہتر زخم کھا کر گھوڑے سے نیچے آتے تو اپنے قاتل سفاک شمر سے دو رکعت نماز قصر کی مہلت مانگی، قسم رب کی ہماری لاکھوں نمازیں ان کے اس سجدہ پر قربان ہو جائیں۔

اس دوگانہ پہ فدا ساری نمازیں جس میں
دھار حلقوم پہ سر خم ہو عبادت کے لئے

اور کیوں نہ ہوتا وہ چمن مصطفیٰ کے مالی، امت کے والی، دین کے رکھوالی تھے، مصیبت و آرام میں دین کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

پھنسی جو دام میں بلبل تو یوں لگی کہنے
کرے گا قتل کیا تو نے جب اسیر مجھے
کباب شمع کے شعلہ پہ کیجیو صیاد
کہ شکل گل نظر آتے دم اخیر مجھے

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بوقت ذبح باپ کو وصیت کی تھی کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے تاکہ ذبح کے وقت نہ تڑپوں، کیونکہ جانکنی کی تڑپ سب کو ہوتی ہے، مگر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بھی ایسی انوکھی کہ ذبح کے وقت نہ تڑپے نہ جنبش کی۔

تہ خنجر بھی نہ تڑپا پسر شیر خدا
یہ تکلف تو فقط فاطمہ کے شیر میں ہے

بعد شہادت جب نیزہ سر پر رکھا گیا ہے، تو آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور زمین پر نظر تھی،

کسی نے اس کا عجیب نکتہ بیان کیا ہے۔

با آنکہ سر ہے نیزہ پر سوئے زمین ہے رُو
یعنی ہے ان کو سجدہ ثانی کی آرزو

رکعت اول کا ایک ہی سجدہ تو کر پائے تھے کہ قاتل نے شہید کیا، یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الشہداء ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شہداء کی شہادتیں انہی کے دامن پاک سے لپٹ کر بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہیں، غرضکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا گھرانہ ہی پاک اور ستھرا ہے میں کیا اور میری حقیقت کیا جو ان صفات کا کرشمہ بیان کرسکوں۔ بہت جلدی میں یہ چند اوراق لکھ کر دیئے۔ رب تعالیٰ انہیں قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور صدقہ جاریہ بنائے۔

يَلُوحُ الخَطُّ فِى القِرطَاسِ دهرًا مُصَنِّفُه رَمِيمٌ فِى التُرَابِ

جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے دعائے مغفرت فرمائے کہ اس محنت سے یہی مقصود ہے۔

اے کہ برماہی روی دامن کشاں از سر اخلاص الحمد بخواں

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيرِ خَلقِهٖ وَ نُورِ عَرشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصحٰبِهٖ اَجمَعِين بِرَحمَتِهٖ وَهُوَ اَرحَمُ الرَّاحِمِين

احمد یار خاں نعیمی اشرفی
۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

